

الحمد لله الذي شرح حديثه في كتابه

جس پر مسئلہ تشبیہ بالکفار کی اہمیت، اُس کی شرعی عقلی حیثیت اُس کے منشا و ماخذ، اُس کے فقہی درجات، پھر اُس کے قدرتی نتائج پر عقل سلیم اور نقل صحیح سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مسند کربوں کے تمام اصولی اور شرعی شبہات کا استیصال کیا گیا ہے۔

جوان صالح عالم با عمل مولانا الحافظ الحاج القاری محمد سیف الدین صاحب مہتمم
دار العلوم دیوبند بانی حضرت مولانا الحافظ الحاج محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت حجۃ الاسلام و المسلمین مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہ

مولوی مستنار علی محمد طاہر صاحب

مطهر علی بیگ بکند نظام

تصحیح غلط و متبیین جلاط

مطالعہ کتاب سے پہلے قلم اٹھا کر ان غلط کتابت کی تصحیح کر لی جائے تاکہ مطلب ضبط نہ ہو۔

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
سرکنا	سرکنا	۳	۱۲	نسلم	لنسلم	۸۱	۱
ہو	خوبی	۱۰	۱۳	خول	خوبی	۸۲	۲
پائی	پائی حبائی	۱۱	۲۰	شعاریں	شعاریں	۸۴	۲
تہیں	نہیں	۱۰	۹	وسلم	وسلم کے	۸۴	۱۱
مخطوطا	مخطوط	۲۰	۱۹	سید	سید	۸۴	۱۸
معلوم	معلوم	۲۶	۱	بادجو	بادجو	۹۱	۴
معلوم	معلوم ہوتا ہے	۲۳	۱۹	اُصولاً ترک	اُصولاً	۹۱	۹
اقتصادی	اقتصادات	۲۵	۱۰	ساقط	ساقط	۹۳	۱۰
کرے	کرے	۲۵	۲۰	درایت	درایت	۹۳	۱۳
کیمی	کیمی	۲۶	۶	اپنے نہیں	اپنے نہیں	۹۸	۳
خصوصیات ہیں	جسب کیمی	۳۱	۹	فاش	فاش	۱۰۴	۱۸
بجائے بجائے	تقریباً	۳۳	۱۹	علیہم السلام	علیہم السلام	۱۱۰	۱۵
آلود	بجائے بجائے	۳۶	۱۴	وہ نری	وہ نری	۱۱۳	۱
پٹا	آلود	۳۶	۱۴	کیونکہ	کیونکہ	۱۱۶	۹
پٹا	پٹھا	۳۷	۲	ہوئے پر قرآن ناطق	ہوئے پر قرآن ناطق	۱۱۷	۱۹
تقسیم	تقسیم	۳۷	۸	عہد	عہد	۱۲۳	۱۶
البا سکل	البا سکل	۴۵	۱۶	بدن لباس	بدن لباس	۱۳۱	۱
سما کہ	یانتہ نہیں	۴۶	۱۳	یانتہ نہیں	یانتہ نہیں	۱۳۲	۶
دھنی	ادھورا	۴۳	۱۹	ادھورا	ادھورا	۱۵۳	۱۶
علیہم	طبعی	۴۸	۱۳	طبعی	طبعی	۱۵۶	۱۴
واللہ اعلم	مردوں	۴۸	۱۸	مردوں	مردوں	۱۶۰	۱۳
دہشت گردی	سعینہ	۴۹	۲	سعینہ	سعینہ	۱۶۵	۱۳
سیر	نہیں	۵۱	۴	نہیں	نہیں	۱۶۵	۱۹
نہیں	نہیں	۵۳	۱	ہو جائیں	ہو جائیں	۱۶۸	۱۰
نہیں	بلکہ عہد	۵۵	۱۸	بلکہ عہد	بلکہ عہد	۱۶۸	۱۳

یہ کتاب میرا نام رکھ کر دنا، فخر کسی خاص نام نہ رکھوں، نہ میرا کیا کیا کرتا
کتاب میرے سرخ ہوتا ہے، بلکہ مطلقاً کوئی نہ لکھتا ہے۔
میرا نام میرا نام رکھتا ہے، بلکہ میرا نام رکھتا ہے، بلکہ میرا نام رکھتا ہے۔
میرا نام میرا نام رکھتا ہے، بلکہ میرا نام رکھتا ہے، بلکہ میرا نام رکھتا ہے۔
میرا نام میرا نام رکھتا ہے، بلکہ میرا نام رکھتا ہے، بلکہ میرا نام رکھتا ہے۔
میرا نام میرا نام رکھتا ہے، بلکہ میرا نام رکھتا ہے، بلکہ میرا نام رکھتا ہے۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	ایک اہم مقصد پر قائم نہیں ہو سکتی۔		عالمی پورا بیخ امتیاز مسلم و کافر کا بھی زبردست حامی ہے۔
۶۹	مسئلہ تشبیہ دور تاہین میں۔	۴۴	ترک تشبیہ ہی سے امتیاز مسلم و کافر قائم رہ سکتا ہے۔
۷۰	حضرت عمر بن عبد العزیز کے فرامین۔	۴۵	قرآن میں ترک تشبیہ کا مذہبی اور سلسلہ دار پر وگرام۔
۷۱	مسئلہ تشبیہ امر ایہما کی نظر میں۔	۴۵	ترک موالاة۔
۷۲	مسئلہ تشبیہ اور صوفیات کے کام۔	۴۵	تبری سانی۔
۷۳	طلبائے علوم اسلامیہ ایک دردمندانہ خطاب۔	۴۸	ترک شبہل۔
۷۴	کیا اسلام کی بنیاد پر محالہ کفر ہو سکتا ہے؟	۴۹	ترک معاملات۔
۷۵	تمام انبیاء علیہم السلام کا مذہب اسلام ہی تھا۔	۵۲	ترک مجالستہ۔
۷۶	کفر مخالف اسلام کا نام ہے۔	۵۲	ترک اولاد۔
۷۷	مسئلہ تشبیہ خلافت اسلام سے دو کتا بیڑہ کلام کی	۵۳	اعلان بغض و عداوتہ۔
۷۸	بنیاد کفر کے خلاف پر قائم کرنا ہو۔	۵۵	ترک تشبیہ۔
۷۹	تشبیہ کے فقہی مراتب یعنی تشبیہ کفر و تشبیہ حرام و تشبیہ غیر	۵۹	مسئلہ تشبیہ حدیث نبوی میں۔
۸۰	تحریرات و تزیینات۔	۶۰	حدیث من تشبہ بقوم فهو منهم اور اس سے سلف
۸۱	علماء ہر تشبیہ سے احتیاط ضروری ہے۔	۶۱	صحابین کے استدلالات۔
۸۲	سب ذرائع اور احتیاط کی پختہ مشہوری نظیرین۔	۶۱	تشبیہ سطلق حرام ہے۔
۸۳	معاذہ باب اول اور اس کا خلاصہ۔	۶۲	مسئلہ تشبیہ تشریہ و تہذیب میں۔
	باب دوم		فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ کے فرامین میں قومی امتیازات۔
۸۴	بحث و تنقید اور شبہات کے جوابات۔	۶۳	انہ کے سلف نے تفسیر مساک سے ترقی پائی لیکن خلف
۸۵	شبہات کی نوعیتیں مختلف ہیں۔		آزادی مشرب سے تزلزل ہیں مبالغہ۔
۸۶	حدیث من تشبہ بقوم فهو منهم انکار کے شبہات کی اجڑا	۶۴	ترک تشبیہ نیز اسلام کی شوکت و شان کی ذلہ (جہاں اسلام کا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۱۴	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عطلہ تھا۔	۹۴	حدیث مذکور کی سند، تعبیل رواد اور مشہد لائق طاع کا جواب،
۱۱۵	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لباس بھی عطلہ تھا۔	۹۷	حدیث کے متعلق درایتی شبہات اور ان کے جوابات۔
۱۱۶	حضرت اسماعیل علیہ السلام کا لباس بھی عطلہ تھا۔		پہلی بحث
۱۱۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لباس بھی عطلہ تھا۔		حدیث کا مورد۔
۱۱۸	اتام انبیاء علیہم السلام (جو خلیفہ مومنان و انوار میں گذری		دوسری بحث
۱۱۹	میں) کا لباس بھی عطلہ ہونے اور ان کے کسی وطنی تمدن سے	۹۸	حدیث کے سرشاری نتائج۔
	متاخر ہونے کے پانچ قرائن دشواہ۔		تیسری بحث
۱۲۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے جس خطہ میں بھی پیدا ہوئے	۱۰۰	جنتہ رومیہ۔ شامیہ۔ طرابلس کی جزئیات و مسائل تشبیہ
	اسی کا لباس، دسی عطلہ، ہمارے عرب میں رہا۔		باطل نہیں ہو سکتا۔
	پانچویں بحث	۱۰۲	آیہ کریم قل من حکم زینہ اللہ اور حدیث کلوا دانتی
۱۲۱	اس بحث کے تین ارکان ہیں۔		والیسو مع تفسیر بخاری احوط طالب الکفر کے عین تشبیہ
۱۲۲	(پہلا رکن) ہر چیز منور ہو مگر وہی نہیں ہو کہ وہ لغز بھی ہو۔		کی اجازت نہیں نکلتی۔
۱۲۳	(دوسرا رکن) ظاہری اعمال اور باطنی کیفیات۔	۱۰۵	سلف کے نزدیک لباسی تشبیہ بھی حدیث من کفر بہ
۱۲۴	فلو اہر کاس جو جانا بھی بدترین عیب ہے۔		بقوم میں داخل ہے۔
۱۲۵	ہر ظاہر باطنی میں سونہر ہے اور اس کی دلیل۔		چوتھی بحث
۱۲۶	ظاہر کو باطن میں تاثیرات کی چند نمونوں و تجربوں	۱۰۸	صحاہ بار و مشرکین کے لباس میں تشبیہ کا وجود نہ تھا۔
	مثالیں۔	۱۱۰	نبی کا لباس اور عام معاشرۃ قومی رسم و رواج اور خصوصیات
۱۲۷	ظہر ہر حال کی باطنی کیفیات میں تاثیرات کی چند		مرد و بوم کے مانع نہیں ہوتی بلکہ نکات فاضلہ و اشارات
	شرعی تفسیریں۔		غیب کے انکشاف ہوتی ہے۔
۱۲۸	مسئلہ شہر ظاہر و باطنی کا مجموعہ و تفسیر طبعی	۱۱۳	انبیاء علیہم السلام کے لباس کی نوعیت ہر مومنان میں یکساں

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۵۶	حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِكَامِلٍ أَوْ بِمَنْ تَجَوَّزَ مَنَکَرِیْنِ هِیَ بِمَا جَاءَتْ	۱۳۶	مسئلہ تاثیر ظاہر در باطن پر چند تائیدی شہادتیں۔
۱۶۵	تب بھی مسئلہ تشبیہ اسی حدیث سے ثابت ہو جاتا ہے۔ حدیث کَا مَرُؤٌ هَبَّ نَفْسَهُ فِی الْاِسْکَاکِ اَوْ رَاسَ سَکَرِیْنِ	۱۳۹	بلکہ ظاہری اعمال باطنی جذبات کے ترجمان ہیں۔
۱۶۶	تشبیہ کی اس مسئلہ کی تفسیر۔	۱۴۳	تیسرا رکن مسئلہ تشبیہ کا فی الجملہ امثال (یعنی کسی ایک آدمہ
۱۶۷	حدیث ذِکْرُ مَنَکَرٍ وَکَلِیُّہِ یُوَدِّہِ بِمَا مَسَّلَہُ تَشَبُّہٌ کِیْ اَیْکِ		جزئی پر عمل کر لینا اور ہفتیہ کو نظر انداز کر دینا کافی ہے
۱۶۸	مستقل دلیل ہے۔		اعتقاد اتحاد اور عملاً بدینی ہے۔
۱۶۹	فصل	۱۴۵	تشبیہ یا موافقت کفار بعینہ مخالفت انبیاء ہے اور اس کے مضر نتائج
۱۷۰	افتخام بحث اور تمام حجتہ۔		مخالفت کفار اور موافقت انبیاء حقیقتہً مطلقہ نہیں جو کسی ایک آدمہ
۱۷۱	مسئلہ تشبیہ کا در عشق و محبت پر ہے۔		جزو پر عمل کر لینے سے ادا ہو جائے بلکہ حقیقتہً عامہ ہو جو تمام افراد
۱۷۲	عشق کی چہارگانہ کیفیات۔		پر عمل کئے بغیر پوری ادا نہیں ہو سکتی۔
۱۷۳	مؤمن بادشہ عاشق رانی ہے۔	۱۵۱	موافقت و مخالفت ایک مجموعہ ہے جو اپنے کل اجزاء ہی سے قائم
۱۷۴	ایمان کے دو لوازم ترک کفر و یس و تقویٰ و تسلیم اور		ہو سکتا ہے۔
۱۷۵	ان کے آثار۔	۱۵۲	تکوینی مجموعوں کی چند مثالیں۔
۱۷۶	ایمان کے ہی دو مقام مسئلہ تشبیہ کی بنیاد ہیں۔	۱۵۳	تشبیہی مجموعوں کی چند مختلف انواع نظیریں۔
۱۷۷	متشبیہین کے چہرہ اور ان کا استعمال۔	۱۵۴	اعیان ششہ عیثہ۔
۱۷۸	تج تشبیہ کی وجہ کوئی دلیل نہیں بلکہ دلوں کی کجی اور	۱۵۵	افعال ششہ عیثہ۔
۱۷۹	ان کا عشق الہی ت خالی ہونا ہے۔	۱۵۶	اخلاق ششہ عیثہ۔
۱۸۰	۱۔ ۲۔ ۳۔	۱۵۷	ادوات ششہ عیثہ۔
۱۸۱		۱۵۸	موافقت و مخالفت کو از حقیقتہً مسئلہ تشبیہ ہی مان لیا جائے تب ہی
۱۸۲		۱۵۹	فی الجملہ امثال کافی نہیں۔
۱۸۳		۱۶۰	ایمان تشبیہ یا موافقت عامہ اور تشبیہ یا مخالفت

تقریظ از حضرت مولانا الحلیم حسین احمد صاحب دامت برکاتہم شیخ الہدایت

[illegible]

۲۹ جلدی دینی مسئلہ
مقررین از حضرت مولانا الحاج المیر محمد رفیع احسن صاحب دامت برکاتہم نظام تعلیمات
الہیہ تعالیٰ خالصہ اور مصداق و مصیباہ مسئلہ تشبیہ کرنی مع الصادقین۔ اور لائق مع رفکا فرین سے ایک دانشمند بہت کچھ
مجھے سکھایا۔ ہدایت اور ضلالت کا مدار ہی تشبیہ و analogy پر علم الہام اور تشبیہ بالکفار پر ہے۔ اگر جیسے یہاں فرائض و واجبات سنن
سجودات و مساجدات ہیں اسی طرح تشبیہ بالکفار میں محرمات و مکروہات تحریمیہ و تنزیہیہ ہیں۔ اور جب شریعت محمدی صلی اللہ علیہ
صلواتہ و التوحید تکمل و تتمم حاسن اخلاق برادر کوئی فعل مکلف کا امور مذکورہ سے باہر نہیں ہو سکتا۔ تو ضرور تھا کہ مسئلہ تشبیہ دار
ایک و ہلاکت ہونا علمائے ائمہ نے اس مسئلہ کا کوئی پہلو بھی تاریک نہیں چھوڑا۔ مگر ضرورت اس کی تھی کہ ہماری زبان میں ایک
ایک مسئلہ کے دونوں پہلوؤں اور ان خصوصیات مانوسہ کی پہلو پر پوری روشنی ڈالی جاتی۔ لہذا مقررین نے یہ قرعہ میاں کر عزیز سید
ایمان شاہ قزوینی عبادۃ اللہ کی عالم باغی یادگار تاسی جسکا نظم و عمل صورت و سیرت اخلاق و عادات سب بغیر تعالیٰ
نہ ہوتی۔ حضرت مولانا مولوی الطاف الرحمن صاحب مرحوم و مغفور سابق صدر فقہانہ دارالعلوم دیوبند کے فرزند و چچان

حاجہ احمد اور صاحبزادہ اختر نے اپنے عزیز گرامی قند مولانا محمد طیب صاحب کا علمی رسالہ نہایت غور سے پڑھا طبیعت کو نہایت فرحت ہوئی اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ مولانا کو ایسے فیوض علمیہ سے الاال فرمایا اور نشر و اشاعت کی توفیق دیکر اہل علم کے لئے حفا فرمایا اور دیگر حضرات کے لئے سامان ہدایت میسر فرمایا۔

کتبہ الفقیر اصغر حسین عفا اللہ عنہ

تقریباً حضرت مولانا الحافظ محی اعزاز علی صاحب امتیاز کا نام

صدیقی و ارسلوم و لوتند

الحمد لله وكفى به عظيم على عباده الدين اصطفي، اما بعد زيادہ زمانہ نہیں گزرا کہ بعض دوست ہمارے ہمارے ہمارے دوست یورپ کے تہذیب سے متاثر ہو کر اسلام اور غیر اسلام کی اس درمیانی ظلیج کو پاٹنے لگے تھے جو بہت زیادہ وسعت کے ساتھ دریا میں حائل تھی اور جس کے ذریعہ سے تھوڑی سی توہمہ کے بعد انسان اسلام اور غیر اسلام میں امتیاز کر سکتا تھا۔ انوارِ زمزم۔ یہ بھرے غبار و غم عالم اس متحدہ ذات کی قبر کو جس کے مساعی نے آج تک اسے انوارِ عالم کو انوارِ علوم و دینیہ سے منور کیا ہے۔ اور جو کہ ہم آج حضرت ناف و نبی قدس سرہ کا کرتے ہیں۔

اس مقدس سستی نے دنیا میں رکھ کر اگر ایک طرف غیر مسلموں کے شکوک کا ازالہ کیا تو دوسری طرف ان اندرونی اعدائے عقائد فاسدہ اور اعمال منکرہ کی تفتیح بھی کی۔ اس مخلصانہ اور حبیبیہ لوحہ تعالیٰ شانہ مسامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ منکرات کی یہ بڑھتی ہوئی رُو یکایک ٹک گئی اور یہ سیلاب عظیم خدائی براہین کے سامنے سرسبز ہونے لگا، اس موجودہ دور میں انھیں عقائد فاسدہ اور اعمال منکرہ کی اشاعت مقدم الذکر اصحاب کی روحانی اولاد نے پھر شروع کی اور وہی اطمینان اسلام کے استیصال کے لئے استعمال کئے جو ان کو اپنے روحانی مورثوں سے ترک میں ملے تھے۔

تاو مطلق مدارج دارین بلند کرے، جناب مولانا مولوی قاری محمد طیب صاحب کے جنوں نے اس فرض کو باسینہ و جہان رسالہ کی صورت میں ادا کیا جو انہر حضرت مہرج الصدقہ کے نبیرہ ہونے کی حیثیت سے دفاع عن الاسلام کے متعلق صادر ہوا تھا اور اسی لئے میرا دل چاہتا تھا کہ مورث اور وارث کی دونوں جماعتوں کی مدح میں عرب کے شاعر کا یہ شعر پڑھ دوں۔

فعل فعال کلک عجايب

فعل فعل ابی بھی

بلاشبہ تشبیہ غیر المسلم کا مسئلہ وہ مسئلہ ہو کہ جہاں اسلامی اصول و فروع کا بہت زیادہ ماسہ ہوا اور ایسا مسئلہ مجاہدین اسلام کی اہمیت کو کم کر کے کی ہمیشہ کوشش کی ہے اور علمائے اسپر روشنی ڈالی ہے۔ موجودہ حالات میں کہ یورپ کی ملمع سازیاں زیادہ سرعت کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہی ہیں، ضرورت تھی کہ دلچسپ انداز میں اسلام کے چہرہ سے اس روغن تازہ کو دور کرو یا بجائے الجھوٹ کہ یہ ضرورت اس تصنیف نے پوری کر دی۔

میں نے اس رسالہ کا بہت سادہ مختلف مقامات سے متفرق اوقات میں دیکھا اور سچ یہ ہے کہ میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ میں کن الفاظ سے اس رسالہ کی مدح سرائی کروں۔ معمولی الفاظ بجائے مدح کے ذم کی صورت اختیار کریں گے اور اگر پوری تعریف کروں تو یہ دشواری ہوگی کہ لوگ کہیں گے کہ مقررہ متعلق ہے اور میں خیال کروں گا کہ میں اب بھی واقعیت نہ پہنچ سکا۔

وان لسانی فی معالیاک تظلم

الیس عجیبات و صفات معجز

اس لئے اس کا ارادہ ہی ترک کرتا ہوں اور مصنف کے لئے دعا کرتا ہوں کہ خدایا! اس علمی نو نہال کو علما و عملاً اپنے حراجہ کے قدم بقدم دکھ۔ اور تھکان علم کو اس جدول علمی سے سیراب فرما۔

ابن دعا از من داد جملہ جہاں آمین باد

محمد اسرار علی عفریہ مدرس دارالعلوم دیوبند

۱۴۲۸ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَقَدِّمَةُ الْكِتَابِ

وَجْهٌ تَصْنِیْفٌ اَوْ مُصَنَّفٌ كِی جَزْءٌ فَرِیغٌ لِّمَنْ

دنیا میں قوۃ و شوکت جس چیز کا ساتھ دیتی ہے وہ قدرتی طور پر عالم کیلئے نظر فریب اور دلپذیر ہوتی ہے۔ کسی خوبی اور کمال ہی پر منحصر نہیں، ہر سے بڑا نور اور فواہش و منکرات بھی جب شوکت و قوۃ کی حمایت میں بسیط اور پرنمایاں ہوتے ہیں تو عامۂ الناس کی توجہ کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اور اسی کے بالمقابل کسی پستی و ذکس اور مغلوبیت و ناتوانی وہ ہلکے عظیمہ ہے کہ بھلی سے بھلی چیز کو بھی عام طبائع کے لئے حقیر اور ناقابل التفات بنا دیتی ہے۔

اسلامی تمدن کی بنیاد سادگی، زہد و قناعت، تدبیر و خدا پرستی اور حسن بقوۃ پر قائم تھی جبکہ ہماری سکالوں کی بدولت شوکت و قوۃ نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تو شوکت پرست طبیعتوں نے بھی اُس سے کٹھ موڑ لیا اور تباہی کے موڑ لے لگی، اُنہیں ہزاروں معائب پیدا ہو گئے اور پراپوں سے زیادہ اپنوں ہی کیلئے وہ ناقابل التفات اور قابل گذشتہ بن گیا۔ اور کھیکاس کے بالمقابل وہ انگریزی تمدن جس کا منشائیش کوئی طریق بقوۃ اور خلق ربانی نہیں بلکہ انکی بنیاد سادگی و تعیش اور نفس پروری و تن آسانی پر قائم کی گئی ہے جبکہ حکمرانی اور شوکت کے زیر سایہ تربیت پاکر پروان چڑھا تو آج اُس نے اپنے اندر کتنی رعنائی و دلربائی پیدا کر لی، اس کا نظر فریب شباب کسبہ جاذب قلوب نکلیا اور اُس نے سرزمین ہند کے لوہالوں میں سے کسبہ اپنی ایسے عاشق پیدا کر لئے جو اُس پر جان ایمان نثار کر دیں جن میں بھی کوئی در نہیں رکھتے۔ وہ اسکی ہر ہری سے بڑی خصلت اور اس کے شمع سے شمع رو یہ کا محض اسلئے پرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں کہ اس کی ساتھ غلبہ و تسلط کی نمود ہے۔

قوۃ و ضعف کے اس ادل بدل نے مشرق و مغرب کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیا اور تہذیب یورپ اور

تمدن ایشیا کی اس ہولناک کشتی کا انجام یہ نکلا کہ مسلمانوں کے قلوب پر سپیدہ مشرق کی روشنی پھیلنے کے بجائے مغرب کی تاریکی چھانے لگی اور رفتہ رفتہ انہوں نے تمدن کی دہلیز پر تہمتیں کی دولت نثار کرنی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ آخر کار آج ان کے عائد میں سے اسلام کی سی روشیں یکسر گم ہو گئیں۔ نہ مسلمانہ اوضاع و اطوار رہی۔ نہ مؤمنانہ عادات و خصال نہ اصحاب تقدس کی سی نورانی پیشانیاں ہی رہیں۔ نہ اصحاب تقویٰ کے سے چہرے اور خرد و خال۔ نہ تھکاوٹ کے سے ملبوسات رہو نہ رہائیوں کے سے مالونات۔ بلکہ انکی جگہ مستغربانہ افکار و اعمال۔ خود پرستانہ ذی وہیتہ رجحانات اور رفتار و گذار کا فزانیہ لباس اور منکرانہ مرغوبات نے سینھال لی۔ گویا تیرہ صدی بعد قوم کے نزدیک تمام ترقیات و سعادات کا معیار بجائے اسوہ ہائے نبوت کے ان کم کردہ راہ اقوام کی مساعی ٹھہر گئیں جو نبوت کے ہاتھوں چھائی ہوئی قویں تھیں۔ اور اتباع و پیروی پھر مائلہ و مشابہت کے وہ تمام مایج جو شینکھان نبوت اور شان رسالت کے ساتھ قائم ہوتے آج دنیا کی مادہ پرست اقوام کے ساتھ قائم ہو گئے۔

پھر اتباع سنن اقوام یافتہ تشبیہ کی ریشہ دانیماں صرف عمل ہی تاک محدود نہ رہیں بلکہ عقل کی مشق نے علم کو بھی اوت کر دیا۔ طلوع فرغانی قوت اور تیزی طاقت اٹھ گئی۔ اور وہ چیزیں جو تک کردہ سمجھا کھائی تھیں آج مبالغہ کو نہ پر عمل لائی جا رہی ہیں۔ ملک کی کوششیں اور قوم کی ہمتیں تشبیہ بالا اقوام اور تشبیہ بالذات کو نہ صرف روا بلکہ تحسن باور کرانیں مصروف ہیں۔ اس نامعقول مقصد کی تکمیل کیلئے کھلی ہوئی ڈھٹائی اور جیانی کیسا تہ دنیا میں اعداء اللہ، اعداء الرسول، اعداء العلماء کے اسماء کی انجمنیں قائم کیا جا رہی ہیں۔ اخبارات و رسائل میں بحثیں اٹھائی جا رہی ہیں کہ موجودہ تمدن کے تمام اختراعات و مخدعات خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتی ہوں یا تھیل و تزئین سے اور خواہ وہ رہائشی امور کے متعلق ہوں یا عائلی چیزوں کی یہی نہیں کہ وہ اسلام کے خلاف نہیں بلکہ عین سنن اسلام کے ماتحت اور مقاصد دین کے موافق ہیں۔ غرضی اسلام کے نام سے لڑنے کی ایک ایسی تشکیل کیا جا رہی ہے جس سے اسلام کی اصلی شکل و صورت سبھ ہو تی جا رہی ہو۔ اور اگر کچھ تہہ اسطرح دین پر یہ سفاکانہ مشق جاری رہی تو وہ دن دور نہیں کہ اس کے نتیجے میں خد خال دنیا کی نہا ہوں سے چھپ چائیں اور قلوب پر اسلامی حقائق بالکلیہ خفی ہو جائیں۔ اور اسلامی معاشرہ کائنات علی فلک باقی رہے نہ علی پتہ نشان۔

ایسے فتنہ بکبار اور دورالتباس اتحاد میں اس عاجز کے دل میں محض درد مندانہ اور خیر خواہانہ طریق پڑتا ہے۔

داعیہ پیدا ہوا کہ اپنی بساط اور مقدور کے موافق مسئلہ تشبیہ پر قلم اٹھایا جائے اور اس کی عقلی و شرعی حیثیت پیش کر کے مخلوق کو پھر ایک دفعہ اسی مرکز حقیقت کی طرف متوجہ کیا جائے جو دین خالص اور صراطِ انبیاء تھا اور لوگوں کو اس حقیقت پر پوری بینکے خطوط کھینچ کر نئی نئی پکتہ نثریاں نکال لیں اور چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ مرکز سے دُور جا پڑے جس جہت سے کی توفیق بخشی پر پھر دسہ کہے قلم اٹھایا اور اس تحریر کی بنیاد ڈالی۔

لیکن دوسرے مسئلہ یہ اتنا اہم اور اپنی اصول و فروع کی ہر گہری کے سبب بہت کچھ پھیلاؤ رکھتا تھا پھر ایک عرصہ تک یہ
تاریخیت یافتہ و مانعہ کن مختلف شہادتیں آج گاہ ہستی کے پرستائیں بحث و محصل کے پہلو پیدا ہو گئی تھیں اور نہ تنہا خلائق
کی سوسنی کیسا ہر طالب علم انہ روزوں کو مقصد نہ کی قرار دینے کے سبب تعینات ثابت کر کے یہ سہ قسطوں نالبر تھا پھر ظلم کم مالگی، استغناء
بے بضاعتی اور اوپر کی سہل طبعی غیرہ امور کی اسکی جہالت نہ دی کہ میں مستغناء اور بقصد اس ہم مقصد کو انجام دیکوں اسلی
انہی اعتبار کے جرم میں جسد و وقت ملتا اور توفیق الہی دستگیری کرتی تھی ظلم بڑھتا ان مسائل کو جو مختلف کتابوں میں نظر سے
گذرتی اور ان مباحث کو جو خود فکر کے بعد ہن نار سائیں خطور کرتیں قلمبند کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ الحمد للہ اس کی دوسرے
سہل تشبیہ کے متعلق دو ضخیم جلدیں مرتب ہو گئیں جن میں پہلی جلد جو تشبیہ کو اصولی اور کی مباحث پر مشتمل ہے پیش کر چکی جرات
کر رہا ہوں، اور دوسری جلد جو فقہی ایوان کی ترتیب سے تشبیہ کو فروعی تشبیہ کی حالت پر آئندہ پیش کر چکی عزت حال کو نگاہ نظر
جمع کی گئی ہیں وہ مختلف کتابوں (حسن السیری احکام من تشبیہ بالغیر للہ میاطی، حجۃ اللہ الی اللہ اللہ الی اللہ اللہ اللہ اللہ
الاستقیم لابن تیمیہ، کشف الکرب عن احوال الی الغریۃ لابن رجب علی بعض تصانیف حضرت چچا محمد قارک العلوم والحدیث
محمد تمام قبل اللہ سرہ) میں منشر تھا اور اگر اقتضا الصراط المستقیم ص ۱۰۱ مطبوعہ دستیاپ کی ہوئی تہا میں یہ مسائل کچھ
ہو کر تیسویں طرح ہاتھ لگے اور میں اور زیادہ انتشار ابن تیمیہ اس کی ایک طرح نمند بنوا کے علم کی پیدا کر دیا جو حد طوق ان
سینا لآخرت ایک ہی شمار پر نہیں رہتا بلکہ بیشہ مختلف فنون اور مہنتت علوم کی جہلوں اور ہر قسم ہو کر بہا کرتا رہا تاہم میں
ان کچھ رہی ہوئی ہو جو نکو ایک ایسی ترتیب سے جواری کی کوشش کی ہو کہ وہ ایک ہی ذخیرہ کی گڑیاں دکھائی دینے لگیں اور ایک
سایہ کیانی ہدایت سہل الوصول اور فی ظلمت آپ حیات ثابت ہوں۔

دادم ترا در گنج مقصود نشان	اگر مانر سیدیم تو شاید بری
----------------------------	----------------------------

جو لوگ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہیں ان سے درخواست ہے کہ جہاں وہ بہت سرد ستر خانوں کی روانعت ہو

اچھا ہے وہ کم از کم تبدیل مذاق ہی کی نیت سے اس سادہ اور نہکلف بارہ کے گرو بھی جمع ہوں لیکن نہ سرسری بلکہ
تدبر و تفکر اور خوش فہم تلاش کے ساتھ نفسی و فکری شیریں انجام نمین جن میں تاکہ وہ خاص حقیقتیں اور بالغ حکمتیں جو ہمیشہ کمال توجہ
ہی سے حاصل ہوتی ہیں ان کے ساتھ سیری اور تسلی کا باعث بنیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اوراق پریشان قوم کی حالت میں
جلد زجلہ کوئی انقلاب پیدا کر دیں گے اور ایسا ہونا فطرۃ کے بھی خلاف ہو یا خصوصاً جبکہ قوم کو ایک ایسی معتدل راہ کی طرف بلایا
جائی جس پر چلا کر میرا نبیاء علیہم السلام کو بھی پیش رو پیش قدمی کا سامنا کرنا پڑا ہو تاہم یہ ایک نظم سادہ ہے جو قلوب کی زمین میں
بکھیرا جا رہا ہے۔ خدا کرے کہ بار آور ہو، خدا کرے کہ خیالات کی دنیا ادھر پلٹ جائے اور قبولِ عمل کے آسانی سے اُسکو پہنچے۔
بال یہ بھی باصراہ اہل نظر پر پوشیدہ نہ رہتا چاہی کہ ان اوراق کا مقصد قلوب کو ایک تنگی اور ضیق میں مبتلا کرنا یا
اُستغناء والے جذبات کو پامال کرنا نہیں بلکہ اسلامی قوم کو مومن حیثیت القوم و تکان و خوداری، مذہبی حیثیت و غیرت اور تحفظ خود
اعتبار کی دعوت دینا ہے تاکہ قوم میں جو حقیقی شعائر و خصوصاً کو زندہ کلمہ کا دلور پیدا ہو جائے اور اس طرح قومی وجود کی ثمرات
منہدم نہ ہوں یا کسی نہ کسی قوی زندگی کی بنیادیں سوخت تک استوار نہیں ہو سکتیں جب تک کہ اسی قوم کی خصوصاً پران کا
سنگ بنیاد نصیب کیا جائے جو قوم اپنا خصوصاً جو رہیں کہتی وہ یقیناً خود اپنی بنیاد پر قائم نہیں ہو اور اسلئے نہ وہ بقا اور
استحکام کی دولت سے مالا مال ہو کر نہ تحقیر و تشنیع اغیار سے مامون۔ اور ضرور کہ ہر ایک کا تشنہ ایسی قوم کو غیرت و حمیت کا
قاتل اور نہ ہی ملت نہ کجانی دشمن تصور کرے گا۔ آخر میں اس درخواست پر مقدمہ کو ختم کرتا ہوں کہ جو فرد بھی ان مسائل کے
رائی زنی کرے اور حقیقتاً علم و اخلاص کے ساتھ تنقید کی قلم اٹھائے تو وہ صرف کسی ایک سادہ ہی مسئلہ کو دیکھ کر اس پر اپنا
خیالات کی آماجگاہ نہ بنائے۔ بلکہ کتاب کے تمام مباحث پر ایک حاوی نظر ڈالے جو مجموعی مقصد اس کے سامنے آئے۔ اور
بحیثیت مجموعی اسلام کی جو غرض ان مسائل سے مترشح ہو اسکو زیر نظر دیکھ کر اپنی خیالات کو حرکت نہ دے۔ ورنہ بسا اوقات ایک
مسئلہ کو دیکھ کر یہ علم دکھایا جاسکتا ہے کہ اس میں جو جانشین داد و زائد از ضرورت تنگی و سخت گیری سے کام لیا گیا ہے لیکن جب اس مسئلہ
کی تمام احوالات کو دیکھ کر مجموعی غرض اور تحتانی غایت واضح ہوتی ہے تو پھر وہ سخت گیری جسکو ایک ظاہر پرست نگاہ تنگی
دیکھتی ہے، حکمت منیر اصول نظر آئے لگتی ہے۔ اور پھر اسکو تحفظ ضرور دینی لگتے ہیں۔

اعتماد ان اوراق کی ترتیب ایک سراسر خطا کا پر از عیوب، قلیل العلم اور کم سواد طالب علم کی قلم سانی کا نتیجہ
جس میں بہت کم ہرگز لکھن اور لغزشوں کا ایک ذخیرہ ملے۔ اسلئے کرام ناس سے التجا ہے کہ مسئلہ کا جو
پس منہ رگیا ہو یا جس پہلو میں فرد گناہت ہوئی ہو اس سے اس بچیدان کو آگاہ کر دیں اور چشم پوشی و تسلیح سے کام
لیں۔ برکریاں کار ہادشوار فیستہ

گو نالہ نارسا جو نہ ہوا ہے میں اثر	میں تو درگزر کی جو جہہ سے ہو سکتا	معترف تقصیر دستِ دعا
		محمد علیہ السلام و آلہ و سلم
		(دارالعلوم دیوبند)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مہینہ

این رہ منزل قدس است میندیش بیا
سپیل ازین راه خطا باشد عین تانگی

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على رسولهم وعلى آله واصحابه
واذ واجه وذرياتہ واتباعہ اجمعین - ایا بعد

انقلاب اُمم

دنیا میں سیکڑوں قانون بنے اور بگڑے۔ ہزاروں آئین مرتب ہوئے اور پھر مٹ گئے، مگر وہ ایک قانون
جس نے ابتداء سے آفرینش سے آج تک کبھی تغیر و انقلاب قبول کیا وہ خود قانون انقلاب ہے۔
اس انقلاب و تغیر کی دسترس سے کائنات کا کوئی جوہر و عرض اور کیفیت و کم اس نہیں پاسکا۔ زمانہ
اور زمانیات مکان اور مکانیات کو بھی اس قانون نے مہلت نہ دی کہ وہ ابد قرار یا کسی ایک حال پر
قائم رہ سکیں۔ ارضیات کو دیکھو تو تعمیر و تخریب شکست و ریخت بدل بدل اور فنا و بقا نے پھر سما دیات
کو بول تو آوار و اطوار، ایاب و ذہاب۔ گردش و دھواں اور لوٹ پھیر کی متضاد کیفیات نے ان کے ہر ہر
ذرہ کو اپنی زنجیروں سے جکڑ دیا ہے۔

وہ اشرف ترین نوع انسان جس نے تمام کائنات ارضی و سماوی پر فضیلت کا دعویٰ کیا ہو اس کا
بھی کوئی فرد اور کوئی مجموعہ پھر اس کی ہر ہر حالت انفرادی ہو یا اجتماعی ان دھری انقلابات عروج

دنیزوں اور رفت دہشتی سے ماسون نہ رہ سکی۔

کبھی یہ ظلوم و جہول عزم و ہمت بیکراوج سعادت کی طرف اٹھتا ہے تو طائران قوس بھی اسکی پرواز سے نیچے ہی دھرے رہ جاتے ہیں اور کبھی یہی پاکباز انسان ہستی و ذوات کے سبب حنیض ذلت کی طرت گرتا ہے تو عالم کی ہر ذیل سے ذیل چیز اس سے اچھی اور برتر معلوم ہونے لگی ہو۔

لقد خلقنا الانسان في احسن تقويمه
رَدِّ ذَنَاكَ اَسْفَلَ سَافِلِينَ -

ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں بنا دیا
پھر ہم اسکو پستی کی حالت والوں سے ہی پست تر کر دیتے ہیں

گئے برطراہم اعلیٰ شینم	گئے برپشت پائے خود نہ بینم
------------------------	----------------------------

غرض اس اشرف الائنات کے سکون و قرار کا سر بھی تغیر و انقلاب کے بارے کبھی ہلکا نہ ہو سکا۔ زمانہ کی تلون مزاجیاں اور تغیر پذیر رفتاریں ہمیشہ ایسے انقلابات پیش کرتی رہی ہیں اور کائنات عالم کا کڑہ ہمیشہ گیند کی طرح اس کے چوگان تلون سے لڑکتا رہا ہو۔ اس نے کتنی ہی راعیوں کو جہنم نے برسوں خدا کی مخلوق پر جبروت سے حکمرانی کی ایک ذیل رعیت کی حیثیت میں پیش کیا اور کتنے ہی سرور کو جن پر عزت کے تاج رکھے گئے۔ ذلت و خواری کی ٹھوکروں کے قابل بنا دیا۔

زمانہ کی روشن مثالی جب اپنا چہرہ بے نقاب کرتی ہے تو ساگ اصحاب کہف عزت و شرف میں نبی آدم کے دوش بدوش نظر آنے لگتا ہو۔ اور زمانہ ہی کی تصویر جب اپنا تاریک اور بدنام پہلو سامنے کرتی ہے تو ایک حلیل القدر اور الو العزم پیغمبر (نوح) کا بیٹا اہل نار کے گروہ میں شامل ہو جاتا۔ اور خدا ندان نبوت کو داغدار بنا دیتا ہے۔

پس نوح بایداں بنشت	حساندان بنو تش گم شد
ساگ اصحاب کہف روزے چند	پئے نیرکان گرفت مردم شد

پھر نہ صرف اشخاص بلکہ دنیا کی اگلی اور پچھلی تمام اقوام اسی قانون تغیر و انقلاب اور ضابطہ حد و ثبوت کے سامنے سرخم کئے ہوئے گزریں اور گزرتی رہیں گی۔ کتنی ہی الو العزم قومیں تاج و تخت کے جبروت کے ساتھ افق عالم پر چمکیں اور دنیا کی نگاہوں کو انہوں نے اپنے سطوت و جلال سے حیرہ

کو دیا لیکن پھر انہی سطوت و اقتدار کے مالکوں کو قانون انقلاب کے ہاتھوں نے کائنات کے دنگل میں اس طرح پچھاڑ دیا کہ پھر وہ تو میں کبھی نہ ابھر سکیں۔

وہ قوم جس نے منہ اشبد مناقوہ کا نعرہ بلند کیا۔ وہ قومیں جنہوں نے اپنی فوق العادہ صلاحیتوں سے پہاڑوں کو موسم کی طرح تراشا اور ان میں بیوت مسکن بنائے و عمر ہا اکثر طاعون ہا اور وہ قومیں جن کی بے مثال دماغی اور علمی جولانیوں کی تاریخ آج تک دنیا کو حیرت و استعجاب کی دعوت دیر ہی پر بھینی عادی نمود۔ اصحاب مدین اور کلماتی قویں دنیا میں زبردست اقتدار کی سہا تھ آئیں۔ ترقی اور نئے نئے ایجادات کی ساتھ آئیں۔ لیکن جبکہ ان کے وسیع طاقت کے گھمنٹے متلوع دنیا کی نبض پر ور طلب طوطا نفسانی کی ہوسناک مانگ اور استمتاع خلاق کی مستقیانہ آرزو پر اٹھیں اور ہڈیاں کے مست غرور و پندار کو دیا تو سنت جاریہ کے موافق قدرۃ کا وہی انقلابی پیچہ نمودار ہوا اور اسے ان کے عروج و اقبال کو ایسا حرف غلط کی طرح مٹایا کہ آج سطح زمین پر کوئی نقش قدم بھی انکا پتہ دینے والا نہیں۔

فہل ترفی لہم من باقیہ؟ کیا تم کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟

ہل تبص منہ صحر من احد و تسع لہم ذکر؟ کیا آپ انہیں کو کیسے دیکھتے ہیں؟ یا انکی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں؟ پس اس کاروانہ سرائے انقلاب میں تمکین و قرار کے کتنے ہی مسافر یکے بعد دیگرے آئے اور اپنی اپنی بارگاہ سے تحت اقبال پر ٹکمن ہوئے۔ پھر آخر کار انقلاب کی آذرش سے اپنی اجل معلوم پوری کی اور دوسری کے لئے جگہ خالی کر گئے۔

کیے بھی رود و دیگرے بھی آید

وتلك الايام نداولها بين الناس۔ اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان میں اوتے پتے رہا کرتے ہیں۔

اسلامی قوم کا انقلاب صحیح و مرض

آج بھی اس قانون انقلاب کا تقاضا دیکھو۔ اور دیدہ اعتبار سے دیکھو کہ اس حلیل القدر اور خیر الخیر امت (اسلامی امت) پر ایک وہ زمانہ بھی آچکا ہے جبکہ اس کا ایک ایک فرد سعادت و برکات کی زندہ تصویر اور خودداری و وقار کی زندہ یادگار تھا۔ دنیا میں ان کی مثالیں ملنے نہ لگتی تھیں اسلئے کہ وہ

اپنی مثال خود ہی تھی۔ قومیں ان سے لرزتی تھیں تاج و تخت کے مالک ان سے تھرتے تھے اور ان کے نام سے بڑے بڑے مغرور داغ ڈھیلے پڑ جاتے تھے اسلئے کہ قوت و شوکت ان کے قدموں میں تھی اقبال ان کے آگے آگے تھا اور وہ ناکامی و تنزل کو پس پشت پھینکتے ہوئے فوز و فلاح کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے لیکن آہ کہ کج اسی درخشاں قوم کے افراد ہم جیسے تاریک دل ناکام منا اور محروم اقبال انسان ہیں۔ وہ انسان کہ انسانیت ان سے شرمناک ہے اور مکالم اخلاق کو ان سے بٹہ لگا رہا، بیخ

ابتداء وہ تھی انتہا یہ ہے

ماضی کے سامنے مستقبل کو شرمناک پڑ رہا تھا، آہ کہ جو بزم ہمیشہ بادہ بجام رہی ہے آج آتش بجام نظر آ رہی

در مجلس کہ یاد الی شرب ندامت کردند | چوں تو بستے بمانند آتش بجام کردند

اُمّہ اسلام کے سر پر جبکہ ایک مبارک عہد نے اپنا ظل بھائیونی ڈالا تو وہ اتنی خود دار اور باجبر دست ہوئی کہ اس کی چیرتا انگریز طاقت نے قیصر و کسریٰ کے تحت الٹ دیئے۔ عالم کی حکمرانیوں کے نقشے بدل گئے۔ اور دنیا کی کایا پلٹ دی۔ اور اسی قوم پر جبکہ اس نامبارک قرن نے اپنا سایہ ڈالا تو وہ اتنی بے وزن اور محروم و قار ہو گئی کہ کج دنیا نے سکھ اس کا نقشہ بدل دیا اور اقوام عالم نے خود مکی کایا پلٹ دی۔

اسی کے ہاتھ میں میزان ہے کہی قوم کو اس میں
کے ذریعہ بلند فرما دیتا ہو اور کسی کو پست

بیدار المیزان یرفع بہ اقواما و ینضم بہ
آفتروین

یون طبع مدار و سماں ددام

در بزم عیش یک دو قنط در گشت و بزم

اس زبردست قوم کا ماضی و حال ہمارے سامنے یعنی ایک طرف تو وہ قدیم سکون و طمانینہ کی نشانی
فضا زمین و سعادت کی سسپیک باندھ سطح اور جہاد و جلال کے سسپیک ارفع مناظر ہمارے سامنے ہیں جنکو
ماضی نے قریب ہی میں اس قوم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور دوسری طرف ہلاکتوں کے
لگا تار طوفان۔ تباہی کے پیاپے جھکے۔ اور اضطراب کے غیر ختم فتنے بھی ہمارے پیش نظر ہیں
جو حال میں اس قوم پر بھوم کئے ہوئے ہیں۔ ہمارے تخیل و استعجاب کی اس وقت کوئی حد باقی نہیں بچتی

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بلند پرواز ترقی پذیر، اور طوفان کی طرح بڑھنے والی قوم کو زمانہ کی جفا کا کس سرعت کے ساتھ پستی کی طرف پٹاک دیتی ہے۔ اور کس طرح ایک شدید القوی صحیح المزاج اور دنیا کی تمام اقوام سے زیادہ تندرست قوم بتدریج کچھ ایسے ضعت و نقاہت۔ فساد مزاج اور گوناگوں امراض کے بھنور میں گھر جاتی ہے کہ اس کے آخر کو اس کے اول سے نسبت ہی نہیں رہتی۔ اُمّت کے یہ دلوں متضاد و دور ہمارے سامنے ہیں۔ اور ہم اس ہمہ حیرت انقلاب، ترقی و تنزل۔ ارتقاء و انحطاط۔ رفعت و پستی اور سر بلندی و گلو تساری کے متضاد مدارج پر اسے غور کر رہے ہیں کہ ان کے اسباب و علل کے متعلق کوئی صحیح اور یقینی رائے قائم کریں۔

قوم کے مرض کی تشخیص

تفتیش اسباب کے میدان میں اتر کر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ایک ہم ہی نہیں بلکہ اُمّت کے سیکڑوں قابل اور منفرد دماغ اسی ٹکڑ و دو اور سراغ رسانی اسباب میں اپنی پوری ہمت و طاقت کیساتھ تہلگے ہوئے ہیں اور مغتشوں کی کثرت سے اس پیش پا افتادہ قوم کی مثال بعینہ اس مریض کی سی ہو گئی ہے جس کے ہر بڑے بڑے میں مرض سرایت کر چکا ہے گوشت پوست اور ہڈیاں تک سوکھ گئی ہیں۔ رنگ و غفرانی ہے قوی معطل اور ہاتھ پیر جواب دیکھ چکے ہیں۔ قوم کے ہونہار طبیب اور ماہر ڈاکٹر بالین قوم پر جمع ہیں۔ تاکہ مرض اور اسکے حقیقی اسباب کی تشخیص کریں۔ اور پھر ذالہ اسباب کے ذریعہ امتیصال مرض کی تدابیر عمل میں لائیں۔

ہر ایک نے اپنے اصول فکر اور پرداز عقل کے مطابق اسباب مرض کو سمجھا اور علاج تجویز کیا، کسی نے قوم کا حقیقی مرض تنگ دستی و افلاس کو سمجھا اسلئے اسے تجویز کیا کہ قوم کو دولت مند بننا چاہئے۔ اور دولت کی فراہمی کے ذرائع تجارت۔ زراعت حتیٰ کہ سودی لین دین اور ربوی بینک بے دریغ استعمال کرنے چاہئیں۔ کسی نے کہا کہ اصل مرض جہالت ہے۔ اور اس کی دوا کا لچوٹ اسکولوں کی چہا دیواری میں مل سکتی ہے۔ کسی نے کہا کہ اسکی بیماری غلامی ہے جب تک کہ غلامی کی زنجیریں توڑ کر شوکتہ و رفعت و آقا ئی کا تاج اسکے سر پر نہ رکھ دیا جائے۔ قوم نہیں پنپ سکتی۔ کسی نے

بتلایا کہ اسکی صحت کو نفاق و شقاق کے جراثیم نے کھودیا ہے جب تک کہ قوم میں اتحاد کی لہر نہ دوڑا دی جائے
 مریض کے چہرے پر کبھی صحت کی نشاۃ نمایاں نہیں ہو سکتی۔ کسی نے کہا کہ اسکے ایوان صحت کو بیکاری نے
 ویران کر دیا۔ اور اس میں تشویش و تشمت افکار کا ضعف پیدا کر دیا ہے۔ جب تک کہ صنعت و حرفت اور
 دوسرے کارآمد مشغلوں سے اسکی تعمیر نہ ہوگی۔ قوم کی گئی ہوئی جمیعت اور کسوٹی (جو صحت کی اساس ہے) قائم
 نہیں آسکتی۔

بہر حال ہر ایک ہی خواہ نے دردمندانہ طریق پر اپنے جذبات اصلاح کو سامنے رکھ کر تشخص مرض اور
 تجویز علاج کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقیقت تک انیس سے کوئی بھی نہ پہنچ سکا۔ ان
 ظاہرین اور سطح نظر اطباء کی نگاہیں مرض کے صرف ظاہری اسباب میں الجھ کر رہ گئیں۔ اور اسباب
 کی تہ یا علتِ معلّٰی تک انکی رسائی نہ ہوئی۔ وہ یہ تو دیکھ سکے کہ قوم میں سستی کے نمایاں اسباب افلاس۔
 غلامی۔ جہالت۔ نفاق (اور انہی کے ہم معنی اور بہت سے الفاظ) ہیں لیکن اس طرف ان کا پیک عقل
 نہ دوڑ سکا کہ یہ اسباب بھی تو بہر حال حوادث ہی ہیں اور جبکہ ہر حادثہ کے لئے سلسلہ اسباب میں کسی
 سبب کی ضرورت ہے تو پھر یہ اسباب آخر کس سبب کی بنا پر اُٹتے ہیں نمایاں ہوئے۔ اور ان اسباب
 کی تہ میں وہ کونسا اندرونی سبب ہے جو غنی طور پر اس قسم کے مہلک اسباب کی نمائش کر رہا ہے؟
 انا کہ افلاس سستی کا سبب ہے۔ لیکن پھر افلاس کا کیا سبب ہے اور وہ کیوں پیدا ہوا؟ یہ بھی تسلیم
 کہ غلامی قومیت کے لئے خراب ہے لیکن آخر غلامی کس سبب کی بدولت انکی آقا کی میں گھس آئی؟
 جانتے ہیں کہ جہل و نفاق اسبابِ ذلت و مسکنت ہیں لیکن پھر کس راہ سے یہ مہلک نفاق و جہل قوم میں
 درخیز ہو گئے؟ یہ بھی صحیح کہ بیکاری تشویش و تشمت اور پراگندگی کا سبب ہے لیکن آخر بیکاری نے انکا
 کار آمد اشتغال کی جگہ کیوں سنبھال لی؟ پس جبکہ ان تمام اہلکاروں میں سے کسی کا دلچسپی بھی اس اندرونی
 اور مخفی دشمن کا پتہ نہ لگا سکا جو ان تمام اسبابِ ظاہر کی جڑ اور سببِ الٰہی اسباب ہے تو ضرور ہو گا انکی
 تشخص ہی پایہ اعتبار تک نہ پہنچ سکی۔ چہ جائیکہ انکی تجویز علاج قابلِ عمل ہو۔ اور جبکہ تشخص تجویز
 دونوں ہی محذو شہ ہوں تو ایسے مطلب سے کس طرح شفا یابی مریض کی توقع باندھی جاسکتی ہے؟

یہی وجہ ہے کہ مریض روز بروز بقا سے دور اور فنا سے نزدیک تر ہوتا جا رہا ہے۔

گفت ہر دارو کہ ایشان کردہ اند بے خبر بودند از حصال درون ہر چہ کردند از علاج و از دوا	آن عمارت نیست ویراں کردہ اند استعینا باللہ ہما یفترقون رنج افزوں گشت و حاجت ناروا
--	---

پس جبکہ ان اطباء کا ہر کی تمام تدابیر تا حال بے سود ثابت ہوتی رہیں تو آؤ ہم سب ملکر ان باطنی اطباء کی طرف رجوع کریں جو امراض کے مخفی اور تحتانی اسباب پر براہ راست حضرت سید الاسباب جل مجدہ کی طرف سے مطلع ہو کر تمام پیچیدہ امراض کے حقیقی بواعث کا نہایت سہولت سے پتہ لگائیے ہیں۔ اور جن کے کامیاب علاجوں سے کتنی ہی مردہ اقوام نے دوبارہ جنم لیا اور زندگی سے متمتع ہونے لگیں۔ پھر ان میں سے بھی بالخصوص اس سرخیل اطباء روحانی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامیاب مطب کی دہلیز پر سرانقیاد ختم کر دیں۔ جسکے تیر بہدت علاج نے عرب کی اس جاہلیتہ زدہ قوم کو زندہ کر دیا تھا۔ جو جہالت و افلاس و شقاق اور غلامی نفوس کے انتہائی سے انتہائی درجہ میں پھنس رہی تھی نہ وہ خدا ہی کی رہی تھی نہ مخلوق ہی کی نہ اس نے ایمان ہی پائی رکھا تھا نہ شائستہ عمل ہی۔

جو اپنی اخلاقیوں اور بد عہدیوں کی بدولت اپنوں کو غیر اور غیروں کو دشمن بنا چکی تھی۔ جو انتہائی جہالت و سفاکتہ۔ نفاق و شقاق بدکاری و بد وضعی کی سبب اپنی علمی و علمی۔ مادی و روحانی اور مندرجہ ذیل زندگی تباہ کر چکی اور انسانوں کی صفوں سے نکھر ڈھوروں کے گلہ میں چلا سی تھی۔ اسوقت اسی مقدس طبیب نے اپنے پرتاثر معالجوں سے اس ڈوبتی ہوئی قوم کا جہاز طوفان ہلاکت سے نکال کر ساحل مراد پر پہنچایا اور اسکی مریضی کی تفتیہ کر کے اسے صحت و قوت کی سطح پر لاکھڑا کیا۔

حاذقش گو گو حکیم حاذق است	صادقش داں گوا میں و صادق است
در علاجش سحر مطلق را بہ ہیں	در مزاجش قدرۃ حق را بہ ہیں

تجویز علاج

حضور کے اس روحانی معالجہ میں تم اس پر غور کرو کہ آپ نے مبعوث ہوتے ہی جب ان بیمار انسانوں کے معالجہ نہ خطاب فرمایا تو نہ تو یہ کہا کہ لوگو تم افلاس کی وجہ سے تباہی کے کنارے آ گئے۔ اسلئے تم دولت جمع کرو نہ آپ نے تشریف لائے ہی فراہمی دولت کیلئے سودی لین دین کے بینک قائم فرمائے۔ نہ چتر کا بچوں اور اسکولوں کا سنگ بنیاد نصب فرمایا۔ نہ پوسٹر اور اشتہارات دنیا میں شائع کر کے افواہی پکڑنے کی بنیاد ڈالی، بلکہ ان تمام امراض کا ایک نہایت ہی مختصر اور دلپذیر علاج یہ بتلایا کہ لوگو تم سب کے سب مریض ہو اور میں تم سے اور تمھارے سب انگلوں اور پچھلوں سے زیادہ تندرست صحیح المزاج۔ معتدل الاخلاق، مستقیم الاعمال اور ایک پاک، روحانیت سے بھرپور انسان ہوں پس تم میں سے جو اپنی صحت و استقامت منظور ہے وہ مجھ جیسا ہونکی سعی شروع کر دے۔ میرے قول جیسا قول میرے عمل جیسا عمل میری عبادت جیسی عبادت اور میری عادت جیسی عادت بنانا۔ گویا اپنی زندگی کو میری زندگی پر لانچ کی کوشش کرے۔ پس جو بھی ظاہر و باطن میں جسد، میرے مشابہ ہوا جائیگا اتنی ہی اسکی ظاہر و باطن کی صحت ترقی کرتی جائیگی۔ کیونکہ میں عالم کے لئے ہر قسم کی روحانی تندرستیوں، جسمانی پاکبازیوں اور قلبی دانائیوں کا اسوہ حسنہ اور خدا کے اخلاق و کمالات کا مجسم نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرے نقش قدم پر چلنا ہی تمام امراض کا قرار واقعی بہتصال ہے۔

آپ نے ان مریضوں کو بھی بتلایا کہ میں تمھارے لئے ایک تیر بہدت نسخہ (قرآن) لایا ہوں جو شفا لمانی الصدور ہے۔ لیکن اس کی ترکیب استعمال صرف میرے ہی قول و عمل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قرآن میں جو چیزیں علوم و معارف میں وہی چیزیں میری ذات میں آکر اخلاق و اعمال میں۔ جو بلند پایہ انسانیت کے احوال و کیفیات قرآن کی مبلغ معنویت میں مستور ہیں وہ میری روح پر وارد ہو کر واقعات و مشاہدات ہیں۔ گویا خدا کا ایک قرآن علمی ہے جسکو میں وحی سے بولتا ہوں اور ایک قرآن علمی ہے اور وہ خود میں ہوں۔ پس میں قرآن کی مجسم تفسیر اور اسکا علمی حل ہوں۔ یعنی میں اور کتاب اللہ دو نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ کتاب الہی میں علوم کے رسوم و ذوال ہیں اور مجھ میں ان علوم کے مناشی و اعمال۔ اسلئے میرا کہا ہوا قرآن کا علم تر

۲۰ اور میرا کیا ہوا قرآن کا عمل و کان خلقہ القرآن پس میں قرآنی علوم کا نمونہ عمل اور اسوۂ حسنہ دکھلانے کیلئے بھیجا گیا ہوں تاکہ مریض دنیا میں سے عمل کو دیکھ کر قرآنی نسخوں کا استعمال سیکھ جائے۔

بہر حال قرآن جس طرح ایک جامع علوم کتاب تھی اس طرح اسکے علوم کیلئے آپ کی ذات اقدس ایک جامع اعمال ذات تھی۔ چنانچہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کے پاک اور مطلوب صورت آپ نے عملاً قائم کر کے نہ دکھلا دی ہو۔ صورت و سیرت۔ عادت و عبادت۔ آداب و اخلاق۔ تہذیب و معاشرت۔ حب و بغض۔ دوستی و دشمنی۔ سفر و حضر۔ رزم و بزم۔ کہا نا اور پوچھا۔ سونا اور جاکنا۔ اور خلاصہ یہ کہ موت و حیات کے تمام اچھے اور معقول نمونے جو قرآنی اور علمی شکلوں میں سر بستہ تھے آپ نے اپنی عمل سے ان کی صورتیں قائم فرمادیں اور ہر شعبہ زندگی کے متعلق بتلایا کہ اسکی یہ صورت اچھی ہے اور یہ بری۔ یہ نقشہ عمل بھلا ہے اور یہ خوشنما۔ یہ حسین ہے اور یہ قبیح۔ غرض آپ نے..... ان جاہلیہ ذہن مریضوں کا واحد علاج بھی بتلایا۔ کہ وہ اپنی زندگی کو آپ کی حیثیت پر منطبق کر لیں کہ آپ ہی کی زندگی کمالات الہی کا نمونہ ہوئے کیونچہ سے تمام عالم کی زندگیوں کے صلاح و فساد اور صحت و سقم کا ایک حقیقی معیار ہو۔ قرآن نے بے باک ڈھل اس دعویٰ کی تصدیق اور اعلان کر دیا کہ۔

<p>لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ بلن کان یرجو اللہ والیوم الآخرۃ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا +</p>	<p>تم لوگوں کو سنو یعنی ایسے شخص کیلئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الہی کرتا ہو رسول اللہ</p>
---	--

پس جو نبی کہ عرب کے وحشیوں نے اپنے علم و عمل کا رخ اس قبلہ علم و عمل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرا یعنی اپنے اعتقادات و اعمال اور نیات و افعال کو آپ کے نیت و عمل پر منطبق کیا۔ اور اس اسوۂ الہی اور نمونہ اخلاق ربانی پر پورے اترے توں ہی وہ دنیا کے علماء سے عالم تر و تقویٰ سے قوی تر مہذبوں سے فائق اور متمیزوں کے امتدادین بن گئے۔ الہیات میں وہ رشک حکماء کہلائے علوم ذات و صفات میں عرفا ماننے لگے علم طبیعیات و عقلیات میں رشک ارسطو و افلاطون تسلیم

۲۱ آپ کا خلق پس قرآن ہی تھا۔ یہ مقولہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ جبکہ انہو اخلاق نبوی کے متعلق سوال کیا گیا تھا

کے گئے۔ علم و اخلاق و عبادت علم معاش و معاد علم معاملات و سیاسیات میں غبطہ ارباب دانش پکارسے گئے۔ ان کی بدولت ریگستان عرب کی تہذیب نے مشرق و مغرب کی شاہنگی کو اند کر دیا۔ یہودی و عیسائی، ہندی و چینی اور تمام مذاہب کی ناقص تہذیبیں نخل ہو کر آتشکدوں، تیخانوں، کھلیوں اور رہبانیت کے تنگ و تاریک زادیوں میں جا بھیں۔ دنیائے کتب خانے ٹٹولے اور تصانیف کے دفتر دن کو لنگھالو تو نظر آئیگا کہ جہاں بھی شاہنگی کا کوئی ذرہ چمک رہا ہے وہ عربی ہی علوم کے آفتاب کی کوئی ہلکی سی تابش ہے۔ اور پھر معلوم ہوگا کہ یاد دینا ان کے نام سے بک رہی ہے اور یا ان کی ریزہ چینی پر مجھ ہے۔ اور ہر جگہ انہوں نے اپنے اخلاق کو اس خدائی نمونہ کے اخلاق پر منطبق کیا تو ان کے مکارم اخلاق، شجاعت و سخاوت، مروت و راستبازی، حلم و عفو، صداقت و دیانت، غنا و توکل اور ایثار عہد و غیرہ اس درجہ پر پہنچے کہ دنیا کے گردن کشوں کو انہوں نے سحر کر لیا۔ وہ ایسے محبوب خلایق بنے کہ دینا ان کے سینے کو اپنے خون سے تولنے لگی۔ ان کے اخلاقی و تمدنی اور اقتصادی کارنامے عالم کے آفاق پر اس طرح چھانگے کہ عالم کی تسلیم و رضا ان کے قدموں میں آپڑی۔

بہر حال اسوۂ حسنہ کی علمی و عملی پیروی کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ درجہ ان مریضان عالم کی بدولت دور جاہلیتہ کا جاتا تھا، اب صحابہ کی اس متقن اور عدول زندگی کی بدولت اس کا نام حسیہ القرون ہوا اور وہ دین و روحانیت اور وہ عام صداقت آمیز عزائم و اعمال کے خاطر سے دنیا کا زریں عہد اور تمام قرون سے فائق و برتر زمانہ بن گیا۔ وہی تپ کہنہ کے مریض جن سے ہلنا جٹنا اور کر ڈ ہلنا دشوار تھا ایسے پہلے چنگے بنے کہ انہوں نے اپنی ایک جنبش سے کرہ دنیا کو ہلا دیا اور عالم ہی کو کر ڈ دیدی۔

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا	دُور فغانی نے تری قطرہ کو دریا کر دیا
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو سجا کر دیا	خود نہ تھے جو راہ پر اور دیکھے ہادی بن گئے

اگر چشم فراموش سے دیکھو تو عربی قوم کے زبردست انقلاب کا حاصل نہیں یہ منظر آئیگا کہ ایک حال سے اُن کو ہٹایا گیا اور ایک حال کی طرف ان کو پہنچایا گیا۔ اور یقیناً جس حال سے اُن کو ہٹایا گیا وہی

ان کا مرض تھا ورنہ اس سے ہٹانے کی ضرورت نہ تھی اور جس حال کی طرف ان کو لایا گیا وہی حال ان کی شفا تھا ورنہ اسکی طرف لانے کی ضرورت نہ تھی اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ حالت جو ان سے سلب کی گئی اصولی طور پر ان کا تشدد افکار و اعتقادات قلب و قالب کی آزادی اور کسی ایک اسوہ ربانی کا پابند ہونا تھا، اور وہ حالت جو ان میں پیدا کی گئی وہ ان کا وہ یقین تھا جو اسوہ الہی کے ساتھ صورتاً و سیرۃً انہوں نے قائم کر لیا اور تمام اسوہائے کے رشتے توڑ کر ایک اسوہ الہی کے ساتھ دایستہ ہو گئے پس جاہلیتہ کے اس مہلک مرض اور اسکے کامیاب علاج کو سامنے رکھ کر باسانی یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ بیدار مرض پر کسی نمونہ ربانی کا عمل و عمل پابند ہو جانا ہی سب سے بڑی روحانی صحت ہے اور اس کے اخراجات کر کے بے تیرہ زندگی بسر کرنا یا صرف اپنے من گھڑت اسوہ ہائے خیال و عمل کا پابند ہو جانا ہی سب سے بڑا روحانی مرض ہے۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر است دریں مذہب خود بینی نموداری
اس نتیجہ کو پیش نظر رکھ کر اب ہمارے لئے یہ باور کر دینا کچھ دشوار نہ رہا کہ آج ہمارے امراض کے حقیقی اسباب سے نہ انفلاس و غلامی ہے نہ جدل و خلاف اور جہالت و لاعلمی بلکہ ان تمام اسباب مہلکہ کا حقیقی سبب اور صرف ایک سبب یہی ہے کہ ہم میں پیروی نبوت کا داعیہ اور انقیاد و رسالت کا جذبہ صادق نہ رہا۔ ہماری صورتوں اور سیرتوں نے بجائے اتباع کے ابتداء کی راہ اختیار کر لی بجائے یقین مسلک کے آزادی رائے نے ہمارے قلب و دماغ پر قبضہ کر لیا اور پھر نہ صرف ذوق اتباع فنا ہی ہو گیا بلکہ ہم اسکے دائرہ تصور سے بھی نکل گئے۔ اور اسی لئے اسلام کے ابتدائی قرون کے برعکس آج ہم کو یکسی دے بسی بے وقعتی و بے دینی شکستہ بالی و بد حالی نے ہر چہار طرف سے آگھیرا۔ پس جبکہ ہم قرون اولیٰ کی مثالیں نہ رہیں تو ان کے مبارک آثار بھی ہم سے چھو ہو گئے۔ اگر زندہ دلی کی ان ہی جیسی یاد گاریں آج بھی ہوتیں اور انہی جیسی حقیقت و حقیقت و ہمت، ان ہی جیسی صورت و سیرت اور شون نبوت کے ساتھ ان ہی جیسی شیفتگی اس دور ابتلا میں بھی پائی۔ تو وہ تمام نتائج و ثمرات بھی قدرۃً روحانہ ہو جاتے جو ان سے کبھی ظہور پذیر ہوئے تھے۔ لیکن آج جبکہ وہ مثالیں مفقود ہیں

تو وہ زریں کارنامے اور سطوۃ و شوکت کے سُھرے آثار بھی روکش عدم میں جنگی توقع ایسی مثالوں سے باندھی جا سکتی۔ اگر پھر وہی چیز ہم بخشوں کی طرف لوٹا دی جائے جو کبھی ان سعید انسانوں میں پیدا کر دی گئی تھی تو بلاشبہ ہماری وہی ترقیات پھر دوبارہ لوٹ سکتی ہیں جنہوں نے ایک دفعہ ساری دنیا میں سستی پیدا کر دی تھی اور عالم کو لرزادیا تھا۔ اسلئے نتیجہ کہنا پڑتا ہے کہ اسلامی قوم کا تمام تر عروج و ارتقاء ان جیسا ہونے اور ان کی ظاہری و باطنی مشابہت پیدا کرنے میں پنہاں ہے اور جبکہ اسی مشابہت و پیروی اسوۂ حسنہ کی بدولت قرن اول کی صلاح و فلاح اور عالمگیر سرداری دینا پر قائم ہوئی تو پھر ضرور ہے کہ اسی اتباع و پیروی کی بدولت آج بھی دنیا صلاح و فلاح کا چہرہ دیکھ سکتی ہے اور نہ کچھ دور نہیں کہ اُمّت پر پھر وہی دور جاہلیتہ عود کرے جس کا اس اتباع رسالت کے دور سے پہلے دور دورہ تھا۔ داعیہ ذابانہ۔ امام مالکؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

لا یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به	اس اُمّت کا آخری حصہ بھی اُسی چیز سے صلاح پا سکتا ہے
اولها۔	جس چیز سے اسکے ادل حصہ نے اصلاح پائی۔

پس ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے حسن و قبح یا شوکت و ہستی کا واحد معیار ایک ہی نبوۃ کا اسوۂ حسنہ نکل آیا اور تمام کھلے اور چھپے ہوئے امراض کا واحد اور موثر علاج اگر ہے تو صرف یہی کہ ہم بجائے آگے بڑھنے کے چودہ صدی پیچھے ہٹ کر اس اتباع اسوۂ کاربہ اپنے گلے میں ڈال لیں اور ابتداء کو چھوڑ کر اتباع اختیار کر لیں۔

قرآن کریم نے اسی اسوۂ حسنہ کی پیروی کا فرمان ان پر شوکت الفاظ میں صادر فرمایا کہ۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ	تم لوگوں کیلئے یہی ایسے شخص کیلئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے ذرا
لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر۔	ہو اور کثرت سودا لائی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

دوسری جگہ حکماً کہا کہ رسول کے لئے ہونے والی علمی و علمی نمونوں کو قبول کرو۔

ما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنہ	رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے
ذاتہمنا۔	تم کو روک دیں روک جایا کرو۔

پھر خود صاحب اسوہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔

بعد الحج والصلاة: بہترین علم اللہ کی کتاب ہے اور بہترین
خصلت (عمل) خصلت محمدی ہو اور بدترین امور نئی
نئی بدعتیں ہیں۔ اور ہر ایک بدعت مگر اہی ہے۔

اما بعد فان خیر الحديث كتاب الله وخیر
الهدی هدی محمد وشر الأمور محدثاتها
ذکر بدعت ضلالة۔

دوسری جگہ فرمایا۔

من حفظ سنتی اکرمہ اللہ تعالیٰ باریع
خصال المحبة في قلوب البرة والهبة في قلوب
الفجرة والسعة في الرزق - والثقة في الدين
امام زہری نے فرمایا۔

جس نے میری سنت کا تحفظ کیا خدا تعالیٰ چار باتوں سے
اسکی تکمیل فرمائینگے۔ پاکبازوں کے دل میں اسکی محبت ظاہر کیے
اور بدکاروں کے دلوں میں ہیبت۔ رزق کو فراخ کر دیں گے
اور دین میں بھنگی نصب فرما دیں گے۔

الاغتصام بالسنة نجا۔

سنت کا دامن سمجھنا نجات ہے۔

امام مالک نے فرمایا۔

ان السنة مثل سفينة نوح من ركبها
نجا ومن تخلف عنها غرق۔

سنت کی مثال کشتی نوح کی سی ہو جو ایسے سوار ہو گیا
اور جو ایسے نہ آیا غرق ہوا۔

پھر اس اتباع اسوہ سے اخراجات کرنے پر قرآن نے دنیا کے فتنوں اور آخرت کے عذاب الیم کی ڈھائی
فلینذ الذین یخالفون عن امرہ

سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے

ان تصیبهم فتنة او یصیبهم

ڈرنا چاہیے کہ آپر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر کوئی
دردناک عذاب نازل ہو جائے۔

عذاب الیم۔

کہیں شقاق رسول اور عامہ مسلمین کی راہ سے الگ ہو جانے پر جہنم کی دہکی دی۔

وینشاق الرسول من بعد ما تبين له

جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اسکو اور حق ظاہر ہو چکا تھا

الهدی، ویتم غیر سبیل المؤمنین نولہ

اور اگلا نولہ راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہو گیا تو ہم اسکو جو کچھ دے کر

ما تولى ونصل جهنم وساءت مصيرا۔

ہم کرنے دیں گے اور اسکو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بری جگہ پر جائے گی

کس دھمکا کر تکلمات نبویہ سے دل تنگ ہونے پر ایمان ہی باقی نہیں رہ سکتا۔

فلادربك لا يؤمنون حتى يحكموك
فما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم
حرجا مما قضيت ويسئلوا تسليما۔

اور کس فیصلہ سنایا کہ کسی کام میں حکم خدا اور رسول آجانے کے بعد کسی کا اپنا اختیار اس کام میں باقی نہیں رہ سکتا۔

وما كان المؤمن ولا مؤمنة اذا قضا الله
ورسوله امران يكون لهما الخيرة من
امرهم۔

اور آخر میں قرآن کے مصدق اول حضرت صادق مصدوق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی یہ بلغ اور جامع شرح فرمادی کہ۔

لا يؤمن احدكم حتى يكون
هداه تبعه لما جئت به
بحریت بحر عشق کہ تجیش کس را نہایت
آنجا جز آنکہ چل پیما رند "چرا نہایت

پس جبکہ اسلامی زندگی کے تمام پہلوؤں کی صحت و ستم کا معیار صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ٹھہر گئی تو اب تم تہذیب و تمدن کا پچھے سے اچھا نمونہ آؤ عبادت و ریاضت اور نفس کشی کی سخت سے سخت مثالیں پیش کرو، اور اخلاق و معاشرت کی بے حد خوش آئند صورتیں دکھاؤ لیکن اگر وہ اس ربانی نمونہ پر منطبق نہ ہوں۔۔۔ جو تمہارے لئے بھیجا گیا اور ٹھیک اسی نمونہ کے مشابہ بنوں جو کامل بنا کر آتا رہا تو نا ممکن ہے کہ وہ قبولیت کا شرف پا سکیں یا بارگاہ الہی تک پہنچ سکیں۔

بہر حال غیور و سیرت انہی اوصاف و انوار اور احوال و کیفیات میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ جن کو آپ اپنی ذات اقدس میں لیکر شرف افزائے عالم ہوئے۔ اور اس کے سوا ہر راہ خطرناک

نہ در ہر طریق ہلاکت انگیز ہے۔

آنکس کہ شد متابع امر تو تند بخا

و انکو خلاف رائے تو در زید قد ہلاک

اسی اتباع سنت نبوی کا نام اتباع سنت یا تشبیہ یا لایبیا ہے۔ اور اس اتباع سے مخرف ہو کر دوسری مثل و اقوام کی پیروی کرنے کا نام تشبیہ یا لاغیار ہے جس پر بحث کرنے کیلئے ہمیں اس وقت قلم اٹھانے کی توفیق ہو رہی ہو اور ہمیں اس خوش قسمتی پر انتہائی مسرت ہے کہ ہم نے اسلام کے ایک ایسے اصولی مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے جو مسلم افراد و مسلم قوم کی مقبولیت و نامقبولیت کا واحد معیار اور رضا و نارضا الہی کا تنہا دار ہے اور جس کی ہمہ گیری سے اسلامی تعلیم کا کوئی شعبہ بچا ہوا نہیں ہو۔

ہم نے بحث تشبیہ کی اس پہلی جلد کو جو اس وقت یہ ناظرین ہے، دو بابوں پر منقسم کیا ہے پہلے باب میں ہم محققانہ طریق پر متعدد فصلوں کے ذریعہ مسئلہ تشبیہ کا اخذ و منشا اور اسکی عقلی و شرعی حقیقت وغیرہ بے نقاب کریں گے۔ اور دوسرے باب میں مناظرانہ طرز پر ان تمام مشبہات کا استیصال کریں گے جو متفرخوں یا سادہ لوحوں کی طرف سے اس مسئلہ میں پیدا کئے گئے۔ اور آخر میں ایک تتمہ کے ذریعہ ایسے آثار و مضامین پیش کریں گے جنہیں اصحانہ طور پر تشبیہ یا کفاد سے انذار کیا گیا ہے۔ اور اس پہلی جلد کے بعد جس محض اصولی حیثیت سے مسئلہ پر قلم اٹھا یا گیا ہو۔ بقیہ دوسری جلد و نہیں انشاء اللہ تشبیہ کی فروعات اور جزوی مسائل کا ذخیرہ پیش کیا جائیگا۔ و بآلہ التوفیق و بیدارہ الزمات الحق

باب اول

فصل

مسئلہ تشبہ کا منشا اور ماحذ

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک نہایت ہی کامل و مکمل جامع و مانع اور ناقابل تبدیل دستورِ عمل کا عنوان ہے۔ زندگی کے وہ تمام شعبے جن کا جامعیت کیساتھ دنیا کی کوئی ملتہ احاطہ نہ کر سکی تھی، اسلام کے وسیع دائرہ نے ان سب کو اپنے اندر انتہائی کمال و تمام کے ساتھ لے لیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔

حکایت کہ ہمہ نامی گفستند

تمام بود یک حرفت گرم و ما غافل

اس نے اپنی کوئی اصل و فرع ایسی تشنہ اور ادھوری نہیں چھوڑی کہ ایک جو یا ہوتا تھی کے لئے کسی ٹھنک یا حیرانی کا باعث بنے۔ گویا اس نے انتہائی جامعیت کے ساتھ سارے ہی کمالات و منافع اور دنیوی و اخروی بہبود کے اصول اپنے لئے سمیٹ کر دینا کے اور تمام تواریف کے لئے سوائے نقصان و مضرت و رقبتہ جدوی کے کچھ نہیں چھوڑا اور اسی لئے جہاں تک معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے غونا توام عالم کی مذہبی وسائیاں اسی مرکز کمال کی طرف سمٹی چلی آ رہی ہیں۔

چنانچہ آج مغرب میں تو یورپ کے دانشمندان کے صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو چکے ہیں مشرق میں ہندو اور آریں تو بیس کھلی بت پرستی سے تنگ اگر اسلام کے دامن توحید میں پناہ لینے کے لئے تھک رہی ہیں پس جبکہ اس کے شہن کمال اور نفع لازوال نے غیروں کو بھی معرفت اپنی ہی خوشہ چینی پر مجبور کر دیا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنوں کو کسی آن بھی دوسروں کے ناقص خرمسوں سے ریزہ چینی کی صلح دی؟ یا اس خوردہ چینی سے باز رکھنے کی سعی نہ کرے؟ ہرگز نہیں کیونکہ اسلام آجیکو بعد غیر مسلم قوم کے تمام اہل علم و عمل دنیا کی روحانیت کے لئے یا مہر ثابت ہونگے یا ناقص اور اس مضرت و نقصان کے اعتبار سے کہا جاسکتا کہ ان منسوخ شدہ ملتوں کے تمام احکام و خواہ وہ اعتقاد ہی ہوں یا عملی۔ تمدنی ہوں یا اقتصادی

یقیناً قسم پر منقسم ہیں۔

(۱) ایک وہ احکام ہیں جنکو صراحتہ اسلام نے منسوخ کر دیا کہ وہ دنیا کی روحانی مزاج کے موافق نہیں رہتے۔ ظاہر ہے کہ اسلام آجائے کے بعد ایسے احکام کو دستور العمل بنالینا یقیناً قسم پر منقسم ہوتا ہے۔ دنیا کی مزاج کے منسوخ کر کے نئے دنیا کی مریض میتوں کے اسی طرح شفا بخش اور موافق مزاج رہتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اسلام ان کو منسوخ کر کے نئے نسخے پیش کرتا۔ (۳) دوسری قسم کے احکام وہ بدعات و محدثات ہیں جنکو یہود و نصاریٰ کے اجبار و رہبان یا دوسری ملتوں کے رہنماؤں کے جذبہ تبعید اور دماغی تمسک نے ملتوں میں اضافہ کیا۔ اور بعض اپنی خود ساختگی سلسل و اغلال امتوں کے گلے میں ڈال دئے۔ ظاہر ہے کہ مضرۃ رسانی میں یہ خود ساختہ بدعات منسوخ اعمال سے بھی زیادہ بلند پایہ ہیں۔

(۳) تیسرے وہ امور ہیں جو اگرچہ صراحتہ منسوخ نہیں ہوئے لیکن جبکہ انکی مجموعی ملتہ تہیم و تہیخ یا زیادہ نقصان کی قابلیت رکھتی تھی اور اسی لئے منسوخ بھی ہوئی، تو یہ امور بھی زیادتی کی قبول کر سکتے ہیں۔ اور کسی چیز کا زیادہ نقصان کے قابل ہونا اس کے غیر مکمل اور ناقص ہونے کی دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی ناقص اشیاء کو اپنے لئے نظام عمل بنانا سراسر اپنے آپ کو ناقص، اُدھورا۔ اور غیر مکمل چھوڑنا ہے۔

پس جبکہ اسلام نے ان ناقص و مضر اور ادھوری اشیاء کے مقابلہ میں بہت زیادہ منفعت بخش مکمل اور غیر قابل تہیم و تہیخ اشیاء پیش کیں تو صرف اسی کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اُمت مرحومہ کو مردہ اقوام کی موت زدہ اشیاء اور ناقص و مضر اعمال سے بچانے پر زور دے۔ اور اپنے پیرؤں کو اتنا خود دار بننا سکھلائے کہ وہ اپنی مکمل متاع کے ہوتے ہوئے دوسروں کی ناقص پونجیوں پر نگاہ حرص نہ ڈال سکیں۔ پس شریعت اسلام نے اپنے اسی داہجی حق یعنی اپنے نفع و کمال اور منسوخ ملتوں کے نقصان و ضرر کو دیکھتے ہوئے منع تشبہ کا اصول قائم کیا تاکہ اُمت کو غیروں کی مضرات کے ظاہری و باطنی مشابہت یا بالفاظ دیگر حق و باطل کے اختلاط اور نفع و ضرر کی آمیزش سے باز رکھا جاسکے۔

در نہ اسلام جیسی جامع اور لائیدیل ملت کا مسئلہ تشبیہ میں تسابُل کر جانا یا اصولاً اس کو جائز رکھنا یہ معنی کیسا تھا کہ وہ کمال کو نقصان سے بدلتے اور مضار کو منافع کے بدلہ خرید لینے کے لئے تیار ہے۔ اور یہ خود اس کی جامعیت پر عیب لگانا ہی نعوذ باللہ منہ۔

پس اگر سچ کوئی قانون تشبیہ بالغیر سے روکنے کا حق رکھتا ہو تو وہ صرف اسلام ہی کا مکمل قانون ہے اور گویا تشبیہ کا اصول صرف اسلام ہی کے لئے آسمان سے اُتر آتا۔

یہ اسلام کا منع تشبیہ پر زور دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مکمل طب یا ڈاکٹری تمام مستعلات کے نفع و ضرر کی تفصیل کر دینے کے بعد ہر چیز کی غلو ط خیر و شر میں سے تحصیل منفعت کی ترغیب دے اور اجتناب مضرة پر اپنا پورا زور صرف کر دے۔ اسی طرح جبکہ شریعت نے اپنی تفصیلی تعلیمات میں واضح کر دیا کہ ہر چیز کے خیر کا پہلو تو ملت اسلامی کے لئے ہے۔ اور مضرة یا نقصان منفعت کے سارے پہلو دوسری امتوں کیلئے تو اب اس کا یہ اصل ایسا ہی نہ ہو گا کہ اس کے حلقہ گوش ہر ہر چیز میں اسی کے متبع بنکر منافع سے مستفید ہوں اور غیروں کی مشابہت سے بالکل یکسو ہو کر مضرتوں سے بچیں۔

پس تشبیہ سے بچائے جانیکا حاصل یہ ہو گا کہ شریعت اسلام انسانی جذبات کو پامال کرنے کے بجائے صرف یہ چاہتی ہے کہ ان کا استعمال تو کیا جائے مگر شر سے الگ کر کے صرف خیر میں اور مضرة سے بچا کر صرف منفعت میں۔ اور یہ اس لئے کہ خیر و شر اور نفع و ضرر دو متضام کیفیات ہیں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ ایک کا وجود دوسرے کے عدم کا مقضیٰ ہی ہے۔ اگر بنی آدم کی بھوک رُوس کو جو نہایت بخلتہ کے ساتھ غذا کی جو یا ہے مضر اور بدترین غذاؤں کی صورت برتنے دیا جائے تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ نافع اور پاکیزہ غذا سے محروم رہ جائیگی۔ اگر اس نے اپنی جبلت پسندی سے اللہ تعالیٰ پر مبتدعات و منسوعات کی کیفیت غذا استعمال کر لیں تو ضرور ہے کہ وہ سنن انبیاء کی سفیری اور لطیف غذاؤں سے نہ صرف محروم بلکہ نفور بھی ہو جائے کیونکہ شکم سیری کے بعد ہر غذا اگرچہ وہ کتنی ہی لطیف ہو مرغوب نہیں رہتی۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما یبذل قوم بدعة الا نزع الله عنهم { کبھی کسی قوم نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی کہ خدا نے ایک

من السنۃ =

وہی ہی سنت سے اسے محروم کر دیا ہو۔

چنانچہ یہ حقیقت بار بار مشاہدہ میں آتی رہتی ہے کہ جو شخص طبعاً دنیا فواحش و منکرات کی طرت مائل ہے وہ نکاح اور حلال زوجات سے ہمیشہ نفور رہتا ہے۔ کیونکہ اسکے مادی جذبات کے استعمال کا ایک ناپاک راستہ متعین ہو چکا ہے اس لئے وہ دوسرے راستے سے بیزار ہو۔

جو لوگ من گھڑت انسانوں، نادلوں اور قصص ملوک و سلاطین کے دلدادہ ہیں کم دیکھا گیا ہے کہ وہ سیرانیا، اور آثار علماء و صلحا کبھی وہی دلچسپی رکھتے ہوں۔ کیونکہ ان کا جذبہ تاریخ پسندی جبکہ ایک طریق میں غلو کے ساتھ استعمال ہوا تو دوسرے سے توجہ ہٹ گئی۔

جو لوگ مشاہدہ و مقابرا و آثار اولیاء کی حاضری کو فریضہ تعبیدی کہنے میں غلو رکھتے ہیں عموماً وہ اللہ کے بیست حرام اور مشاعر جج کی حاضری کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ کیونکہ ان کا یہ جذبہ صالحہ جبکہ ایک راستے سے گزرنے لگا تو لاحقہ دوسرا راستہ خود ہی چھوٹ گیا۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کی علمی زندگی کے لئے اہل اللہ کے شخصی حالات ان کے عشق کی دار فکیاں اور بخودانہ شیطانت ہی سب سے بڑی حجت و برہان کا درجہ رکھتے ہیں وہ بیشتر وہی ہیں کہ کتاب اللہ کی غائب حاکمیتیں اور حدیث نبوی کا علمی و عملی ذخیرہ ان کے استدلال کے لئے نہ صرف ناکافی بلکہ جاذب توجہ بھی نہیں ہے۔

سیکڑوں وہ لوگ جو ارسطو اور ابن سینا کے دماغی اقتراعات کے آسپاس سراب ہی سے اپنی علمی پیاس بجھالینا انتہائی کامیابی جانتے ہیں کم دیکھا گیا ہے کہ وہ اسی بے تاب ذوق و شوق کو لیکر خدا کی آیت اور اسکی معجزات و معجزات کے بحر بے پایاں پر بھی میرا ب ہونے کیلئے گزرتے ہوں۔

ان تمام نظائر سے یہ نتیجہ مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ انسان کے تمام مادی اور روحانی جذباتیں یا لکھنے پڑھنے، شمع و شمع، نیل و نیل، و بر کے دو متضاد پہلو نکلتے ہیں۔ اور کسی ایک کی طرف جھک جانا یقیناً دوسرے سے مستثنیٰ بنا دیتا ہے۔ پس شریعت کے لئے یہ کسی طرح قابل الزام نہیں کہ وہ تشبہ بانیر کی ممانعت کے ذریعہ تمام بے لگت متفرقہ کے مضر پہلوؤں اور مل ناقصہ کے ناقص پہلوؤں

سے بچا کر انسان کو صراطِ مستقیم اور ایک نہایت ہی سیدھی اور سچی راہ پر لگا دینے کی خواہشمند ہو اور اپنی بے انتہا شفقت سے چاہتی ہے کہ مائے روحانی دسترخوان لپیٹ کر صرف خدا کا وہ وسیع دسترخوان بچھائے جس پر بخنی ہوئی غذائیں ہر قسم کی مضرت و منفعت سے پاک اور ہر طرح کی منفعت و جامعیت سے لبریز ہیں۔

ان کل آداب یجب ان توتی ما دبتہ
وان ما دبتہ اللہ ہی القرآن (الحديث)

ہر ایک داعی کے دعویٰ کا ٹھکانہ قبول کرنا ضروری ہو
اور خدا کا دعویٰ طعام یہ قرآن ہے۔

پھر شریعت نے اپنی بے انتہا شفقت سے اس وسیع دسترخوان پر نہ صرف دینی منافع ہی کی غذائیں لاکر پین دی ہیں، بلکہ دنیوی بہبود کی تمام الوان نعمت بھی قرینہ سے لاکر جمع کر دے ہیں۔ کیونکہ اس کے نزدیک ایک مسلمان کی دنیا اس کے دین سے الگ ہو کر کوئی چیز نہیں۔ اور اس کی معاشرت کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں جس پر دین کی روشنی نہ پڑ رہی ہو۔ پس جس طرح منع تشبہ کا اصول تمام ابواب دین پر حاوی ہے، کوئی وجہ نہیں کہ اسی طرح ہماری دنیا کا بھی کوئی پہلو اس کے دائرہ سے باہر رہ سکے۔ بلکہ اگر نگاہ غائر سے کام لو تو محسوس ہو گا کہ منع تشبہ کی ضرورت اگر تدبیر میں ہو تو تمدن میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ غیر اقوام کا دین تو اپنی نمایاں کوتاہیوں کے سبب ایک مسلم کیلئے عموماً جائز تو جہان میں کہ وہ تشبہ کی طرفائل ہو۔ لیکن یہ بہت ممکن ہو گا کہ کسی متشبه نہ توجہ اسلام کی سادہ اور مختلف معاشرت سے جس کی اساس تقویٰ و تقدس پر رکھی گئی ہو ہٹ کر غیر اسلامی معاشرتوں کی نظر فریب رنگینوں اور ملبیانہ منہات کی طر متعطف ہو جائے۔ بینکی بنیاد محض تلذذ و تعیش اور استمتاع و لذت پر قائم ہے۔

کہ تو طاعتی و حسانہ زکینت

اور ظاہر ہے کہ حفظِ دنیا کے یہی الوان بسا اوقات سادہ اور خام قلوب کو اپنے اندر نہما کر کے اس اہل مقصد و رجوع الی اللہ سے غافل کر دیتے ہیں جس کے لئے انسان کی تخلیق عمل میں آئی تھی۔ اور پھر یہ ناواقفیت اندیش دل اس حقیقت تک نہیں پہنچتے کہ یہ تمنیات یہاں تو سرور و آرام

ہیں مگر عالم آخرت میں یہی چیزیں ہیوم و آلام ہیں۔
وہ نہیں سمجھتے کہ یہی مادی لذذات و جو محض مسائل کا درجہ رکھتے ہیں۔ بسا اوقات ان روحانی امور
میں عاجز اور سب راہ ہو جاتے ہیں۔ جنگو خد نے تو مقاصد کا درجہ عطا فرمایا تھا۔ مگر ان غافل قلوب نے
انھیں مسائل سے بھی گرا دیا۔

پھر ان ناچھتہ قلوب کی آنکھیں اس بڑا ہتہ کو بھی نہیں دیکھتیں کہ یہ خوشنما اور نگاہ فریب معاشرہ کتنی ہی
راحت و ہار و خوش منظر کیوں نہ ہو لیکن یہ حال انہی قلوب کی ساتھ اور تراشیدہ ہے جن میں کفر
و فسق اور غفلت کی گندگی بھری ہوئی ہے اور جب کہ قلب جو ساری اقلیم تن کا سلطان ہی کفر
کی ہلک مرض میں دم توڑ رہا ہے تو ناممکن ہے کہ اس اصل کا فساد فرع پر نہ پھوٹ نکلے۔ اور جو اس
پھر جو اس کے تمام افعال و اعمال اور تخیلات و افکار کا کوئی حصہ حسب حیثیت اس روحانی جانکامی
سے متاثر ہوئے بغیر رہ جائے۔

انکھ یہ ڈرے دل زندہ تو نہ مر جائے	کہ زندگانی عبارت ہے تیری جینے سے
-----------------------------------	----------------------------------

پس کفار کی ساری ہی خوشنما معاشرہ سے جو انجام کے اعتبار سے یقیناً مضرت انگیز اور نقصان رسان
ثابت ہوتی ہے، بالکل متارکتہ اور قطع متناہتہ اس مسلم کے لئے ضروری ہے جس کو صرف پیشانی
ہی کی آنکھ نہیں دی گئی بلکہ پیش آنی کی نگاہ درمیں بھی عطا ہوئی ہے اور جو کسی طرح ان اندھوں
کی مانند نہیں جن کی انجام بینی کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں ہیں۔ کہ وہ عاجل میں بھینکرا آجل کی طرف
آنکھ ہی نہیں اٹھا سکتے۔

ان ہو کلا عیچون العاجلة وینکون بداء ہم یوماً ثقیلاً۔	یوگ کفان دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے ایک بھاری دن چھوڑ بیٹھے ہیں۔
---	--

یہ حال امتوں کے اسی ہی دضلال اور مرکز دین سے ہٹ جانے کو دیکھ کر اسلام بطور پیشیندی جہاں
منع تشبیہ کے اصول سے عبادات میں کام لیا ہے وہیں معاملات و معاشرت میں بھی وہ اس
تحفظ حد و سے غافل نہیں رہا اور اس نے دنیوی امور کے تمام شکلیں منع تشبیہ کی حد و میں لپی ہیں

جیسا کہ آئندہ واضح ہو جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

الحاصل (۱) منع تشبیہ ہی ایک ایسا اصول ہے کہ جس کے ذریعہ شرع اپنی حدود کو فنا اور الٹاس اور تباہ کن اختلاط سے بچا سکتی ہیں۔

(۲) اور تمام شرع میں صرف شریعت اسلام ہی اس کی حقدار ہے کہ وہ اس اصول سے کام لے کیونکہ دوسری تمام ملتوں کے مقابلہ میں خیر محض۔ کمال محض۔ اور منفعتہ محضہ صرف اسی کی حد و د میں ہے پس بچائے جانے یا الٹاس سے محفوظ رکھے جانے کے قابل ہی صرف ایک حد و د ہو سکتی ہیں (۳) اور اب یہ نتیجہ پر یہی طور پر نکل آیا کہ جو اس فصل کا موضوع تھا کہ منع تشبیہ کا انشاء اور اخذ شریعت اسلام کا کمال اہتمام محض ہونا اور دوسری ملتوں کا ناقص و مضمر ہونا ہی۔ اگر عاذا اللہ اسلامی شریعت بھی ناقص ہوتی تو ضرور اس کی اجازت دی جا سکتی کہ جہاں بھی اوضاع کمال دستیاب ہو سکیں حاصل کی جائیں اور ان سے تشبیہ و تخیل کیا جائے لیکن جبکہ ایسا نہیں تو پھر ایسی اجازت بھی کبھی نہیں دی جا سکتی۔

فناذا بعد الحق الا ضلال فانی بیہر فون۔ چرخ کے چمدن کیا گیا بجز غلری کے بجز کہاں بچتا ہے جو۔

خلافت پیغمبر کے رہ گزیر	کہ ہرگز بسندل نخواستہ رسید
-------------------------	----------------------------

منع تشبیہ کی اہمیت و ضرورت اور اس کا انشاء و اخذ دیکھا دینے کے بعد اس کے فصل میں ہم اس کی اصلیت و حقیقت عقلی و حسی حیثیت سے واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ تشبیہ کیا چیز ہے اور اس کے آثار و لوازم کیا ہیں۔ پھر ہر شخص خود فیصلہ کر سکیگا کہ آیا اس کی اجازت دی جائے یا اس سے باز رکھنے کی سنی کی جائے۔

فصل

تشبیہ کی حقیقت

عقلی اور حسی حیثیت سے

رسود اہل حقیقت بگویت فیضی | اگر بطالب معنی خبر توانی کرد

کائنات کی ہر چیز کی ایک مخصوص شکل ہے جس کے ذریعہ سے وہ پہچانی جاتی ہے۔ جو چیز بھی پردہ دنیا پر آتی ہے وہ اپنی شکل و صورت اور رنگ روپ ساتھ لاتی ہے تاکہ اسے اپنا وجود منوانے اور ممتاز ہو کر نمایاں ہونے میں کسی قسم کا اقتباس سہراہ نہ ہو۔ خدا کے حکم و قہر کے بے پایاں حکمت اور فیاض قدرۃ نے ہر حقیقت کو اس کے مناسب پیرایہ اور ہر باطن کو اسکے نمایاں شاں ظاہر بخشا ہے پس دنیا کی ہر ایک مستور حقیقت جب ظہور کرتی ہے تو اپنی ہی شکل میں آتی ہے۔ اور کائنات کا ہر کمون راز جب پردہ اُکٹا دیا جاتا ہے تو اس شکل میں جو اسکو بدر فطرۃ سے دیدی گئی ہے۔ حیوانات کی تمام نوعین۔ انسان۔ شیر۔ گھوڑا۔ گدھا۔ وغیرہ پھر نباتات کی تمام قسمیں۔ درخت۔ گھاس۔ جڑی۔ بوٹی۔ پھل وغیرہ اسی طرح جمادات کی تمام جنسیں۔ اینٹ۔ پتھر۔ چوہ۔ ریت۔ مٹی وغیرہ سب ہی وہ اشار ہیں کہ فطرۃ اپنی اپنی صورتیں ساتھ لائی ہیں۔ اور انھیں صورتوں کی بدولت دنیا میں ان کا امتیاز یا وجود قائم ہے۔

باختن لازم رنگ است دریں باز نگاہ | پہنچ تدریج چہاں نیست کہ درنگ شوم

اگر زیادہ عرصے الگ دکھائی دیتا ہے یا ایک مکان دوسرے مکان سے علیحدہ نظر آتا ہے یا ایک کپڑا دوسرے کپڑے سے ممتاز معلوم تو وہ یقیناً اپنی خصوصیات ہیئت کے سبب جو ان میں مشترک نہیں بلکہ آپس میں جداگانہ اور ممتاز ہیں۔ یعنی ایک مکان کا جو مخصوص نقشہ ہم اپنے ذہن میں آتا ہے وہ دوسرے کو میسر نہیں۔ اسلئے یہ مکان اس مکان سے الگ ہے یا کپڑوں کی شناخت

کے وقت ہم ان کے سوت کی رتہ و غلطہ کپڑے کا چکنا اور کرخت ہونا دیکھ کر ہی ایک کپڑے کو دوسرے سے امتیاز دیتے ہیں۔ اسی طرح جبکہ ہم زید کے چہرے اور قد و قامت کی وہ مخصوص صفات اعراض دیکھتے ہیں جو عمر و کیلئے نہیں ہیں تو یہی زید کا امتیاز ہے جو اس کو عمر و سے الگ اور جدا ثابت کر دیتا ہے۔ ان اعیان کو چھوڑ کر اب اعراض میں آؤ تو یہی صورتوں کا اختلاف وہاں بھی پہنچایا ہوا ہے جس نے ہر ایک کو امتیاز اور خودی دہتی کی دولت دے رکھی ہے۔ نور کی شکل اور سب سے اور ظلمت کی اور۔ دن کی حقیقت جب ظہور کرتی ہے تو اپنی ہی نورانی شکل پر اور رات جب ظاہر ہوتی ہے تو اپنی ہی تاریک اور بیہانک شکل پر۔ الوان کو دیکھو تو سیاہ رنگ کی وہ شکل نہیں جو سُرخ کی ہے اور سُرخ کی وہ نہیں جو سبز دسیاہ کی ہے بلکہ ہر ایک اپنے صوری امتیازات کو ملے ہوئے ہی اپنے وجود کی نمائش کر رہا ہے۔

پھر نہ صرف کائنات کی جزئیات کا جزئیات بنکر رہنا ہی ان امتیازات کا رہین منت ہے۔ بلکہ عالم کی کلیات اور مجموعے بھی باہمی فصل و تیز میں انہی مخصوص اشکال و اعراض کے دستگیر ہیں۔ ایک جنس دوسری جنس سے ایک نوع دوسری نوع سے اور ایک صنف دوسری صنف سے محض انہی خصائص کے بدولت اپنے مستقل وجود کھٹاتے ہوئے ہے۔

مثلاً جمادات کے نوعی دائرہ میں جب بم پتھروں کی تلاش میں نکلتے ہیں تو کبھی پتھر کے دھوکے میں رہتے اور لکڑی نہیں اٹھلاتے کیونکہ پتھر کی اک قدرتی شکل متعین ہے جس سے وہ بچا جاتا ہے۔ اسی لئے نہ پتھر کو اینٹ کہہ سکتے ہیں نہ اینٹ کو پتھر، نباتات کو لوتام دیکھ کر یہیں کبھی سبب و انار کا دھوکا نہیں لگتا کہ ان کی صورتیں متماز ہیں۔

حیوانات میں اگر ہم انسانیت کے جو یا ہوں تو اس کو کس شکل میں تلاش کریں؟ آیا گدھے گھوڑے اور شیر کی صورتوں میں یا اس کے دوسرے اپنا جنس کی شکلوں میں؟ نہیں بلکہ انسانیت کو انسان ہی کی شکل میں پایا گیا ہے اور شیر کی منفرد حقیقت کو اسی کی صورت میں۔ کیونکہ شیر کو جو نوعی حقیقت چیر بھاڑ وغیرہ اور جو نوعی صورت یعنی مخصوص الوان و اعراض بد نظریہ سے

نوعے گئے ہیں وہ انسان کو نہیں ملے، اس لئے شیر انسان نہیں۔ اور ادھر انسانی قوتی میں ادراک و تصور کی وسیع طاقت۔ ایجاد و استخراج کی زبردست قوت۔ نفاست و نزاہت کی خوش آئند صفت بہ اس اور زینت آرائی کی خوش منظر حالت۔ کھانے اور پینے میں قسم قسم کی جدہ پھر ظاہری قوتی میں چہرے اور جسم کی وہ پاکیزہ صورت جو انسان کے حصہ میں آئی ہے وہ شیر کو میسر نہیں اس لئے انسان شیر نہیں۔ بلکہ تمام ہی حیوانات سے الگ ایک ممتاز حیوان ہے۔ اگر اس کے ظاہر و باطن کو ان خصوصیات سے محروم کر دیا جائے تو یقیناً بظلمہ شور حیوانات کے وہ بھی ایک عجیب و غریب شکل و شمائل کا حیوان۔ اور یا صرف ایک ذی حرکت اور گول گول کرہ ہو جائے۔

پھر انسانی نوع کے افراد میں باوجود اتحاد نوعی کے ایک صنفی تقسیم جاری ہو جاتی ہے۔ جو انہی خصوصیات اور مخصوص آثار کا نتیجہ ہے۔ جن میں درم کی حقیقت ایک ہے۔ پھر ان کے حیوانی و انسانی جذبات اور فطری اقتضادات متحد ہیں۔ لیکن پھر بھی باہم ایک تفریق عظیم ہے۔ جس نے متحد الحقیقت نوع انسانی کو دو صنفیں تقسیم کر دیا۔ ان کے اسماء بدلے ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت سے تعبیر کرایا۔ ان کے احکام بدلے ان کے حقوق متفاوت ہو گئے۔ یہ سب انہی صنفی امتیازات و جسامت و نزاکت۔ صغیر و کبیر۔ و ضاع و اطوار بدن۔ اعمال ظاہر و باطن۔ اخلاق و ملکات وغیرہ کی تفریق و تخصیص کا اثر ہے۔ کہ دو صنفیں باوجود ایک واجبی اور متحدہ اتحاد کے زیر اختلاف آئیں اگر یہ صنفی خصوصیات ان دو صنفوں میں سے نکال دی جائیں تو یقیناً امتیاز بھی اٹھ جائے اور جن مرد کے ایک ہو جانے سے یہ زبردست صنفی اختلاف ہی نابود ہو جائے۔

غرض زمین سے لیکر آسمان تک حیوانات ہوں یا نباتات و جمادات اگرچہ ایک ہی مادہ سے سبب کا نشوونما ہے اور ایک ہی خزان وجود سے ہر ایک کو حصہ ملا ہے۔ لیکن باوجود اس وحدۃ وجود اور توحید و مثال کے خدا کی وسیع حکمت نے ان کی صورتوں میں اختلاف ڈال دیا تاکہ ایک سے دوسرا پہچانا جاسکے۔ ان میں امتیاز قائم رہے اور اس طرح ہر ایک سے جو منافع اور اغراض متعلق ہیں وہ پورے ہوتے رہیں اگر تلبیس کی رُ سے ایک نوع کا کوئی فرد اپنی خصوصیات کو

وہ سب ایک ہی ہوں۔ گویا ان پر سب یا تمام کا اطلاق محض مجازی اور فرضی ہو جو انسان وہی گدھا ہوا اور جو گدھا ہو وہ بھی شیر اور بکری بھی ہو۔ آم کے درخت کو بول بھی کہا جائے اور بول کو گلاب و یاسمن بھی پکارا جائے، جس کو ہم پتھر کہیں اسی کو اینٹ اور پتھر بھی کہیں۔ کل ہی جزو بھی ہو اور پھر وہی کل بھی۔ سیاہ میں سفید نمایاں ہو اور سفید میں سیاہ۔ زمین ہی آسمان ہو اور آسمان ہی زمین ہو۔ رات دن ہو اور دن رات۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ نہ زمین رہے نہ آسمان۔ نہ دن رہے نہ رات۔ نہ سفید ہو نہ سیاہ اور نہ عالم میں جزئی جزئی ہو نہ کلی کلی۔ ظاہر ہے کہ جب ذرات عالم میں اس تکوینی ریل میل اور خلط ملط کی وجہ سے ایسی وحدۃ آجائے کہ ایک اور کی تائی کے سوا دوسرے اور دوئی کا پتہ نہ ہو۔ گویا سب کچھ ہونے کے بعد کچھ بھی نہ ہو تو نہ عالم کو اپنے اجزا کی ضرورت رہتی ہے نہ اجزا کو مجموعہ کی نہ دنیا کے لئے ان مختلف المظاہر موجودات کی حاجت رہتی ہے اور نہ اس عالم کو ہونے اور موجود کہلانے ہی کی کوئی ضرورت باقی رہ جاتی ہو؟ اور پھر کونسا داعیہ اٹھتا ہے کہ حضرت حق جل جلالہ ایسی بے معنی اور غیر مفید کائنات کی بنیاد ستوار فرمائے۔ (نعوذ باللہ منہ)۔

ان چند سطور سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ اگر اس مادی عالم کو اسی ایثار شکن البتاس میں بے ہیئتہ چھوڑ دیا جائے۔ اور اس کے اجزا میں ایسی ہی تلبیس راہ پا جائے کہ جس کے ذریعہ موجودات میں کوئی تفریق امتیاز اور معرفت باقی نہ رہے تو یقیناً عالم بے معنی اور لغو بھی ثابت ہو جاتا ہے اور خدا کی بے مثال صناعی و قدرتی پراک بڑا دھبہ بھی آجاتا ہے۔ لیکن اگر اس البتاس کے بجائے وہی امتیاز قائم رہے جو ہے اور جس کی وجہ سے عالم کی ہر چیز آج اپنی حد میں پہچانی جا رہی ہے تو یقیناً عالم کی تخلیق بے شمار حکمتوں کا نتیجہ اور خدا کی قدرۃ کاملہ کا ایک بے مثال نمونہ ثابت ہوگی۔

پس روشن ہو گیا کہ البتاس و اخلاط ہی وہ چیز ہے جو کائنات کے وجود کو باطل کرتی ہے اور اس کے بالمقابل امتیاز و فصل ہی وہ دولت ہے کہ ہر چیز کے وجود کو ثابت اور نمایاں کرتی ہو اگر عالم میں اجناس کے اشتراک کے ساتھ فضول کا امتیاز نہ ہو تو عالم کی ہر شے لاشے ٹھانگی

اور اس کا خیمہ درہم برہم ہو جائیگا۔

الحاصل جس دائرہ اشترک میں ان صورتی خصوصیات اور شکلی امتیازات کا قدم پہنچ جائیگا وہیں اشیاء عالم عدم کے البتہ اس سے منکسر وجود کی امتیازی سطح پر آجائیگی اور اپنے اپنے مقصد تخلیق کا فائدہ کرنے میں لگ جائیگی۔ گویا عالم میں افادہ و استفادہ تعلیم و تعلم۔ اہتمام و تقبیل۔ رنج و خوشی۔ اور تمام وہ حالات جو ایک کے دوسرے سے متعلق ہو سکتے ہیں صرف انہی امتیازات اور خلقی تفریقوں کی بدولت پاسے چاکیں گے۔ کیونکہ جب ایک ایک اور دوسرا دوسرا ہر ایک کا موجب ہی وہ متعدی حالات بھی نمایاں ہو سکیں گے جو ایک کے دوسرے سے متعلق ہیں۔ ہاں اگر کائنات کی ان اشیاء میں سے جو وجود اور مادہ کے لحاظ سے بالکل غیر ممتاز ہیں ان امتیازی خصوصیات اور شکلی صورتی تعینات کو اٹھا دیا جائے تو نہ جڑی بڑی۔ سیٹی نہ کلی کئی بلکہ ساری کائنات ایک متصل واحد شے۔ ہر ان اغراض و منافع کے افادات سے قطعاً محروم ہو جائیگی جو اسکے ممتاز اجزاء سے متعلق تھے۔ پس ہر ہر فرد اور ہر ایک مجموعہ پھر ہر ہر جڑی اور ایک ایک کلی انہی تکوینی خصائص کی بدولت اپنے وجود اور نمائش کو تھامے ہوئے ہے۔

فصل

دنیا کی مختلف قومیتیں

اور ان کے بقا، و تحفظ کا راز

ٹھیک ان مادی اور تکوینی خصوصیات کی طرح کچھ معنوی خصائص اور باطنی امتیازات بھی ہیں جنہوں نے بنی آدم میں جسمانی صورتوں کے دوش بدوش کچھ معنوی صورتیں بھی پیدا کر دی ہیں، اور اسی لئے انسانوں میں کتنے ہی معنوی مجموعے یا جتھے اور قومیتیں قائم ہو گئیں۔ مسلم قوم، عرب قوم، ہندو قوم، عیسائی اور یہودی اقوام کی قومیں ایک ماں باپ لائے ہوئے کے باوجود کس درجہ متفاوت اور مختلف ہو گئیں اور اس طرح ایک وسیع دائرہ اشتراک میں کتنے ہی اختصاصات نمایاں ہو گئے۔ لیکن ان مختلف قوموں اور متفرق امتوں کا باہمی فصل و امتیاز بھی بہت سی قومی خصوصیات اور مخصوص آثار و حمیانی پر مبنی ہے۔ جبکہ ان اقوام کے اخلاق و عادات مختلف ان کا تمدن و تہذیب مختلف ان کے جذبات و احساسات مختلف تو یہ عادات و ملکات، معاشرت و تہذیب، جذبات و حیات، طرز اعمال و افعال، طرز سلام و کلام و ضابطہ لباس اور اطوار خورد و نوش وغیرہ ہی وہ خصوصیات ہیں کہ جتنکے امتیاز سے ایک قوم کا امتیاز قائم ہو سکتا اور ایک قوم بالاستقلال قوم کہلائی جاسکتی ہے۔ ہم اگر آج ایٹمی قوموں کو یورپین اقوام سے مختلف کہہ سکتے ہیں جبکہ وہ نسل و انسانیت میں متحد ہیں، تو صرف اس وجہ سے کہ جو خصوصیات تمدن و معاشرت اور جذبات و حیات ایک قوم کی ہیں ان کا دوسری میں وجود نہیں اس لئے لامحالہ ایک قوم کو دوسری قوم سے ممتاز اور جدا ہی سمجھا جائیگا۔

پس جس طرح گذشتہ فقرہ ادنیٰ نوعی اور منفی مجموعہ ان کو ان کے مادی اور تکوینی امتیازات نے ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا تھا۔ اسی طرح قومی مجموعوں کو قومی خصوصیات یعنی باطنی حیات

دلی جذبات اور پھر جو اس کے اعمال و افعال نے باہم ممتاز بنا دیا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ کسی حد تک قومی مخالفت اور قومیتوں کے امتیاز میں ملکی و نسلی اختصاصات اور مرز و بوم کی تعینات کو بھی دخل ہو لیکن چونکہ یہ غیر اختیاری امتیازات کی ظہور و نمود کا سبب کوئی نہایت نہیں رکھتے اسلئے اقرار کرنا پڑے گا کہ قوموں کے فصل و امتیاز کی اساس صرف روحانی خصوصیات پر قائم ہے۔

کیونکہ یہ روحانی خصائص ہی وہ زیر دست امتیازات ہیں جو ہر اوقات نسلی اور لونی بلکہ کل مادی اور ارضی امتیازات کو مٹھو کر کے بلا شرکت غیرے قومی وجود کی تقویم کے قیاس و سرباہ دار بن جاتے ہیں۔

یہی روحانی خصائص جبکہ ایک خاص ترتیب کی ساتھ عالم میں ہویدا ہوتے ہیں تو ان کے مجموعہ کا نام مذہب اور دین ہو جاتا ہے اور اس طرح مختلف قومیتوں کی تعمیر انہی مذہبی خصائص کی اساس پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ پس جس طرح مادیات میں تکنیکی حقائق دیوانیت، نباتیت اور جمادیت کے ظہور کے لئے مخصوص شکلوں اور صورتوں کی ضرورت ہے، اسی طرح سلسلہ روحانیت میں شرعی اور مذہبی حقائق کے بروز کے لئے بھی فطرۃً مخصوص ہیئتوں اور ممتاز شکلوں کی حاجت ہے۔ یعنی کوئی مخصوص مذہب جب ظہور کریگا تو اپنی ہی قدرتی شکل پر نہ کہ دوسری مصنوعی اور خود ساختہ شکلوں میں کیونکہ اگر اس کا پیرایہ ظہور اصلی صورت چھوڑ کر کسی مصنوعی صورت میں آجائے تو پھر ہم اسکو وہی مذہب نہیں کہہ سکتے جو ابھی اس سے پہلے اپنی شکل میں جلوہ پیرا تھا۔

اسلامی ارکان کی شکلیں

اب تم دینا کے سب سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر مذہب (اسلام) پر ایک نگاہ ڈالو تو نظر آئے گا کہ روحانیت کے مشترک دائرہ میں اسکی بھی ایک خاص شکل و صورت متعین ہے اور اس کے اجزاء و اعضا کی بھی جس کیونکہ وہ دوسرے مذہب سے بالکل ممتاز و نمایاں ہے۔

اُسکے ہمہ گیر شعبوں (عقائد و تصدیقات) اعمال و عبادات - معاملات و سیارات - آداب

و معاشرت۔ سلوک حالات و مقامات) میں سے کسی ایک کو ملے لو ہر ایک رکن اور نامور دینی کا ایک خاص پیرایہ نظر آئیگا۔ جس میں ہو کر اس کی حقیقت ظہور کر رہی ہے وہ اسی پیرائے اور صورت کے ذریعے اپنے جنسی اور غیر جنسی اخوات سے ممتاز اور اپنا مستقل وجود قائم کئے ہوئے ہے۔ نماز کی صورت اور ہے روزہ کی اور۔ حج کا پیرایہ ظہور اور ہے جہاد کا اور یہ ناممکن ہے کہ نماز کی حقیقت دوڑنے اور بھاگنے یا جنگ و جدل کی شکل میں نمودار ہو۔ جس طرح یہ محال ہے کہ جہاد باسیف کی حقیقت مصلیٰ میں حاضر ہو کر سکون کے ساتھ رکوع و سجود اور قہمہ و صلہ کرنے کی ہیئت میں ظاہر ہو حج کی حقیقت جب ظہور کرے گی تو اسی اپنے جامہ احرام اور طواف و سعی کی فطری شکل میں نہ کہ خانہ نشینی کے ساتھ آرام سے سونے اور بیٹھے بیٹھنے کی صورت میں روزہ کا منظر اور پیرایہ ظہور قدرۃ متعین ہے پس اسکی حقیقت کا ظہور کبھی ہوگا تو اپنی اسی (اسک و صبر) کی صورت میں نہ کہ کھانے پینے اور لذائذ طبعی کی تحصیل کی شکل میں اسی طرح محاسن اخلاق سخاوت۔ شجاعت۔ مروءت۔ حلم۔ حیا۔ ایثار وغیرہ اور ذائل اخلاق حسد۔ کینہ۔ طمع۔ بغل وغیرہ کی ملکوت حقیقتیں جو ہر انسان کے باطن میں فطرۃ مرکوز ہیں۔۔۔۔۔ جب جوارج پر ظہور کریں گی تو یقیناً اپنی ہی شکل میں نمودار ہوں گی۔ بخل ہیئتہ مال کو روکنے اور نہ دینے کی شکل میں ظاہر ہوگا جس طرح سخاوت اسکو خارج کرنے اور بدل کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ اتفاق کا مستور جذبہ قتل و غارت اور فساد و خونریزی کی شکل میں دنیا پر ظاہر ہوا ہو۔ جیسا کہ کبھی نہیں سنا گیا کہ اختلاف نے اشتی و صلح اور محبت و پیار کی صورت میں اپنی نمائش کی ہو۔

معاملات و سیاسیات کو لیلو تو ہر ایک معاملہ کی شکل قدرۃ متعین ہے۔ بیع و شرا کی حقیقت یقیناً چوری و ڈاکہ زنی کی شکل میں نہیں نمایان ہو سکتی بلکہ اپنی ہی شکل پرائیگی۔ زکاح و طلاق کی حقیقتیں اپنے ہی پیرائے اختیار کریں گی نہ کہ دوسری ایسا کہ۔

اسی طرح اسلامی معاشرت اور معیشت کے کل شعبے اپنی مخصوص صورتوں ہی کے سبب دوسری معاشرتوں سے ممتاز اور اپنے وجود کو سمجھائے ہوئے ہیں۔ یہ اسلام کے جزوی شعبوں

ادوار کان و اجزاء کی شکلیں ہیں جسکو فطرۃ شرعیہ نے متعین کر دیا ہے۔ جب انکو ترتیب کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو یہ مرتب مجموعہ ہی اسلام کی مجموعی شکل ہو جائے گی۔ یعنی جس طرح ایک انسان کے اعضاء ہاتھ۔ پیر۔ سینہ۔ کمر۔ چہرہ۔ ہمرہ وغیرہ کی الگ الگ اور متماز شکلوں کو قدرۃ نے ترتیب کے ساتھ جوڑ دیا۔ تو اسی انفرادی جوڑ بندے انسان کی مجموعی ہیئت قائم ہو گئی۔

اسی طرح اسلام کے ان اجزاء و اعضاء کی جدا جدا صورتوں کو جبکہ قدرۃ نے ایک خاص ترتیب سے پیوست فرما دیا تو اس پیوستگی ہی سے اسلام کی مجموعی ہیئت قائم ہو گئی۔ یہی اسلام کی فطری ہیئت و صورت جبکہ ایک انسان پر فائض ہوتی ہے تو اسکی جسمانی صورت کے دوش بردوش ملکی ایک روحانی و مذہبی شکل بھی قائم ہو جاتی ہے اُس جسمانی شکل کی وجہ سے اسکی انسان کہا جاتا تھا تو اس روحانی یا اسلامی شکل کی وجہ سے اسکو مسلم دیکھا جائیگا۔ اور پھر ایسے انسانوں کے مجموعہ پر جبکہ اس کے اجتماعی احکام کی صورتیں فائض ہوتی ہیں تو اس مجموعہ کو اسلامی قوم کہا جاتا ہے۔ پس یہ اسلام اور اسکی قومیت اسی صورت میں اسلام اور قوم اسلام پکارے جاسکتے ہیں جبکہ اپنی ہی فطری شکلوں کے ساتھ انسانوں میں نمایاں ہوں۔ اگر یہ ان کی معنوی شکلیں دیکھیں تو اقوام کی قومی و مذہبی صورتوں سے متماز رکھی جاتے کے بجائے دو سہرے مذاہب کی شکلوں سے ملتے ملتبس بنا دیجائیں تو پھر ان انسانوں کو مسلم قوم اور ان کی اس مصنوعی ہیئت کو اسلامی شکل کے بجائے اسی ملت و قومیت کا نام دیا جائیگا۔ جس کی شکل اسکو پہنا دی گئی ہے۔ پس یہ بات کافی روشن بینی میں آگئی کہ مخالف مذاہب کی صورتوں کا امتیاز باقی رکھے جانے ہی سے ان کے وجود کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔ اور یہی صورت مذاہب کا امتیاز ہے جس سے ہر ایک ملت و قوم اپنے نام سے پکاری جاسکتی اور باقی رہ سکتی ہے۔

قومی امتیازات اور اختلافات مذاہب

پس اب یہ دعویٰ پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اختلافات علوم و عقائد اختلافات شرائع و عمل نے دنیا کی متحدہ حقیقت اقوام کو پرالگ نہ کر کے ہر ایک کے لئے ایک اہل امتیاز پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ

بہاؤی نازی خصائص جو بے شمار قوموں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں، درحقیقت مذاہب مختلفہ کے عقائد و اعمال میں پنہاں ہیں۔ اگر تمام شریائع تمام ملتیں۔ اور تمام ادیان عالم ایک ہی نقطہ علم و عمل کی خبر دیتے اور یہ اخلاقی خصوصیات ان میں باقی نہ رہتیں تو پھر یقیناً وہ ادیان نہ کہلاتے بلکہ دین واحد وہ شریائع نہ کہلاتیں بلکہ ایک شریعت۔ انکو مل نہ کہا جاتا بلکہ ملت واحدہ اور اسلئے قومیتیں مختلف نہوتیں بلکہ ملت واحدہ عالم کی دارت بنجاتی۔

پس قومیت یا قوم درحقیقت اس انسانی مجموعہ کا نام ہے جو کسی خاص ملت، خاص مشرب یا خاص سبیل و صراط کا پابند ہو۔ اور اس مشرب و ملت کی خصوصیات نے رخواہ اعتقاد ہوں یا علم، اس مجموعہ کو دوسرے انسانی مجموعوں سے الگ اور ممتاز کر دیا ہو۔ اگر قومیتوں کا یہ ماہر الا تیزا ز اٹھا یا جاسے یعنی خصوصیات فنا کر دیجائیں یا ملتیں اور مشتبہ ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ کوئی قوم اور کوئی ملت اپنے نام سے باقی نہیں رہے گی۔

پس جس طرح ایک عیسائی اپنی خصوصیات مذہب کے دائرہ میں ایک یہودی اور بت پرست سے ممتاز ہے۔ ایک یہودی اپنے خصائص ملت کے ذریعہ ایک نصرانی اور دثنی سے علیحدہ ہے۔ ایک بت پرست اپنے مخصوص مشرکانه حرکات کے بعد سے ایک عیسائی اور پارسی سے جدا ہے۔ اسی طرح ایک اسلامی فرد یا ایک مسلم جنس اپنی خصوصیات علم و عمل اپنے مخصوص ہی عقائد و اعمال اور اپنی ممتاز شریعت الہی پر دل سے یقین رکھنے اور جوارح سے عمل کرنے کی بدولت ہی ایک نصرانی یا یہودی ایک دثنی و پارسی اور اک ملحد و زندیق سے اسی طرح ممتاز ہو جس طرح یسنا نا یقینا ہے۔ نور ظلمت سے۔ تربیتی ہوئی دھوپ سایہ سے۔ اور زندہ مردہ سے۔ پس جب تک دنیا کی خصوصیات سے دنیا میں ہیں وہ اپنا نہیں ہو سکتا۔ جب تک نور کی خصوصیات نور میں ہیں وہ ظلمت نہیں بن سکتا۔ جب تک دھوپ کی خصوصیات میں دھوپ میں ہیں وہ سایہ نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک زندہ کی خصوصیات زندہ میں ہیں وہ مردہ نہیں ہو سکتا۔ وما یستوی الا ظلمی و البصیر ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الخور و ما یستوی الا حیاء

بجھر قصبہ فی النار۔ دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی انتہائیں کھینچتا پھرتا رہا ہے۔

پس اب دیکھ لو کہ دین حنیف کا جاہلیہ ہو جانا اور ایک سرحد قوم کا مشترک بننا جو ایک عظیم الشان انقلاب ہے۔ تشبیہ بالغیر کی بدولت کسی سہولت سے رونما ہو گیا اور اس تشبیہ بالا قوم نے کس طرح ایک مذہب کو مٹا کر دوسرا مذہب اور ایک ممتاز قومیت کو فنا کر کے دوسری نوع کی قومیت قائم کر دی۔

پھر اس صدیوں کے پڑائے قصہ کو چھوڑ کر قرونِ روان ہی کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈال لو تو روشن ہو جائیگا کہ اسی تشبیہ بالغیر نے بڑی کی شہری آبادی سے یکے غیر محسوس طریقہ پر مسلمان خصوصیات اچکنی شروع کیں اور یورپ کی اس کورانہ تقلید یا تشبیہ بالنصارائی کے اس عملی اقدام نے بڑے کے متحدہ لوں کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ نہ آج انھیں اسلامی مسائل سے کوئی کچھ پی ہی رہی اور نہ مسلمان کہلاتا ہی ان کے نزدیک کوئی قابلِ وقت حالت سمجھی جا رہی ہے اور صریح

بیباکست کنین میان چہر خواہد خوات

پھر آج اسی تشبیہ بالنصارائی کے جذبات نے کابل کے تمدن جھٹھ کو زیر و بر کیا اور اسلامی شعائرِ نحو کر دینے کی تمہید ڈال دی اگر ان آزاد اور بے راہ جذبات میں مذہب متاثرات نہ تھے تو اس زمانہ کا بہت جلد انتظار کرنا چاہئے کہ اس خالص مسلمانی ملک سے اسلامی خصوصیات ایک ایک کر کے رخصت ہو جائیں۔ بخود باللہ۔

پس یہ تشبیہ بالغیر ہی ہے کہ اسکے جراثیم ہیں قومی اور ملی وجود میں پڑ گئے ہیں۔ وہ قوم دلتہ کبھی نہیں پنپ سکی اور آخر کار فنا ہو کر رہی۔

تشبیہ کے ان تاریخی انقلابات ادا کی طبعی رفتار کو دیکھتے ہوئے اس کی حقیقت ان مختصر الفاظ میں لائی جا سکتی ہے کہ تشبیہ بالغیر فی الحقیقت محرکِ ریب حدود اور ابطالِ ذاتیات کا نام ہے یعنی فطری حدود سے تجاوز کرنے یا حقیقی حدود کو توڑ دینے کا دوسرا نام تشبیہ بالغیر ہے جب غیر کی حاتمہ ش بہت بڑی ہوگی تو بلا تشبیہ صلی شکل میں فرق آجائے گی یا تشک کہ بالآخر اس تحریر

کے ذریعہ اصلی اور فطری شکل محو ہو جائیگی۔ اور ایک غیر فطری شکل نمایان ہو جائیگی۔ کیونکہ یہ تخریب
خواہ کسی تکنیکی محو و دین واقع ہو یا تشریحی محو و دین۔ جب کسی چیز کی حدود ہی باطل ہو جائیں تو
محو دیکھنے باقی رہ سکتا ہو؟ فرض کیجئے کہ انسانی حقیقت کی حدود جنہیں محو و دین پرکروہ انسان پر
”حیاء“ اور ”ادراک“ ہیں۔ حیاء کے دائرہ میں پرکروہ حساس بھی ہے اور اسلئے وہ مجاہد نہیں اس
دائرہ میں وہ حرکت ارادی بھی رکھتا ہو اور اسلئے مجاہد پتھروں کی طرح ساکن نہیں ہے پھر اسی حد
کے اندر وہ نشوونما کی طاقت بھی رکھتا ہو اور اسلئے وہ کوئی چوب خشک نہیں بلکہ بیداری کی توانائی
ہے۔ پس حیوانیت اس کی حقیقت کے لئے ایک حد ہے ایک کنارہ ہے جسکی روک تھام نے انکو
مجاہدات میں داخل ہونے سے بچایا اور الگ کر دیا ہو۔ پھر اسکی حقیقت کیلئے دو سراکن ”تعلق و
ادراک“ ہے جس کے دائرہ میں پرکروہ معقولات کا احساس بھی کرتا ہے۔ وہ نفس و فہم بھی ہے۔ وہ
متمدن بھی ہے، وہ سلیقہ مند اور عصمت شعار بھی ہے۔ پھر نئے نئے اختراعات و ایجادات سے اپنا
تمام بنائے جس پر فوقیت رکھتا ہے اور ان سے ممتاز بھی ہے۔ اس پر وہ سری نشی نے اسکو
گدھا، ورگھوڑ اور تمام لایعقل حیوانات سے الگ کر دیا ہے۔ پس وہ اپنی انسانیت کو اپنی دو
دائرہ میں پرکروہ برقرار رکھ سکتا ہے۔

اگر بالفرض اسکی حیوانیت یا حیاء کی حد توڑ دی جائے اور اس شکستہ کنارہ سے موت کی کیفیات
اس میں سراپت کر جائیں تو بلاشبہ ایک ذی ارادہ انسان یہ جان رہے ہو کہ مجاہدات میں
شامل ہو جائیگا۔ اور اسوقت اسیں نموکے بجائے جمود۔ حرکت ارادی کے بجائے مضطربری سکون
اور جس کے بجائے بجائے بے حسی کی کیفیات نمودار جائیگی۔ اور اسوقت اس کو محض مجاہد
انسان کہہ سکیں گے۔ اور اگر حیاء کی حد باقی رہے لیکن ہم وادراک کا کنارہ ٹوٹ جائے تو
کوئی شبہ نہیں کہ وہ جاندار ہے لیکن ادراک کا کنارہ ٹوٹ جانے سے اس میں فہم کے بجائے بے
عقل کے بجائے خفیت۔ عصمت و عفت کے بجائے بیعت و بیہوشیت کے داخل داخل ہو جائے
اور جب اسکی اندرونی یا ذاتی اشیاء نکل جائیگی تو لاجحالی ان کے بجائے بیرونی بیہوشی داخل

بہو کر اسکی حقیقی انسانیت کو فنا کر دیں گی۔ کیونکہ کسی چیز کی حد ٹوٹ جانے کی یہی حقیقت ہو سکتی ہے
 کہ نہ وہ اپنے محدود کی ذاتی اجسامہ اسکے لئے جامع رہے اور نہ غیر اشیا اسکے داخل کرنے سے مانع
 پس جس طرح یہ ایک نہایت ہی رفیع المنزلت تکوینی مجسمہ (انسان) اس تکوینی تشبیہ اور
 خارج از انسانیت اشیا اسکے اختلاط سے اپنی حقیقی انسانیتہ کو کھو بیٹا اسی طرح بلسلہ تشریع میں اسباب
 و اقوام اور انسانی مجموعے بھی جبکہ خارجی اشیا کو اپنے اندر داخل کر لینے سے مانع نہیں ہوتے تو
 وہ یقیناً اپنی ذاتی خصوصیات کے لئے جامع بھی نہیں رہتے اور اس عدم منع و جمع کے سبب انکی
 حقیقی قویست بھی پایاں اور اختلاط و التباس کا قیام کیا کہ سب سے معدوم ہو جاتی ہے۔ پس کسی
 قوم کے اپنی اصلی حدود پر باقی رہنے اور دوسری اقوام میں مذعم ہونے کی صورت ہی یہ ہے کہ وہ
 اس تشبیہ یا تخریب حدود یا ابطال ذاتیات یا انفساد حقائق کے ہلاکت انگیز دائرہ سے بچائی جائے
 (۱) یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے ان عورتوں پر لعنت کی جو مردوں سے اوصلع و اطوار
 میں تشبیہ کرتی ہیں۔ پھر اسی طرح ان مردوں پر جو تشبیہ بالنساء کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر دو صفت کی حد
 الگ الگ اور ہر ایک سے اغراض۔۔۔ جدا جدا متعلق ہیں اور جبکہ ایک صفت دوسری سے مشابہت
 پیدا کر رہی ہے تو گویا اپنی حدود کو توڑ کر دوسرے کی حدود میں قدم رکھ رہی ہے اور ان منافع و
 مقاصد کو باطل کرنا چاہتی ہے جو اسکی اسی صنفی صورت سے متعلق تھے کہ جب التباس کے سبب
 متشبیہ صنف کی فطری مثل نیکی تو اس سے متعلق اغراض بھی فنا ہو جائیگی۔ دیکھو آج یورپ کی تمدن
 دنیا کی ہمیشہ منزلی کا سہ سے زیادہ گہرا مرض یہی اختلاط و التباس ہے۔ مغرب کی ایک عورت جو
 تمام عورتوں کی طرح نوع انسانی کی تکثیر و تربیت کے لئے تھی۔ جو قلوب کے سکون اور رنجوں
 کی مودہ کے لئے تھی اور جو ایک سلیقہ شعار ماں اور ایک عفتہ آثار بیوی بننے کے لئے پیدا کی گئی
 تھی اور جو اسلئے تھی کہ گھر کی چہار دیواری کو اس سے زینت ہو اور نظام خانہ داری اسکے درست
 و بازہ کی حرکت پر قائم رہے آج وہ گھر کا میدان چھوڑ کر جبکہ مردانہ لباس میں کارخانوں تجارت
 گاہوں اور ٹکٹ گھروں میں مزدوری تلاش کرنے لگی۔ سڑکوں اور تفریح گاہوں کیلئے

الہ رونق بننے لگی۔ اسکو لوں اور کابھوں میں مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہو گئی۔ تو انصاف سے بتاؤ کہ کیا وہی عورت وہی جسکو نسائیت کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ کیا ایسے نسوانی خصائص نکلا کر کہتے ہیں مردانہ خصائص یحییٰ حلال نہیں کر گئے؟ اور جب ایسا ہوا تو وہ نہ خالص عورت ہی رہی اور نہ بالکل مرد ہی بن سکی۔ بلکہ وہ ایک تیسری جنس ہو گئی جسکو خدا کی فطرۃ نے نہیں بلکہ انسان کی گمراہی نے پردہ دنیا پر لاکھڑا کیا ہے؟ چنانچہ دیکھو کہ اس تیسری قسم کی عورت کے نہ وہ جذبات ہی رہے۔ جو عورتوں کے لئے قدرۃ نے صنفی حیثیت سے رکھے تھے نہ اس کے ذرائع ہی رہے جن کے لئے اسکی تخلیق کی گئی تھی۔ اس کے محسوسات بدل گئے۔ خیالات میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔ اب نہ اس کا عورتوں کا سا چہرہ ہے۔ نہ عورتوں کا سادہ دل اور وہ اپنی قلب و قالب کو چھوڑ کر کسی دوسرے جون میں آ گئی ہے جو نہ عورت کہے نہ مرد کا، گویا فطرۃ نے مرد اور عورت کو جنس قرار دینے اور ان میں ہر اعتبار سے تفریق دیتا رہ کر کتبہ میں (معاذ اللہ) سخت غلطی کی تھی جسکی اصلاح آج یورپ کے مدبروں نے حریت مساوات کے نام سے کی۔ یہ جونوں اور قوالب و قلوب کا بدل جانا یقیناً اسی حد بندی کے توڑ دینے کا نتیجہ ہے جس کی ردک تمام ترک تشبیہ نے کی تھی اور تیلایا تھا کہ یہ اختلاط والتماس اگرچہ ملحدہ کی زبانوں سے حریت مساوات کا لقب پائے پر اسلام کے نزدیک وہ ایک لعنت اور خیریب وجود تھے ہے۔

جناب رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت تشدد آمیز لہجہ میں اس تشبیہ نسائی کا رد و ازہد فرمایا اور نہ سپر لعنت فرمائی ہے۔

خدا کی لعنت ہے اس مرد پر جو عورتوں کا سراسر پیہنہ اور اس عورت پر جو مردوں کا لباس پہنے۔ (اور ایک روایت میں ہے) وہ مرد ہم میں سے نہیں ہے جو عورتوں کی تشبیہ کرے اور نہ وہ عورت ہم میں سے ہے جو مردوں کی تشبیہ کرے۔

لعن اللہ الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل (دفعی روایت) لیس من تشبہ بالرجال من النساء ولا من تشبہ بالنساء من الرجال (ابوداؤد)

۲) ایسی وجہ ہے کہ شریعت نے معصوم ذہن لعلت کی کیونکہ ایک معصوم تصویر کشی اور ثبت گری کے وقت گویا اپنی مخلوقیت کی حدود کو توڑ کر حد حقیقت میں قدم رکھنا چاہتا ہے۔ اور دونوں حدود کو مشتبہ اور متبہ بنا دینا چاہ رہا ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

یہ تصویر کش لوگ قیامت کے دن عذاب دے جائیں گے کہا جائیگا کہ اس اپنی مخلوق (تصاویر میں جان ڈالو اور ایک روایت میں ہے) سے دیا وہ عذاب قیامت کے دن اُن لوگوں پر ہوگا جو اللہ کی صفہ

أَن أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّورِ لَيُعَذِّبُنَّ يَوْمَ
الْقِيَمَةِ يَقَالُ لَهُمَ أَجِئُوا مَا خَلَقْتُمْ رَوْنِي رَوَاتِهِم
إِن أَشَدَّ النَّاسُ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ الَّذِينَ
يُضَاهَوْنَ بِمَخْلُوقِ اللَّهِ رَحِيحِيَّتِ ۝

خلق سے تشبیہ کرتے ہیں دگو یا خالق بنسنا چاہتے ہیں۔ ۱۔

(۳) یہی وجہ ہے کہ ایک صفت رجال ہی میں یا ہم بڑھوں کا جوانوں سے تشبیہ کرنا مثلاً اپنے شیب (سفید بالوں کا اکھاڑنا)، جوانوں کے سے شوخ لباس پہنانا کی سی شوخی و آزادی برتنا اُن کی طرح ہو و عیب میں وقت گزارنا شرفاً نا پسندیدہ قرار پایا کیونکہ یہ حد شیخت کو (جس سے خاص اغراض متعلق تھیں) توڑ کر حد شباب میں قدم رکھنا ہے اور گویا خیر سے شر کی طرف آنا ہے۔ ہاں اگر جوان بڑھوں سے تشبیہ کریں تو ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بڑھنا ہے۔ پس یہ تشبیہ ایسا ہو گا جیسی ایک فاسق کسی صلح کے ساتھ تشبیہ کر کے حد فسق کو توڑ دے۔ یا کوئی کافر مسلم سے تشبیہ کر کے حد و کفر کو توڑ دے اور حد و اسلام میں آجائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ بالآخر مطلوب ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔

تمہارے نوجوانوں میں بہترین جوان وہ ہے جو بڑھوں سے مشابہت اختیار کرے اور تمہارے بڑھوں میں بدترین بڑھو وہ ہے جو جوانوں سے تشبیہ کرے۔

خَيْرُ شَبَابِكُمْ مَنْ تَشَبَّهَ بِكُمُ الْكُفَرُ وَ الشَّرُّ لَكُمْ
مَنْ تَشَبَّهَ بِشَبَابِكُمْ (کنز العمال ص ۱۲۹)۔

(۴) اور پھر یہی وجہ ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسکو بھی ناپسند کیا تھا۔ کہ غلام کسی آزاد سے تشبیہ اختیار کرے یا باندی آزاد عورتوں میں باعتبار وضع کے ایسی سلجائے کہ خرہ اور آست میں

ایتیاد و معرفت ہو سکے۔ فاروقی اعظمؓ نے دُعا کو ڈانٹا اور فرمایا۔

القی عنک الخمار یاد قارا لتنبہین بالحرمان

خلاصہ یہ ہے کہ قدرۃ نے ہر صنف ہر نوع ہر جماعت اور ہر قوم کو جدا جدا وجود بخشا ہے۔ جس طرح خدا نے کونیات میں ہر ہر ذرہ کو مخصوص حد و عطا کیں اور خاص شکل دی جس سے وہ پہچانا اور پکارا جاتا ہے۔ اسی طرح سلسلہ تشریع و تدین میں ہر ہر قوم بلکہ تمام ان مسلم طبقوں کو بھی کچھ ایتیازی حد و عطا کی ہیں جو اپنی شرعی خصوصیات سے کوئی خاص تیار رکھتے ہیں۔ تاکہ ہر طبقہ اور جماعت کے مخصوص اغراض و منافع قائم رکھے جا سکیں۔

ظاہر ہے کہ بوڑھے کا جوان سے زن و مرد کا ایک دوسرے سے اور غلام کا آزاد سے تشبیہ کرنا ایک مسلم کا مسلم سے تشبیہ کرنا ہے لیکن مشرعبیت اس تشبیہ کو بھی اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتی وہ نہیں چاہتی کہ ان اسلامی اصناف کی حدود و ٹوٹ کر اس میں ایتیاز کے بجائے کوئی التباس پیدا ہو جائے۔ جس سے معرفت و پہچان مٹ جائے اور وہ اغراض قوت ہو جائیں جو ان اصناف سے جدا جدا مطلوب تھیں۔

پس جو شریعت اپنے حلقہ مکوشل کے متفاوت طبقات میں بھی اس محض حدود تشبیہ کو پسند نہیں کرتی کیا وہی شریعت اسے پسند کرے گی۔ کہ ایک مسلم کافر سے تشبیہ کرے۔ ایک مجنب خدا و اللہ سے مشابہت پیدا کرے۔ ایک مطیع سرکش سے جائے۔ ایک حقانی حدود والا پاک حدود کو توڑے اور باطل حدود کا دروازہ کھٹکھٹائے۔ کیا کسی درجہ میں بھی یہ عمل خیر و سعادت کے لئے جہاد بن سکتا ہے؟ کیا بھلائی کا کوئی شمع جیا کا کوئی شائبہ۔ غیرت کا کوئی ادنیٰ جزو اور دینی شرم کا کوئی تھوڑا سا بھی پاس اگر فی الواقع کسی میں موجود ہے اسکی اجازت دے گا کہ ہم ایک طرف اپنی زبان سے خبیثہ آہی اور مسلم ہو نیکا دعویٰ کریں اور دوسری طرف اپنے ہی ہاتھوں اسکی حدود و خبیثہ لیکر کھڑے ہوں۔ ان کو مثالیں ان کے حکیمانہ اغراض و منافع کو باطل کریں اور ان کی جگہ غیر اسلامی حدود قائم کر دیں۔ تلاف حد و اللہ و من یتعد حد و اللہ فقد ظلم نفسه و رع

قدم بردن منہ از حد خویش سلطان باش

فصل تشبیہ کاروائی اور نقلی نقشہ

قرآن عیسیٰ مدعی اتحاد و ایالات کتاب نے بھی دجس نے سارے عالم کو ایک ہی رشتہ اخوة و مذہب میں منسلک کرنا اپنا واحد مقصد بتلایا اور وحدۃ وجود کا ساری دنیا کو سبق دیا، اس اختلاف صور اور امتیاز مذاہب و اقوام کو (جیتنگ وہ مذاہب و اقوام ہیں) قائم رکھنے کی سعی کی ہے تاکہ ہر قوم اپنی اپنی حدود میں پچانی جاسکے۔ اس نے ایک طرف تو سارے انسانوں کو لٹکا رکھا و کلا تفرقوا (اے لوگو متفرق مت ہو) اور دوسری طرف اپنا ہی نام فرقان رکھا کہ وہ حق و باطل میں تفریق کر دیتی ہے۔ ایک طرف تو اس نے ساری دنیا کو مصل و ملاپ کی تعلیم دی اور دوسری طرف اپنا ہی نام قول فصل رکھا کہ وہ حق و باطل میں جدائی پیدا کر دیتی ہے۔

چنانچہ اس فارق و فاصل کلام نے نازل ہو کر سلسلہ تشریع میں اسلام کو کفر سے امانت کو خیانت سے اور دین حق کو تمام ادیان باطلہ سے بالکل جدا اور نمایاں کر دیا۔

امتوں پر خالق و مخلوق کا فرق ملتیس ہو چکا تھا کسی نے خدا کی مخصوص صفات بندوں میں مان لی تھیں اور کسی نے بندوں کی ناقص صفات خدا میں تسلیم کر لی تھیں۔ اس فاصل کلام نے تمام مشرکانہ جال توڑ کر توحید کو شکر کے اس طرح الگ کر دیا کہ ان میں کوئی التیاس نہ رہا۔ معروف و منکر کی حدود ملگنی تھیں امتوں نے معروف کو منکر اور منکر کو معروف گمان کر لیا تھا۔ اس فرقان و فصل نے معروف کی حدود متعین کر کے اسکو منکر سے جدا کر دیا۔ معروف کا تو امر کیا، اور منکر سے نہی کی۔

طیب و خبیث کا فرق امتیں بھلا چکی تھیں۔ اسی کلام فاضل نے ان میں تفریق کر دی طیبیت کو حلال کیا اور خیانت کو حرام کیا، پھر اسی فرقان اور قول فصل نے جہاں اسلام

و کفر۔ معروف و منکر۔ طیب و خبیث۔ حلال و حرام اور حق و باطل میں تفریق کی تو اس کے ساتھ
و میں ان اقوام میں بھی دنیوی و آخروی تمیز و تفریق پیدا کر دی جو ان متضاد صفات کے اعتبار سے
خیر و شر کی دو جانہوں میں بٹ گئی تھیں۔ تاکہ سید و شقی۔ نیک و بد۔ مطیع و سرکش۔ مسلم و کافر
اور اویار و حمن و ادیب و شیطان میں باہم کوئی تلبیس و اختلاط راہ نہ پائے کہیں تو اس کتاب
مبین نے کہا۔

افعل للسلیمان کالجزمین۔ کیا ہم سلیمان کو جزمین کی طسرت کر دیں گے۔

کہیں فرمایا کہ مومن و منافق جدا ہو جائیں ہیں جن میں کوئی التباس نہیں ہو۔

ام یحل الذین آمنوا و عملوا الصالحات کالمعتدین
فی الارض ام یحل المتقین کالفاہر۔

آیا ہم ایمان اور نیکیوں لایوں کو ان کی برابر کر دیں گے
جو زمین میں فساد کر رہے ہیں۔ یا ہم متقیوں کو فاسقوں
جیسا کہیں گے۔

کہیں نیک اور بد کی تفریق بیان کی کہ ان کی سوت اور زندگی سب الگ الگ ہونی چاہئے۔

ام حسب الذین یجتروا السیئات ان
یحصلہم کالذین آمنوا و عملوا الصالحات
سواء یحیواھم و ھما کوساء ما یحکمون۔

یہ لوگ جو بڑے بڑے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ
ہم ان کو ان کی برابر کر دیں گے جنہوں نے ایمان اور
عمل صالح اختیار کیا کہ ان کے برابر ایمان اور نیکیاں جو
یہ نیک حکم رکھتے ہیں۔

کہیں فرمایا کہ نیک کردار اور بد کردار آپس میں ایسے ممتاز ہیں جیسے سونکھا اور اندھا آپس میں ایک دوسرے
کی برابر نہیں ہو سکتا۔

وما یستوی الا حق و البصیر و الذین آمنوا
و عملوا الصالحات ذلک المسمی۔ قلیل امانت کرو۔

اور مینا پینا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے
اپنے کام کئے اور بدکار باہم برابر نہیں ہوتے۔ تم لوگ بہت
کم سمجھتے ہو۔

کہیں ارشاد فرمایا کہ عید مشترک اور عید غیر مشترک جبکہ دو جدا گانہ تو عین میں تو وہ ایک کیسے ہو سکتی ہیں؟

ضرب الله مثلا لرجلا فیه شرکاء

متشاکسون ورجلا سلما الرجل

هل یستویان مثلاً

اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص جو جس
کئی ساتھی ہیں جنہیں ہم ہندھندی ہو اور ایک شخص
ہے کہ ہر ایک ہی شخص کا ہو کیا ان دونوں کی مثالیں ہیں؟

نہیں فرمایا کہ ایک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا انسان ایک باغیتا آدمی کی برابر کیسے ہو سکتا ہو؟

ضرب الله مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شیء

ومن رزقناه منارزقا حسنا فهو ینفق منه

سرا وجهرا هل یستون ؟

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک غلام
مملوک کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور ایک شخص
جسکو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دی رکھی ہے

تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہو۔ کیا اس قسم کے شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں؟

نہیں فرمایا کہ ایک اپنا بچ کسی مستقیم الحال کی برابری کیسے کر سکتا ہو۔

ضرب الله مثلا دجلین اجدھما ابکم لا یقدر

علی شیء وھو کل علی مولاہ ایضا یوجہ

لایات بخیر هل یستوی ھو ومن یا مر

بالعدل وھو علی صراط مستقیم

اور اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو شخص ہیں
جنہیں ایک تو گونگا ہو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے
مالک پر ایک دال جان ہو وہ اسکو جہاں بھیجتا ہو کوئی
کام درست کر کے نہیں لاتا کیا یہ شخص اور ایسا شخص ہم

برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو اور خود ہی معتدل طریقہ پر ہو؟

پھر اس فائل قرآن کریم میں فرمایا تو یہ کہ اے بندگان الہی جبکہ ان تکوینیات کی سطح سلسلہ تشریعیات
میں دو متضاد چیزوں (حق باطل) میں فطرۃ آہستی اور کجہستی ناممکن ہو تو اسی فطرۃ کا اقتضا یہ ہو
کہ تم اپنے اختیار سے بھی حق اور باطل کو الگ الگ ہی رکھو اور ان میں اس جہلک اختلاط (تشبیہ)
کو ختم نہ کرو۔

ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتوا الحق

وانتم تعلمون

حق کو باطل میں مت رلاؤ۔ اور جاننے بوجھتے حق کو

مت چھپاؤ۔

پس قرآن ہر جہاد دعوئی اتحاد ہونے کے ادیان دال ادیان میں تفریق امتیاز ہی کا حامی ہے۔

اس کا مطلوب اتحاد وحدہ قیسم کہ ساری ملتیں منکر اسلام میں مدغم ہو جائیں تمام ادیان جن کو اس کتاب نے منسوخ کر دیا اپنے وجود کو چھوڑ کر اسلام میں آلیں اور اس طرح اُمتیں نہ رہیں بلکہ ایک اُمت اور ادیان نہ رہیں بلکہ دین واحد ہو جائے لیکن الدین کلہا۔ وہ ایسا اتحاد نہیں چاہتی کہ برائی اپنی صورت پر قائم رہتے ہوئے نیکی کے ساتھ رہ جائے ظلمتہ اپنی رُوسیا ہی سمیت نور میں گھر سلتیں ہو جائے اور اس طرح نہ حقیقی نیکی رسم نہ بدی نہ ظلمتہ رسم نہ نور بلکہ کوئی اور تیسری چیز تیار ہو جائے۔ اگر قرآن ایسے اتحاد کو گوارہ کرتا جو التباس حق باطل سے نمایاں ہو تو وہ یقیناً اس بھی گوارہ کرتا کہ نہ قرآن رسم نہ قرآنی اُمت نہ اسلام حقیقی کی دعوت رسم نہ اُمت اسلامی کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ التباس ہی وہ تاریکی ہے کہ جس میں ہر شے کا اصلی وجود پہلے چھپتا اور پھر بٹل ہو جاتا ہے۔

پس یہ محض التباس اگر علم حقانی میں راہ پالیتا ہے تو علمی حق و باطل سے ایسا ڈاکھاتا ہے اور جبکہ عمل حق میں قدم رکھتا ہے تو عمل ثابت کی واقعی خصوصیات منکر باطل کے ساتھ اسکو رلا دیتا ہے۔ اور اس طرح ہر ایک علمی اور علمی قوم انجام کار اس علم و عمل کے اختلاط اور امتزاج تلبیس سے اپنے قومی وجود کو چھوڑ دیتی اور فنا ہو کر اسی دوسری قوم میں مدغم ہو جاتی ہے۔ جس کے علمی و عملی شعائر سے اس نے اپنے علم و عمل کو مخلوط کر لیا تھا من تشبہ بقوم فهو منهم۔

پس ہر صداقت کے شے کا پہلا قدم التباس و اختلاط اور تشبہ ہی ہے اسی سے آیتہ مزینہ بالا میں پہلے تلبیس کی منافقت کی گئی ہے اور پھر گویا اس تلبیس کا اثر بصورتِ نبی ظاہر کیا گیا ہے جو کتمان ہے کہ اس کی ساتھ ہی حق کی روشنی چھپنے لگتی اور باطل کی تاریکی ابھرتی ہے۔

پس قرآن کریم نے ایک طرف تو متعدد امثلہ سے تلبیس اور تسویہ حق و باطل کے متعلق نپی مر جتی تلاہیر فرمائی پھر امر اور حکم کے ذریعہ تلبیس کی منافقت فرمائی۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ متعدد آیات میں قطع تلبیس کا ایک علمی پروگرام بھی پیش فرمایا۔ جس میں صرف تشبہ ہی سے نہیں بلکہ بطورستہ ذرائع ہر اس حسہ کہتے سے روکا ہے جو تشبہ تکسک میختر ہو، تاکہ اسلام کا قریبی کوئی

مصور یا باطنی اشتراک کوئی مناسبتہ اور کوئی مشابہت بھی پیدا ہونے پائے۔

ترک موالاة | اس نے حکم دیا کہ کوئی مسلم کسی کافر کے ساتھ موالاة و مودۃ اور قلبی حب کا تعلق نہ رکھے کیونکہ جب قلب اقلیم تن کا سلطان ہے تو قلبی تعلقات ہی آخر کار انسان کے نیتہ و ارادہ اور افعال پر بھی چھا جائینگے۔ اور اس طرح ایک مسلم قلباً و قوالاً کفار سے ملتے ملتے ہو جائیگا۔ حالانکہ قلبی و مشابہت قرآنی مرفیات کے صراحتہ خلاف ہے۔ پس ایک جگہ تو اس نے یہود و نصاریٰ سے ترک موالاة کا حکم دیا کہ۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصارى

اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو

دوست مت بنانا۔

پھر اہل کتاب اور عام اہل کفر اور پھر ان لوگوں سے بھی یہ رشتہ موالاة منقطع کر دینے کا حکم دیا جو مسائل دین کی ساتھ تہمتوں اور استہزاء سے پیش آتے ہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا

اے ایمان والو جن لوگوں سے پہلے کتاب منجلی ہو ایسے ہیں

دینکے ہزوا و لعباً من الذین اتخذوا الکتابین

کہ انہوں نے تمہاری دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہو انکو اور

قبلكم و الکفار اولیاء۔ واتقوا اللہ ان کنتم منین

دوست کفار کو دوست مت بناؤ۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایماندار

پھر ایک جگہ فرمایا کہ کافر تو کافر ایک مسلمان تو کسی ایسے آدمی سے بھی رتی برابر محبت نہیں رکھ سکتا جو اللہ کے برخلاف ہو خواہ کفر کر کے ہو خواہ علانیہ فسق اور ابتداء کا ارتکاب کر کے۔

لا تتخذوا مؤایاً من یؤمن باللہ والیوم الآخر یؤادوا

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ

من حاد اللہ ورسولہ۔ ولو کانوا آباءہم یا بنائہم

انکو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ

اور استخوانہم و عشیرتہم و اولادہم کتب فی کتابہ

و رسول کے برخلاف ہیں گو وہ انکے باپ یا بیٹے یا بہائی

یا کھنڈے ہی کیوں نہ ہوں ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ

یا کھنڈے ہی کیوں نہ ہوں ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ

نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے توفیق دی ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ اگر کسی اسلامی دل میں موالاة کفار اور محبت منکرین کا کوئی شائبہ موجود ہے۔

تو ماننا پڑیگا کہ اسی درجہ میں اسلامی عظمت و محبت کی کمی بھی اس قلب میں جاگزیں ہے۔ ورنہ پھر اسلام و کفر کا تضاد ہی باقی نہیں رہ سکتا اسی حقیقت کو سمجھ کر ارباب حقیقت نے دعویٰ کیا ہے کہ مودہ کفار سے ایمان میں فساد آجاتا ہے۔ بلکہ سہل ابن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جس کا ایمان و توحید خالص ہے وہ کسی مبتدع سے بھی انس نہیں رکھ سکتا چہ جائیکہ کفار سے اور وہ بھی مودہ و محبت کی شکل میں؟ اور امام مالک رحمۃ اللہ نے اسی آیت سے قدرہ کی معاداة اور اسے ترک نجاست پر استدلال کیا ہے۔ اگر مسلم قلوب میں سے کفار کی جانب سے یہ شدہ و تغلیظ نکلی جائے تو ضرور ہے کہ اس کی جگہ موالاة و محبت لے لیگی اور قلبی حجت قائم کر نیکی بعد وہ دلت دور نہیں رہتا کہ مسلم فرد انجام کار اسی گروہ کفر میں چلے اور صورت و میرہ سے ان کا ہم آہنگ بن جائے۔

قرآن کریم نے اسی ترک موالاة کی آیت میں موالاة کا یہ نتیجہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ۔

<p>ومن يتولهم منهم فانه مغمضون الله لا يمدی القوم الظالمین</p>	<p>اور جو شخص تم میں سے انکی ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ انہی میں سے ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھلاؤ ان کو گو کہ جو اپنا نقصان کر رہے ہیں۔</p>
--	--

پس ترک مودہ قطع موالاة کے سلسلہ میں ایک مسلم فرد کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ان کے مذکورہ کے ماتحت اہل کفر سے اپنے قلبی تعلقات کا رشتہ کلیۃً منقطع کر دے اگرچہ وہ اسکے اقارب و اخوان ہی ہوں اور بالکل سطح منقطع کر دے جس طرح ان آیات کے ماتحت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے کافر باپ سے قلبی تعلقات منقطع کر کے رکھے تھے کہ بالآخر یر میں خود ہی ان کے قاتل بھی بنے۔ جس طرح اسی تعلیم شدہ علی الکفار کے ماتحت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر سے قطع مودہ کر کے خود ہی اُحد میں اُسے قتل کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو بدر میں قتل کیا، حضرت علی و حمزہ اور عبید بن الحارث رضی اللہ عنہم نے عقبہ و لیث بن عقبہ اور شعیبہ ابن ربیعہ کو بدر میں قتل کیا۔ جو ان حضرات کے قریبی اقارب تھے اور ایسا کر کے اسلامی غیرہ اور صلابتہ فی الدین کی کیسی زبردست مثال قائم فرمادی۔ جو ہمیشہ

اُمّت کو غیرت و حمیت کی دعوت دیتی رہیگی۔

تیسری | پھر قرآن کریم نے اس پریس نکلی بلکہ حکم دیا کہ اپنی اس ترک سوالات اور قلبی تنفر کا عام اعلان بھی کر دو تاکہ غیر مسلم تمہارے قلب و قالب میں کوئی طمع نہ رکھ سکیں، جیسا کہ اللہ نے اپنے رسول کی برکت بھی علی الاعلان پکار دی تھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوا دِیْھُمْ وَكَانُوْا شِیْعًا
لَسْتُ مِنْھُمْ فِی شَیْءٍ۔

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔

صفائی سے یہ تفریق واضح کر دی گئی کہ لست منہم (تم ان میں سے نہیں ہو) لست منہم کی حقیقت اس کی ضد انت منہم سے واضح ہو سکتی ہے۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ دو شخصیتیں واحد نہیں ہو سکتیں۔ زید اور عمر جب دو ہیں تو ایک بنیں ہو سکتے۔ اسلئے حبیب یہ کہا جائے کہ میں تجھے ہوں اور تو مجھے، تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ تو میری نوع سے ہے۔ میرے امور میں شریک ہے۔ مجھ جیسا ہے اور میں تجھ جیسا ہوں۔ تیرا شریک اور تیرا ہمنوع ہوں۔

مسلمانوں کے ذات البین اور ان کے باہمی اختلاف وارتباط کو اسی قسم کے الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ بعضکم من بعض (تمہارے بعض تمہارے بعض سے ہیں) یعنی یہ سب بعض بعض لکھ ایک ہی نوع مقصود کے دو شریک ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا۔

انت منی وانا منک
تو مجھے ہے اور میں تجھے ہوں۔

یعنی تیری اور میری ایک بات ہے۔ ہمارا معاملہ واحد ہو۔ ایک خاص حقیقت میں ہم متحد ہیں پس جب یوں فرمایا گیا کہ لست منہم، تو ان میں سے نہیں) تو یہ نفی اسی پچھلے اثبات پر وارد ہوگی یعنی تیری اور ان کی ایک بات نہیں۔ تیرا اور ان کا معاملہ ایک نہیں۔ تو اور وہ کسی نوع مقصود کے دو شریک نہیں بلکہ الگ الگ ہیں۔ اسی حقیقت کو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے رسول لست منہم فی شئ یعنی تو کسی چیز کے اعتبار سے کفار میں سے نہیں۔ انکا شریک

نہیں ان کی ساتھ متحد نہیں تو جس نوع مقصود کا ایک فرد ہے وہ اور ہے اور کفار جس نوع کے شرکار ہیں وہ اور ہے۔ اسی لئے سورہ کافرون میں اس تبری و علیحدگی کو واضح کر دیا گیا۔

قل یا ایہا الکافرون لا اعبد ما تعبدون
ولا انتم عابدون ما اعبد ولا انا عابد
ما عبدتم ولا انتم عابدون ما اعبد
لکم دینکم ولی دینہ =

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرون میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبودوں کی پرستش کرتے ہو۔ اور نہ میں تمہاری معبودوں کی پرستش کروں گا۔ اور نہ تم میرے معبودوں کی پرستش کرو گے بلکہ تمہارا بدلہ ملے گا۔ اور مجھ میرا بدلہ ملے گا۔

یہ تبری و برات ایسی ہی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی کافر قوم اور اپنے کافر باپ سے منسوخ کر لی تھی۔

واذ قال ابراہیم لابیه وقومہ انتی براء
ما تعبدون

اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اس چیز سے بیزار ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو

اور ایسی ہی ہے جیسا کہ قوم ابراہیم نے مشرکین سے یہ کہہ کر تبری کی تھی کہ۔

انا براء منکم وما تعبدون من دون اللہ
پس جبکہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ کفار سے تبری اور اجنبیت کا اعلان کر دینا ہے تو ان کے پیرو اور حلقہ گوش کیوں اسی روش کی رہروی پر مجبور کئے جائینگے۔ آخر رسول نے اپنا ہی طریقہ تو ان کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس کی پیروی کے وہ معنی بھی ہیں۔

بہر حال قلب اور لسان دونوں کے ذریعہ سے کفار کا تعلق مسلمان سے منقطع کر دیا گیا اور یہی دو چیزیں انسان میں اصل ہیں۔

لسان الفتی نصف ونصف فؤادہ	قلۃ یبقی الا صورة اللہ والذہر
ترک سبیل پھر سپر نہیں لگئی بلکہ قلب و زبان کی طرح عام افعال و جوارح میں بھی مسلمان کو غیر مسلمانوں سے الگ اور ممتاز ہی رکھا گیا ہو۔	تاکہ مسلمان نہ ان کے کسی علی پر و گرام کے پابند نہیں اور نہ کسی آواز پر ان کے

بیچھے بیچھے ہو لیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ و ہرون علیہما السلام کو فرمایا گیا تھا کہ جب تمہیں علم اور استقامت
راہ کی دولت دیدی گئی ہے۔ تو پھر تم کج راہوں اور جاہلوں کے پیچھے مت ہو لینا۔

خدا نے کریم نے حضرت موسیٰ و ہرون کو خطاب کر کے فرمایا کہ۔

فَاسْتَقِمْ وَلَا تَمُوتْ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَحْيَوْنَ | تَوَمَّ دُونَ سَبِيلِمْ، ہوا اور ان لوگوں کی راہ نہ چل جو علم نہیں
ہی وصیت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر جاتے ہوئے ہرون علیہ السلام کو کی تھی کہ تم اپنی ہی صلاح و اصلاح
پر قائم رہنا اور مفسد و فاسق پر روی مت کرنا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ لَا خِيَّةَ هَرُونَ اخْلَفَنِي فِي | اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہرون سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد
قَوْمِي وَاصِلًا وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ | ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بد نظم و لوگوں کی
راہ سے پر عمل کرنا۔

پس جبکہ نبی علیہم السلام کا طریق ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر وہ علم و صلاح اور استقامت کیساتھ قائم
ہیں تو پھر غیر مسلموں کے سبب متفرقہ جہل و فساد وغیرہ کے اتباع کی انھیں اور ان کے پیروں کو حاجت
ہی کیا ہے۔ مسلمانوں کو تو یہ زریں اصول دیدیا گیا ہی۔

إِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا | بلاشبہ یہ دین میرا راستہ ہی جو کہ مستقیم ہو سو اس راہ
السَّبِيلِ فَتَفْرَقَ بَيْنَكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ - | پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی
راہ سے جدا کر دیں گی۔

ترک معاملات | پھر شریعت الہی نے صرف اتنی ہی مجاہدت اور قطعِ اختلاط و التباس پر کفایت نہیں کی
بلکہ اس امتیاز و تفریق کو اور زیادہ یوں نمایاں فرمادیا کہ ان سے معاملات بھی منقطع کر لو۔ اگر اسلامی
سبھوت و صولت اور اس کی حکومت کا حکم ہمارا ہوا ہو۔ محاکم شرعیہ اور عدالتیں کھلی ہوئی ہوں تو
خلافت راشدہ اور حکومت دینیہ کے دستور العمل کے موافق مسلمان کفار سے استعانت و دستبرد نہ لیں گی
سیاسیات میں انکو شریک نہ کریں گے اور اکثر اک عمل سے حتی الامکان بچیں گے۔

کیونکہ یہ معاملات کی ظاہری مشہکتہ بھی آخر کار وہی موالاة و موافقت پیدا کر دیتی ہے۔ فاروقِ اعظم

رضی اللہ عنہ کی گہری سیاست نے اس پر کافی روشنی ڈال دی۔ ممالک خلافت میں اُن کا یہ فرمان
شائع کیا گیا تھا کہ۔

ان لا تکاتبوا اهل الذمۃ فنجری بینکم و بینہم
المودۃ ولا تکتوہم وادلوہم وکۃ تظلموہم۔

(اقتضاء الصلح المستقیم)

ذمیوں کیساتھ مکتوبت کا تعلق مست رکھو کہیں تم میں
اور ان میں اس بہانہ سے مودۃ نہ پیدا ہو جائے اور انکو پناہ
مست دواؤ تم انکو ذلیل رکھو مگر ان اپنی تعدی نہ کرو۔

نیز فاروق اعظم اور ابوموسیٰ اشعری کے اُس حکامہ سے اس قطع تعلقات و معاملات اور اسکی پتہانی
حکمتہ کا پورا پورا اندازہ ہو سکیگا جس کو امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں مست صحیح کی ساتہہ دست
سند پایا ہے۔

ابوموسیٰؓ قلت لعمر رضی اللہ عنہ

ان لی کتابا نصرا نیا۔

عمرؓ مالک قالک قالک اللہ اما سمعت اللہ

بقول یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود

والنصارى اولیاء بعضهم اولیاء بعض الا

اتخذت حنیفا۔

ابوموسیٰؓ یا امیر المؤمنین ان لی

کتابۃ ولہ دینہ۔

عمرؓ لا اکرہم اذا ہا فہم اللہ ولا اعزہم

اذا ذلہم اللہ ولا اذنیہم اذا اقصاہم اللہ

تعالیٰ۔ (اقتضاء الصلح المستقیم)؛

میں نے کہا عمر رضی اللہ عنہ سے میرے یہاں ایک نذرانی
کاتب ملازم ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

مجھے کیا ہوا خدا تجھے غارت کرے کیا تو نے اللہ کا حکم

نہیں سنا؟ کہ یہود و نصاریٰ کو دوست مست نہ بناؤ۔

کیوں نہ تو نے کسی مسلمان کو ملازم رکھا؟۔

میں نے کہا ای امیر المؤمنین میری لے اسکی کتابتہ ہو اور اس

کیلئے اسکا دین ہو مجھے اس کے دین سے کیا تعلق؟۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

میں انکی تکریم نہیں کروں گا جبکی اللہ نے توہین کی اور میں

انکو عزت نہ دوں گا جبکو اللہ نے ذلیل کیا۔ اور میں

انہیں مقرب نہ بناؤں گا جبکو اللہ نے دور کیا ہے۔

اس پر سفیر حکامہ سے رجوع فاروق اعظمؓ جیسے بیدار سفیر خلیفہ رسالت کی ہدایت پر متکل ہے، یہ واضح

نہ ہو جاتا ہے کہ۔

(۱) جب تک کوئی مضطرانہ ضرورت داعی نہ ہو اصل یہی ہے کہ غیر مسلمین سے استعانت اور مدد بھی ایسی کہ جس میں ان کی تکریم ہوتی ہو قرین عقل و دین نہیں۔

(۲) یہ عدد کسی طرح قابل سماعت نہیں کہ ہمیں صرف ان کی خدمات درکار ہیں نہ کہ ان کا مذہب۔ کیونکہ اس تحصیل خدمات کے ذیل میں ان کیساتھ معیت اس شدت و تغلیظ کو کم یا محکوم نہ ہو ایک مسلمان کا اسلامی شعار بتلایا گیا ہے۔ اور یہی قلمت تغلیظ بالآخر مدامت۔ چشم پوشی اور امر عن الین کا مقدمہ لیکر کتنے ہی شرعی منکرات کے نشوونما کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

(۳) فاروق اعظم اور ابو موسیٰ کے بعد کوئی شخص ان جیسا تدین نہیں لا سکتا۔ لیکن اگر بافرض لے بھی آئے تو کوئی وجہ نہیں کہ ابو موسیٰ کو کفار کی خدمات حاصل کرنے سے روک دے جائیں اور اُسے نہ روکا جائے۔ مانا کہ ایک شخص بچتہ اور اسخ الایمان بھی ہے اور اس اشتراک عمل سے اس میں کوئی تنزل بھی نہیں آ سکتا، لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایسی ذمہ دار ہستی کا اشتراک عمل عامہ مسلمین کے لئے بڑی سے بڑی استعانت اور زیادہ سے زیادہ اختلاط کا دروازہ کھول دے عوام اپنے لئے اس طرز عمل کو حجتہ شمار کریں اور اس طرح یہ اختلاط والبتاس عام ہو کر ناقابل تدارک مقاصد کا باعث بن جائے۔

(۴) جس مخلوق کی اسکے خالق نے تکریم نہ کی اور ان کے لئے عزت کا کوئی شہ گوارا کیا تھا اخلاق کے پرستاروں کی غیرت و حمیت کے خلاف ہے کہ وہ اسکے اعداد کی تکریم کریں۔ وہ جسے پھٹکار دے یہ اُسے پیار کریں۔ ورنہ یہ تو پھر اسلام کے نام سے شریعت الہی کی توہین اور خود افعال باری ہی کی صریح کذب ہو جائیگی۔ تعوذ یا اللہ منہ۔

(۵) اسلام میں سیاست محض مقصود نہیں بلکہ محض دین۔ سیاسی الجھنیں محض تحفظ دین کیلئے گوارہ کیجاتی ہیں پس اگر سیاست ہی کا کوئی شعبہ تخریب دین یا مدامت و حق پوشی کا ذریعہ بننے لگے تو بیدریغ اسکو قطع کر کے دین کی حفاظت کی جاسے گی۔ ورنہ در صورت خلاف قلمبہ موضوع

اور انقلابِ ماہیت لازم آجائیگا۔ کہ وسیلہ مقصود ہو جائے اور مقصود وسیلہ کے درجہ پر بھی نہ رہے۔
ترکِ مجاہدہ پھر اسی تحفظِ خود امتیازی اور رفعِ التباس میں شریعت نے ایک قدم اور بڑھایا کہ
 غیر مسلموں کے ساتھ مجاہدہ بھی ترک کر دی جائے اگر ان کے ساتھ نشست و برخاست اور میل جول
 عام ہو جائے تو رفتہ رفتہ اسی موالاة و مودّۃ کی تولید کا پھر قوی اندیشہ ہے جس سے مسلمانوں کے
 مخصوص قومی و مذہبی شعارِ التباس کی زد میں آجائیں اور دینِ ضائع ہو جائے کیونکہ مجاہد کفر و
 نفاق کا عام اندازِ تحقیرِ دین اور سنہرا آیات اللہ کیساتھ مسلمانوں کو ان کے دین سے بدظن بنانے
 سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسلئے قرآن نے فرمایا۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكَ فِي الْكِتَابِ اِنْ اِذَا
 "مَعَكُمْ اٰیَاتُ اللّٰهِ يَكْفُرُهَا وَيَسْتَهْزِئُهَا
 فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰی يَخْرُجُوا فِیْ سَبْعِ فِیْءٍ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھی بھیج چکا ہے کہ جب
 احکام ایسی کیساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہو اسنو تو ان
 لوگوں کے پاس مت بیٹھو۔ جنگ کہ وہ اور کوئی بات
 شروع نہ کریں۔

نیز جبکہ ایک منافق محض ظاہری میل جول اور ذہنی جمع و خراج کی بنا پر مسلم کھلایا جاسکتا ہے تو کیا
 ایک مسلم حنیف پر اس ظاہری مشارکتہ کفار یا مجاہدہ کے سبب کفر و نفاق کے احکام جاری نہیں
 ہو سکتے؟ قرآن کریم نے خود ہی فیصلہ فرمادیا کہ۔

اِنَّكُمْ اِذَا مَثَلْتُمْ { اس حالت میں تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے۔

ترکِ اہوار ان تمام مراتب کے بعد ترقی کر کے شریعت نے اس رشتہٴ اختلاط کے اس تار کو بھی
 قطع کر دیا کہ مسلمان غیر مسلموں کی اہوارِ جہالت اور خواہشاتِ ضلالت پر کان بھی دھریں یا انکے
 نفسانی جذبات کا کچھ بھی احترام کریں۔ کیونکہ اگر ان کی اہوارِ نفس میں سے تم نے کسی ایک
 خواہش پر بھی لبیک کہا تو یہی ایک پیروی تمہارے لئے تو دوسری پیرویوں کا ذریعہ اور ان
 کے لئے دوسری خواہشات پیش کرنے اور ان کو منوانے کا ایک قوی وسیلہ اور جتہٴ بنجائیگی۔
 اور نہ معلوم انجام کار ان کی اہوار پر اسلام کا کس قدر سرمایہ طوعاً و کرہاً نثار کر دینا پڑے پس

قرآن کریم نے بتلایا کہ ان جاہلوں کی پیروی کرنا حق کی پیروی سے باز رہنا ہو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ۔

ثم جعلناك على شريعة من الامم فاتبعها
ولا تتبع اهلها الذين لا يعلمون۔

کہیں نہ فرمایا

ولا تتبع اهلها هم عما جاءك من الحق۔
کہیں نہ فرمایا۔

وان احكم بينهم بما انزل الله ولا تتبع
اهواءهم واحذرهم ان يفتنوك عن
بعض ما انزل الله اليك۔

کہیں ڈرا کر فرمایا۔

ولئن اتبعت اهلها هم بعد ما جاءك
من العلم لال من الله من دلي ولا داق۔

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ
اسی طریقہ پر چلے جائے اور ان جہلوں کی خواہشوں پر نہ چلے۔

اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہو اس سے دور ہو کر انکی خواہشوں
پر عمل درآمد نہ کیجئے۔

اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں نہ
بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور انکی خواہشات
پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی انکی اہانت کا احتیاط رکھئے
کہ وہ آپ کو خدا کے پیچھے ہو کر کسی حکم سے بھلا دیں۔

اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کا اتباع کرنے لگیں تو
کہ آپ کے پاس علم پہنچ چکا ہو تو اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی
آپ کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچاؤ والا۔

بہر حال ان آیات میں اہل کفار کی پیروی کو اس بلاغت کے ساتھ روکا گیا کہ ساتھ ہی کہیں علم
کیسے۔ حق کہیں۔ شریعت کہیں۔ ما انزل اللہ کے کلمات سے اس طرف رہنمائی بھی فرمادی کہ
اتباع کے لئے یہ چیزیں کافی ہیں۔ پھر کیا ان کے بعد بھی کسی چیز اور وہ بھی اہل کفار کی پیروی
کی حاجت رہ جاتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کی خواہشات کا اتباع کر کے تو تم علم کے بجائے
جہالت۔ حق کے بجائے باطل۔ شریعت کے بجائے شل متفرقہ۔ اور ما انزل اللہ کے بجائے
الغاشیطانی کے دلدل میں پھنس جاؤ گے۔ استبدلون الذی ہوا فی بالذی ہو خیر۔

املاں بعض دعداۃ | قلب و قاب کے تمام رشتے منقطع کر دینے کے بعد اب شریعت ایک

قدم اٹھایا۔ کہ اجراء الہی (مسلمین) ان اعداء اللہ سے اگر کوئی تعلق رکھیں تو وہ عداوت اور بغض الہی کا تعلق ہونا چاہئے نہ کہ حب اور انس کا کیونکہ وہ خدا کے دشمن ہیں اور مسلمانوں کو وہ سب کے سب ان کا قاتل اعظم (شیطان) اپنی انتہائی عداوت کے سبب جہنم کی طرف دھکیل دینا چاہتے ہیں۔

ان الشیطان لکم عداۃ فانتہو عداۃ

انما یدعو احزابہ لیکونوا من اصحاب السعیر

یہ شیطان بیشک تمہارا دشمن ہی سو تم اسکو دشمن سمجھو۔

تو اپنی گردہ کو محض اسلئے بلاتا ہو تاکہ وہ لوگ دوزخ میں جاویں۔

نیز جبکہ یہ عداوت کسی نفسانی داعیہ سے نہیں بلکہ محض اسلئے قائم ہوئی کہ انھوں نے حق کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو اسکی بنا محض صداقت پر ہوئی اسلئے سب دھڑک اس عداوت کا اعلان بھی کر دو تاکہ اعداء اللہ تم کو اپنی طرف کھینچنے اور ملا لینے سے مایوس ہو جائیں جیسا کہ قوم ابراہیم نے اعلان کیا تھا اور صاف طور پر پکار دیا تھا کہ۔

کفرنا لکم و بدابینا و بینکم العداۃ

ہم تمہاری منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کیلئے عداوت

والبغضاء ابداحی تو متوا باللہ وحدہ

اور بغض ظاہر ہو گیا جتنک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

پھر فرمایا کہ اعلان عداوت کے بعد خاموش نہ بیٹھ جاؤ بلکہ حسب استطاعت سامان جنگ کی تیاری بھی جاری رکھو۔ تاکہ یہ عداوت اسوقت تک مستحکم رہے جب تک وہ کفر سے تائب نہ جائیں۔

واعداہم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترہبون بہم و اللہ و عدوہ

اور ان کا فرد کیلئے چھوڑ دے ہو کے ہتیار سے اور بیٹھ

رباط لکھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اسے ذریعہ سے

تم رعب بنائے رکھو، نیز جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے

دشمن ہیں۔ اور انکے علاوہ دوسرے نیز بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کیساتھ مسلمانوں کی آمادگی عداوت پھر اعلان عداوت پھر اعتبار عداوت کے سبب ان کا خطاب ہی بارگاہ الہی سے اشداء علی الکفار نازل ہو گیا۔ اور وہ خدا کی فوج کے سپاہی بن گئے جنکو خدا نے اپنے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے چن لیا۔ پس مسلم و کافر دو فوجیں ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا اور جنگ آزمائشی ہیں ہمیشہ ایک

۴۔ مدد جنود ملائکہ اور ایک کی جنود شیاطین سے ہوتی رہی۔ پھر ہمیشہ پہلے کے حق میں نتیجتاً فوز و فلاح کے دروازے کھولے گئے اور دوسرے کے لئے انجام کار ذلت و پھٹکار کی رسوائی مستعین رہی ہے۔

ترک نشہ پس ایسی دو متبائن و متضاد نوعوں اور ایسی دو مخارب قوموں میں یکجہتی یا اتحاد و مشابہت آخر کس راہ سے آسکتی ہے۔ ۱۔ اور کیسے ہو سکتا ہے کہ شریعت الہی اُدھر تو قلبِ مسلم سے موالاة تک نکال دے۔ اُن سے تبری اور عداوۃ کے اعلان تک کا حکم دیے۔ معاملات اور چالے تک ترک کر دے۔ حتیٰ کہ دوسرے ان کی کسی ہوائے نفس پر کان دھرنے کے بھی اجازت نہ دے اور ادھر اسکی اجازت دیدے کہ ہم سراسر کفار کے مشابہ بن جائیں، صورت و سیرۃ میں اُن کی شبیہ ہو جائیں اور اُن کی اور ہماری ظاہری ہیئت، اُن کا اور ہمارا لباس، اوصاف و اطوار، اور عام معاشرت کیساں ملتی جلتی ہو جائے؟ تا مکن اور محال ہے حتیٰ یلجہ الجحش فی سیم الجناط نہیں بلکہ ان دونوں نوعوں کا باہم برسرِ عداوۃ اور جنگ آزما ہوتا ہی خود اس کا تقاضا ہے کہ صرف باطن ہی نہیں بلکہ انکی ظاہری ہیئتوں اور ان کے اوصاف لباس وغیرہ میں بھی کافی امتیاز اور تفاوت ہونا چاہئے۔ کیونکہ میدانِ مصاف میں جبکہ دو دشمنوں کی فوجیں باہم گھٹنیں اور بے پناہ تلواریں نکر کر شور و محشر بپا کر رہی ہوں تو اس شور و غضب اور تداخلِ افواج کی محشر خیزی میں صرف ظاہری ہیئت و لباس اور پلٹنوں کی جنگی وردی ہی اپنے اور پر اسے میں امتیاز پیدا کرتی ہے جس سے محبت و عداوۃ کا صحیح معیار قائم رہتا ہو ورنہ اگر اس ہنگامہ آدانی میں کوئی سپاہی دشمن کی وردی پہنکر اپنی فوج میں آئے اور ہزار زبان سے چلا کر بھی اعلان کرے کہ وہ دشمن کی فوج میں سے نہیں ہیں پھر بھی اُس پر بھی حکم لگایا جائیگا کہ وہ انہی میں سے ہے کہ من تشبہ بقوم فهو منهم اور اس لئے جو رویہ دشمن کے سپاہیوں سے برتا جا رہا تھا وہی اس کے ساتھ بھی عمل میں لایا جائیگا۔ لیکن اسی حالت میں اگر دشمن کی فوج کا ایک سپاہی اپنے حریف کی فوجی وردی پہنکر ان میں آئے تو وہی یہ پناہ تلواریں اسکے سر پر

سایہ رحمت ہو جاتی ہیں۔ اور اس وقت تک اس کو ضرور نجات مل جاتی ہے۔ جب تک کہ اس کا نفاق آشکارا نہ ہو جائے۔

پس یہ دو قوتیں (مسلم و کافر یا حزب اللہ اور حزب الشیطان) جبکہ مذہبی میدان میں برسرِ پیکار ہوں اور ازل سے ہمتی آ رہی ہوں تو کیوں ایسا نہو تا چاہے کہ انکی فوجی وردی انکی اسلحہ جنگ اور انکی تیزازی نشانات وغیرہ بھی ایک دوسرے سے ممتاز اور سترتا سر نمایاں رہیں تاکہ دنیا کے اس بین الاقوامی اثر دہام میں دوست اور دشمن کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا جائے۔ اور کیوں ایسا نہو کہ ایک سپاہی اپنی وردی تبدیل کر دینے پر اسی فوج کا آدمی سمجھا جائے جسکی وردی اُس نے اوپر چُست کر لی ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے حزب اللہ کی وردی تو لباس التقویٰ تجویز فرمائی اور حزب الشیطان کی لباس الجحوم والحدوث کیونکہ پہلے لشکر حزب اللہ کی ساری زور آزمائی نہ ملک گیری کے لئے ہے نہ جوع الارض اور ہوس زر کے لئے بلکہ اعلا کلمۃ اللہ کیلئے اسلئے یہ لشکر مخلوقات اور اس کے فائشی جاہ و جلال سے مرعوب ہونے کے بجائے صرف خدا سے ڈرتا اور تقویٰ کی راہ چلتا ہے۔ باطناً اُس کے عزائم و افکار اور ظاہراً اُس کے متقیانہ افعال و لباس وغیرہ سے تقویٰ و تدبیر ہی کی روشنی چھنے لگتی ہے گویا تقویٰ اس کے قلب و قالب پر لباس کھطیب چھا جاتا ہے۔

ولباس التقویٰ خیر ذلک من	اور تقویٰ کا لباس یہ اُس (عام لباس) ہی بڑھکر ہے
آیات اللہ لعلمهم یدّ سکون۔	اور یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ شاید یہ لوگ بیدار ہوں۔

اور دوسرے لشکر کی تمام سرجید و جہد و جہم لوجہ اللہ ہونے کے بجائے جبکہ محض جوع الارض اور خطو ظا دنیا کی تحصیل کے لئے ہوتی ہے اسلئے وہ ایک خدا سے ڈرنے کے بجائے ماسوی کے ایک ایک ذرہ کے کانپنا اور لرزتا ہے بحسبون کلّ صیحة علیہم اور اسی لئے قلعوں اور دیواروں کی آٹھ لیکر اپنی بودے اسلحہ کی نمائش کرتا ہے کہ لا یقاتلونک جمیعاً الا فی قرئ محصنة او من وراء جدر یا سہم بیفہم

۱۲۔ یہ لوگ سب ملکر بھی تیرے زلوں کے مگر محفوظا بستینوں یا دیواروں کی آڑ میں

پس جوع الارض اسے جنگ پر ابھارتی ہے مگر خوف مخلوق آخر کار پھر ناکامی کے غابین ٹھکس دیتا ہے گویا جوع اور خوف نے لباس کی طرح اسکے ظاہر و باطن کا احاطہ کر لیا ہے۔ اسی لئے اسکے تمام اعمال و افعال اور لباس وغیرہ پر اسی جوع و حرص اور طمع و خوف کا اثر نمایاں رہتا ہے۔

پس قرآن کریم نے ان دونوں فریقوں کی ظاہری حماقت و مشابہت تک قطع کر دینے کا حکم صادر فرمادیا تاکہ مطیع و نافرمان اور صادق و کاذب الگ الگ نمایاں ہو جائیں۔ اور مسلمانوں کو علم و عمل کے کسی شعبے میں کفار کے لئے کوئی حجتہ اور طمع باقی نہ رہ سکے۔ فرمایا۔

کیا ایمان والوں کے لئے اب بات کا وقت نہیں آیا کہ انکے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اسکے سامنے جھک جاویں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ بن جائیں جنکو انکے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ دراز گذر گیا پھر انکی دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی انہیں کافروں میں

الذین آمنوا ان تخشع قلوبهم
لن کر اللہ و ما نزل من الحق دلا یکنوا
کالذین اوتوا کتاب من قبل فطال
علیہم الامم ففست قلوبهم و کثیر
منہم فاسقون۔

پھر دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تکنوا کالذین
آذنا موسیٰ۔

ایک جگہ فرمایا۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تکنوا کالذین
کفروا۔

اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت بنو جہنوی
نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دی تھی۔

اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت بنو
جو منکر ہو گئے۔

پہلی آیت میں عام اہل کتاب و دوسری میں یہود اور عیسوی میں بالعموم تمام کفار کے تشبیہ ہو جانے ان کی عام موزونیت اور ان کے اتباع سے روکا گیا۔ اس انقطاع مثلیتہ سے اسی تشبیہ و مثالیتہ کا انقطاع مقصود ہے۔ ورنہ مطلقاً کفر سے روکا جانا ان الفاظ میں بھی ممکن تھا کہ کفر نکر و یا کافر نہ بنو۔ لیکن کافر ہو جانا اور چیز ہے اور کافروں کی مشابہت پیدا کرنا

ان کی سی شکل و صورت بنانا اور ہے۔ ایک کھلے ہوئے غیر مسلم سے جس کی ہر روش اسلام سے الگ ہے۔ اسلام اور اس کی مخصوص اوضاع و اطوار کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ اس مسلم سے جو کافر نما بکر اسلام کا مدعی ہو۔ کیونکہ یہی صورت میں اسلام و کفر الگ الگ نمایاں رہتی ہیں اور اس دوسری صورت میں عملاً و قولاً اسلام و کفر میں الٹاس کا دخل آجاتا ہے جس سے کسی کا وجود بھی نمایاں نہیں رہ سکتا بلکہ دونوں معدوم سے نظر آنے لگتے ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ الٹاس کا نتیجہ عدم اور فنا محض ہے۔ وجہ و بقا اگر ہے تو صرف امتیاز ہی میں ہے۔ پس آیات مندرجہ بالا میں اسی الٹاس اسلام و کفر اور اسی مشابہت مسلم و کفر کو مٹا کر ان میں باہم تفریق و امتیاز پیدا کیا گیا ہے۔ تاکہ اسلام و کفر اور نور و ظلمت مخلوط نہ ہونے پائیں۔ اور ہر ایک اپنی اپنی حقیقت کو الگ الگ نمایاں کرتا رہے۔

فصل

قرآنی آیات کے بعد اب قرآن کی حقیقی اور اولین تفسیر یعنی ذخیرہ احادیث میں منع تشبیہ کی حیثیت انس کی اہمیت اور اس کی شدید ترین ضرورت دیکھئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ اوداع کے معرکہ الآرا خطبے میں صحابہ کے ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے منع تشبیہ کی بات کیسا ہتم باشان ارشاد فرمایا۔

الا کل شیء من اهل الجاہلیۃ تحت قدحی | فردار ہو جاؤ کہ جاہلیہ کی ہر چیز میرے قدحوں
موضوع : | کے نیچے منسل دی گئی۔

جاہلیہ کی تفصیل ہم نے ایک مستقل فصل میں کی ہے، جس میں ثابت کیا ہے کہ جاہلیہ درحقیقت اسلام کے سوا تمام مذاہب کا عنوان ہو گیا ہے۔ جس کا حامل یہ ہو گا کہ اسلام کے آورد احکام کے سوا ہر وہ دستور العمل جو رائج تھا دیا ہو میرے قدحوں کے نیچے منسل دیا گیا۔ اور اس کا کوئی وجود و اختیار نہیں رہا اب کسی کو حق نہیں کہ اسلامی دستور العمل چھوڑ کر اُسے اختیار کرے، اور خیر کا نتیجہ رہے۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا۔

ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ فالحمد فی الحکم | سب سے زیادہ بغض خدا کے نزدیک تین قسم کے لوگ ہیں
وہبتۃ فی الاسلام سندنۃ جاہلیۃ و مطل | وہ جو حرم میں زندہ تہاد الحاد کا کام کرے۔ دوسرے وہ
دم امرۃ بغیر حق | جو اسلام میں جاہلیہ کے طریقے تلاش کرے۔ اور تیسرے
وہ جو کسی شخص کا خون ناحق بہائے۔

یہ جاہلیہ کے طریقوں کا اسلام میں ڈھونڈنا اور اسلامی طرق چھوڑ کر ان پر عمل پیرا ہونا ہی تشبیہ بالا غیر رسم ہے۔ پھر ایک جگہ نہایت صریح الفاظ میں بصورت ضابطہ و کلیہ ارشاد فرمایا۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم من تشبہ بقوم فهو منهم

(رداۃ اہود اؤد)

علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے کسی قوم کے ساتھ (صورۃ) بھی مشابہت اختیار کی وہ (انجام کار) اسی قوم میں سے (حقیقت بھی) ہو جائیگا۔

یہ حدیث ہر اعتبار سے تشبہ کا ایک عام و تمام قانون ہے۔ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ظاہری تشبہ جس قوم کو کیا تبھی کہا جائے ابرار و انبیاء کیساتھ کیا جائے یا اشرار و فجار کے ساتھ خیر میں یا شر میں، معاشرۃ میں ہو یا تہذیب و تمدن میں۔ انجام یہ ہے کہ متشبہ اپنا وجود چھو کر اسی قوم کے وجود میں مدغم ہو جائے جس کی اس نے تشبہ کیا تھا۔

پس حدیث مذکور نے روشن کر دیا کہ تشبہ بغیر جس طرح حتیٰ اور کوئی طور پر محو و فنا کا ذریعہ ہے۔ ٹھیک اس طرح شرعی طور پر بھی وہ فنا و مٹانے کا ایک موثر طریقہ ہے۔ اور یہ بات کافی طور پر واضح ہو گئی کہ ہر پیسہ خواہ کوئی ہو یا شرعی اپنی ہستی یا خودی باقی رکھنے کے لئے ترک تشبہ کے اصول کی محتاج ہے۔

ورنہ در صورت تشبہ اسکی وہی ہستی باقی نہیں رہ سکتی جو اب تک تھی بلکہ متشبہ کی ہستی میں صورۃ سیرۃ۔ اور حکم مدغم ہو جائیگی۔ چنانچہ فقہاء ائمہ اسی حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی جن سانپ کی صورت میں آجائے تو اسکے قتل کر دینے میں کوئی باک نہ کرنا چاہئے مگر قتل دون ذبیہ فہمہ ہد ر کیونکہ سانپ اور بچھو کو شریعت نے حرم میں بھی پناہ نہیں دی اور جبکہ ایک جن نے اس غیر معصوم اللہ م مخلوق سے تشبہ کیا تو وہ انھیں میں سے ہو گیا۔ پس اس پر سانپ بچھو ہی کے احکام جاری کر دئے جائیں گے۔

اسی حدیث کو سامنے رکھ کر صحابہ و تابعین اور تمام سلف نے ہر قسم کی متشبہانہ تبدیلی سیرۃ اور تبدیلی معاشرۃ کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور اس حدیث سے استدلال کرتے رہے حضرت حذیفہ ابن الیمان کو ایک دہیہ میں بنا دیا گیا۔ آپ نے جاکر دیکھا کہ اس تقریب

میں جو شخص اپنی ہلیت کے سوا کسی دوسری ہلیت میں قتل کر دیا گیا تو اسکا خون منقطع ہو جس کا قصاص نہیں آتا۔

میں کچھ عجیبی رسمیں ادا کی گئیں ہیں تو واپس ہو گئے اور فرمایا کہ من تشبہ بقوم فهو منهم
(اقتضاء الصراط المستقیم)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ گڈی کے بال منڈانے کیسے ہیں۔ فرمایا کہ یہ تو جو یوں
کاٹل ہے ومن تشبہ بقوم فهو منهم (اقتضاء)۔

اسی حدیث کے ماتحت حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قلہا تشبہ رجل بقوم الا
منہم رہبت کم دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی ہو اور آخر کار اسی قوم
میں سے نہ ہو گیا ہو۔

اسی حدیث کے ماتحت خطاب ابن معلی خزومی نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کی تھی کہ جو
ابن جان صاحب صحیح نے اپنی کتاب روضۃ العطار میں نقل کیا ہے کہ تشبہ باهل العقل تکن
منہم وتصنم الشرف تداک داناؤں کی مشابہت اختیار کر تو تو انہی میں سے ہو جائیگا اور
بنادست سے بھی اگر شرف کی طر جھکیگا تو تو شرف حاصل کرے گا۔

الان تشبہ بالکفرام صلاح

فشیہوا ازلہ تکوٹو مثلفہم

پس شرعی نقطہ نگاہ سے یہ حدیث کم از کم تشبیہ مطلق کی حرمت کے لئے ایک زبردست استدلال
ہے۔ بلکہ اگر اس کے ظاہر پر جمود کیا جائے تو وہ تشبیہ الکفر کی حرکات کو کفر اور تشبیہ کو کفر بعبیتہ
اسی طرح ثابت کرتی ہے جس طرح کہ آیت کریمہ ومن یتولہم منکم فانه منہم ایک موالاۃ کفہ
کو کفر میں شامل کر رہی ہے۔ گو کفر دون کفر کے قاعدہ سے اس کفر میں تشبیہ بعبیتہ ورجا
پیہا ہو جائیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی مشبیہ نہیں کہ مطلق تشبیہ الکفار ایک مسلم کو کفر کی سرحد پر
مہیا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ کیونکہ جب اسلامی حدود تشبیہ کے حربوں سے توڑ دی جائیں گی رفخواہ وہ
معاشرتی ہوں یا تمدنی۔ تعمیدی ہوں یا محض اخلاقی، تو یقیناً انہی شکستہ حدود کے راستوں سے
ان کی اشداد (کفریہ حدود) قائم ہوتی جائیں گی۔ اور اس طرح اس تشبیہ کا اسلامی قصر
چند دن میں منہدم ہو جائیگا۔ (البیاض ہائے)

فصل

تشبہ اور قرون سلف

قرآن و سنت کی ان کھلی کھلی تصریحات کے بعد اب ہم چاہتے ہیں کہ امت کے ہرگز یہ قرون کا وہ طرز عمل پیش کریں جو مسئلہ تشبہ پر پوری روشنی ڈال رہا ہے۔ تاکہ اس ستم علی نقشب سے مسطورہ تصریحات اور بھی زیادہ منکشف اور مشہد ہو جائیں۔ ان قرون میں سر کے زیادہ مقدس دور صحابہ کبار اور صحابہ کے اس باخیر دور میں سیاست فاروقی کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منہ تشبہ میں نہایت قوت سے کام لیا اور اس اصول کے ذریعہ اسلامی خصائص کی پوری حفاظت فرمائی۔ انہوں نے نہ صرف کلیات اور اصول ہی کا تحفظ کیا۔ بلکہ جزئیات کے تحفظ میں بے حد کوشش کی۔ کیونکہ جزئی تفصیل ہی سے انجام کار اصولی تفصیل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ حدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں ایاکم و حققتا امت الدنوب دھوئے چھوئے گناہوں سے بہت بچ، کیونکہ صفائے کھیتہ پہنچنے ہی سے کیا برہر جرات و جسارت ہو جاتی ہے۔ پس فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے معمولی معمولی چیزوں میں بھی تشبہ بالا غیار سے بچانے کے احکام نہایت قوت سے صادر فرمائے۔ ہم ان کے ایک طویل فرمان کے جو آذربائجان کی عرب رعایا کے نام پیش کیا ہے۔ چند جگہ پیش کرتے ہیں جن میں جو جمعی خصائص کے اقرار پر کس شدہ کے ساتھ عربوں کو ابھارا گیا ہے اور انکی تو می روایات کو یاد دلایا گیا ہے۔

بعد الحرجہ و بصلوۃ۔ اے گلو ازار اور چادر استعمال کر چیں

پہنہ۔ خفافہ ترک کرو۔ پاجاموں کے پابند مت بنو

متابعین فائز دھادادند و اتعلوا و ارموا

بالتخفاف و القوا السراويل و الجلبان

ابیکم اسمعیل وایاکم والتنعوذ ذی الحکم
وعلیکم بالشمس فانھا احکما العرب وتمعنوا
داخوشنوا واخلوا لقا واطعوا الکرکب داروا
اکلا غراض وانزوا۔ (کنز العمال)۔

اپنے جد علیؑ سے ملنے کے لئے ہمارے ہاں اپنے لئے ضروری
ہو۔ اور خبردار تنعم اور عجب کی سیرت دشوار ہے اختیار کرنا
جام کی ضرورت ہو تو و حوب کو کافی بخوبی عرب کا جام ہے
فلاذ شونی اختیار نہ کرو۔ کمر دکھانا پسند۔ پھٹے پرانے سے پرہیز کرو۔

بہان میں۔ معاشرہ میں اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسی پچھلی روش پر نچتے رہنے کی ہدایت دینے
سے غرض وہی قومی اتیان قائم کرنا اور تشبہ و التباس کا مٹانا ہی۔ یہ کلمات بتلاتے ہیں کہ جزئی
حد بندی صحیح نہیں کہتے۔ ہر تمام سے رائج تھی جو آج تنگ نظری پر محمول کیجا رہی ہے اس ذہنیہ
کے انقلاب کا کیا ٹھکانا ہے کہ آج یہ تحفظ حاصل و دو قومی رواداریوں کے خلاف ایک تنگ نظری
سمجھی گئی ہے اور کل تک یہی چیز اسلام اور اسلامیہ کے نشوونما کی اصل ضمانت دار تھی۔ تاریخ
کے صفحات اٹھا کر دیکھ لو کہ ان جسمانیات کے ذریعہ جس قدر بھی قوت سے یہ قدامت پسند مسلک۔

تحدید مشرب اور تقيہ خیالات و افکار پر غالب رہے اس قدر سطوت و جلال کی روشنی ان کے
اس تنگ مطلع سے ابھرتی رہی۔ اور ماضی کو چھوڑ کر اب حال کو بھی دیکھ لو کہ آج اس اصطلاحی تادیبی
روشن خیالی۔ فراخ دلی اور وسیع المشرب کا دائرہ ہر وسیع ہو جا رہا ہے اس قدر قومی عہدہ
اسلامی شوکت اور مسلمانوں کے حقیقی رعب و وقار کا دائرہ سمٹتا ہی آ رہا ہے۔

اگر یہ زمانہ حال کی رواداری اور فراخ دلی ہی کچھ شوکتوں اور ترقیوں کی پردہ دار ہوتی
تو پھر آج کے دہ درہ مسلمان ان رواداریوں کے بل بوتے پر اس کے کہیں زیادہ شوکت و عظمت
دینا پر قائم کر لیتے جتنی کہ (معاذ اللہ) چودہ صدی پیشتر کے ان تنگ نظروں نے دنیا کو دکھلائی
تھی نہ کہ ہر روز ابھرنے کے بجائے یوں ناپست ہوتے چلے جاتے۔

پس اس ماضی و حال کو ضرب دینے سے حاصل ضرب یہ ہی نکلتا ہے کہ دنیا کی کوئی
قوم بھی اپنے قومی و مذہبی وجود کو اس وقت تک قائم نہیں رکھ سکتی جب تک کہ اس اصول بقا
و تحفظ (منع تشبہ) پر کار بند نہ ہو۔ ہاں مگر یہ کہتا بھی ہرگز مبالغہ نہیں کہ یہ اصول انتہائی حکمت

ساری اسے رویش و آبادی کو شہر بنانا اور کوہ و صحرا کو چھوڑنا اور جنگ و درجہ جاری رکھنا۔

کیساتہ اسلام ہی نے قائم کیا اور وہی اپنی حقیقی راست بازی کی بدولت اس کا حقدار بھی ہے کہ تمام حدود کو متاثر صرف اپنی ہی حدود قائم رکھنے کا عزم باندھے ورنہ اگر کوئی باطل اور تنگ مذہب لغویت آمیز چھوت چھات کے ذریعہ اسلام کے ہوتے ہوئے بھی اسکی نقل اتارنے لگے تو اس کا پول زیادہ دیر تک ڈھکا نہیں رہ سکتا۔

خلافت فاروقی میں جبکہ غمی ممالک کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور عربوں میں غمیوں کا اختلاط بڑھنے لگا تو بہت زیادہ اس تحفظ حدود کا اہتمام کیا گیا۔ کیونکہ بہت سے عربوں کا اپنی خالص اور سادہ عربیت کو چھوڑ کر غمیوں کی نظر فریب معاشرہ کا شرکار ہو جانا پھر اپنی حقیقی مذہب کو اس التباس کی بدولت کھو بیٹھنا بعید نہ تھا۔

پس جہاں فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ نے روز بروز فتوحات کو ترقی دی وہیں توحہ کیسے اپنی عسقی سیاست سے ادھر تو اسلامی خصوصیات اور مذہبی امتیازات باقی رکھنے اور غمیوں کے مشابہ نہو جانے کی مسلمانوں کو تاکید کی جیسا کہ پہلے فرمان سے واضح ہو چکا ہے اور اُدھر ان غیر مسلم غمیوں کو بھی اپنے فرمان سے چونکا دیا کہ وہ بھی بحالت کفر مسلمانوں کی ذی وہیتہ اختیار کریں تاکہ ہر قوم اپنی اپنی خصوصیات میں نمایاں رہے اور اس طرح اس مہلک التباس کا سد باب ہوتا رہے۔

مندرجہ ذیل فرمان فاروقی میں جو تمام قلم و خلافت میں مشہور کیا گیا اور علما نافذ ہوا دوزیوں سے بطور شرائط یہ عہد لیا گیا تھا کہ۔

اَنْ تُوَقِّرَ الْمُسْلِمِيْنَ وَتَقُوْمَ لِهَمِّ مَن
بِالْمَسْنَانِ اِلَادَةِ الْجُلُوسِ وَلَا تَنْتَبِهَ
بِهَمِّ شَيْءٍ مِّنْ مَّلَايِسِهِمْ قُلْنَسُوَّةِ اَدْعَاةِ
اَدْعَالِيَةٍ اَوْ فَرْقِ شَعْرٍ وَلَا تَنْكَلِمَ بَكَلَامِهِمْ
وَلَا تَكُنْ بِكَلَامِهِمْ وَلَا تَرْكَبِ السَّرُوحَ
وَلَا تَقْلُدَ السَّيُوفَ وَلَا تَتَّخِذْ شَيْئًا

ہم مسلمانوں کی توقیر کریں گے۔ ہم اپنی مجلسوں کے گھر سے
ہو جائینگے اگر وہ بیٹھے کا ارادہ کریں گے۔ ہم انکی ساتھ
کسی بات میں مشابہت و تشبہ لباس میں نہ کریں گے۔ ٹوپی ہو
یا عمامہ۔ جوتے ہوں یا سر کی مانگ۔ ہم انکا سا کلام
نہ کریں گے۔ ہم انکی سی کینیتیں نہ رکھیں گے۔ ہم زمین پر
گھوڑے کی سواری نہ کریں گے۔ سوار نہ لگاؤں گے۔

من السلام ولا حمله ولا نقش خواتمنا
بالعریة ولا یتبع الخور وان نجر متقدم
رؤسنا وان نلزم زینا حیثما کنا وان
نشد الزنا نیر علی اوسا لھنا وان لا نظھر
الصلیب علی کنا نسناد لا نظھر صلیباً
ولا کتبا فی شئ من طرق المسلمین ولا
اسواقھم ولا تضرب بنوا قیسنا فی کنا
نسناد الا ضرباً خفیفاً ولا نرفع اصواتنا
مع موتانا ولا نظھر النیران معھم فی
شئ من طرق المسلمین (دلی روایت حربہ باطل)
ولا نرفع اصواتنا فی الصلوۃ ولا القراءۃ
فی کنا نسناد فیما یحضر المسلمون ولا
نخرج باعوثا ولا شعا نینا وان لا نجاوھ
بالجنائز۔ لا انتقاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ۔

کوئی ہتیار نہ رکھینگے۔ ہم اپنی مہر دل کے نقش عربی میں
کنہ نہ کرانینگے۔ شراب کا یہ پاد نہ کریں گے۔ ہم طرہ دسکر
اگلے حصہ کے وہ بال ہیں جو بطور فخر دتیزین کے رکھے جاتے ہیں
کٹا دیں گے۔ جیسا کہ آج بھی انگریزی بال کے نام سے یہ طرہ
مشہور ہو۔ ہم جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی وضع پر رہیں گے
ہم اپنے کمر پر نہ زنا باندھیں گے۔ مگر جو پتھر صلیب کو بلند
نہ کریں گے۔ مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں میں بنی
کتابوں اور صلیب کو ظاہر نہ کریں گے۔ ہم اپنے گرجوں میں
ناقوس نہایت ہلکی آواز سے بجائیں گے۔ ہم اپنے مردوں کا
ساتھ آوازیں نہ اٹھائیں گے۔ مسلمانوں کی سڑکوں میں
ہم اپنے مڑوں کیساتھ آگ نہ بجائیں گے۔ یہ جو جس کے
متعلق ہے کیونکہ وہ آگ کے پجاری ہیں (پھر حرب کی
روایت میں ہے بروایت خلال) کہ ہم اپنی نمازیں بلند
آواز سے نہ پڑھیں گے۔ اگر مسلمان کہیں قریب ہوں تو

گرجوں میں قرات بھی نہ پڑھیں گے۔ اور نہ ہم دعا استسقا کیلئے، ہجوم بچائیں گے۔ اور نہ ہم اتوار کی عید اور
اُس کا جشن منائیں گے۔ ہم مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن بھی نہ کریں گے۔

اس فرمان فاروقی سے جو اصول ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ دو قوموں میں باعتبار مذہب
و بجا شرف کھلا امتیاز ہونا چاہیے تاکہ ہر قوم کے حق و باطل کو اسکو اصلی صورت میں پرکھا جاسکے اور
ہر دو کے اصول و فصول دائرہ التباس و اختلاط میں مذمم نہ رہیں۔ جیسا کہ مذہبیات کے دائرہ
میں عبادات اور شعائر مذہب جیسے صلیب کا بلند کرنا، عیسائی نماز و دعا، استسقا، ہجوم کا آگ
دکانا وغیرہ ان سب میں امتیاز و تفریق پیدا کر دی گئی۔ اور ادھر معاشرہ کے سلسلہ میں تباس

نام رکھتے۔ سواری۔ سر کے بال۔ کلام و تکلم وغیرہ میں۔ تفریق و تمیز دیدی گئی۔ پھر اس طرح فاروقی
الظلم یعنی اللہ عنہ نے عام بلاد اسلامیہ میں ایک فرمان کے ذریعہ حکم بھی جاری کیا تھا کہ۔

ولا یلبسوا لبس المسلمین حتی یعرفوا۔ | کفار مسلمانوں کا لباس نہ پہنیں تاکہ وہ ان کو الگ پہچان سکیں

گویا قوموں کو باہمی معرفت و تمیز اسلام کا ایک اہم مقصد تھا جیسے اس کے ابتدائی قرون میں کافی زور دیا
جاتا تھا۔ اور یہ محض اسی لئے کہ ہر قوم اپنی قومیت پر باقی ہے۔ اور اپنے ہی نام سے پہچانی جاسکے۔

اور اس طرح ہر قوم کی حق یا باطل خصوصیات جدا جدا کی جاسکیں۔ گویا اس طرح مسلمانوں پر یہ فریضہ
عائد ہوتا ہے کہ وہ کفار کا ہر اذیاد باطناً تشبیہ نہ کریں تاکہ اسلامی اور مشرک و اطوار مستحسن ہو کر شے نہ پائیں
اسی طرح حکومت اسلامی کفار کو بھی مجبور کرے گی کہ وہ کفر پر رہتے ہوئے مسلمانوں کا سا لباس نہ پہنیں

تاکہ یہ کافرانہ ظلمتہ اپنی آمیزش سے اسلامی نور کو کمزور نہ بنا سکے۔ ان مذکورہ قوانین فاروقی سے
جہاں منہ تشبیہ کے متعلق ایک پایہ دار روشنی دستیاب ہوتی ہے وہیں نمایاں طریقہ پر یہ بھی ثابت ہوتا

ہے کہ اسلام کا مقصد اپنی شوکت کو قائم کرنے کیساتھ ساتھ کفر کی عزت و شوکت کو پامال کرنا بھی ہے۔ کیونکہ
اس کے نزدیک عزت و شوکت صرف حق اور اہل حق کے لئے ہے واللہ العزۃ ولسولہ وللمؤمنین و

للمنافقین لا یعلمون۔ اور ذلت و پستی باطل کیلئے جو تمام مل کفر میں منتشر ہو والکفر ملۃ واحدۃ
وہ چاہتا ہے کہ زمین پر ایک خدا کا تخت عدالت پگھے اور مآ انزل اللہ کا قانون نافذ ہو ومن

لم یحکم۔ مآ انزل اللہ فالذلک ہم الکفرون۔ اُس کے نزدیک خدائی قانون
کے سامنے منسوخ قوانین یا انسانی دساتیر کا بڑھنے کی سہی کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک حسن مجسم کے

سامنے کسی قبح مجسم کا دعوائے جمال کرنا یا ایک نور محض کے سامنے کسی ظلمتہ خالص کا چمکنے کی خواہش
کہنا۔ پس کفر کے انہی غیر طبعی حوصلوں کو مٹا دینے کیلئے اُس نے تلوار بھی اٹھائی۔ اور سلطنت و سیاست

کے اصول بھی قائم کئے در نہ اگر نفس کفر کو دینا سے جبراً نا بود کر دینا اس کا مقصد ہوتا تو لا اکراہ
فی الدین اور ا فانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین اور لست علیہم بمصیطر اور

لست علیہم بوحکیل کے کوئی معنی ہی نہ رہتے۔ پس وہ کفر کو تو جبراً مٹانا نہیں چاہتا مگر شوکت

کفر کو جبراً مٹا دینا اسکی ایک فطری خواہش ہو۔ اور ایک ایسی ہی خواہش ہے جیسا کہ سچائی بھڑک کر بے فروغ کر دینے کی خواہشمند ہو یا روشنی تاریکی کو بے وقعت بنا دینے کی آرزو مند۔

پس مسلمان کیلئے ہر وہ فعل غیر فطری اور غیر شرعی ہوگا جس سے کفار کی کوئی عام وقعت قائم ہو۔ اُن کا اعزاز بڑھے۔ اور ان کی تائید ہونے کے سبب ان کے حوصلے بڑھ جائیں جسے کفر پر عوام ترقی پذیر ہونے لگیں۔

اسی لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے فرامین کے ذریعہ عزت و شوکت کے تمام تہمتوں کو اسلامی شعائر کے لئے مخصوص فرما دیئے اور ذلت و پستی کے سارے ہی درجات کفر اور اہل کفر کیلئے اور جبکہ اسلام کے یہ اہم مقاصد بہت زیادہ منع تشبیہ ہی سے پورے ہو سکتے تھے تو سیاست فاروقی نے اسی اصول کو پیش پیش رکھ کر جہاں مسلمانوں کو کفر کے بدترین شعائر کے اختلاط سے روکا وہیں کفار کو بھی بحالت کفر اسلام کے پاک شعائر سے الگ کر دیا۔ کیونکہ کسی جانب سے بھی تشبیہ ہو۔ بہر حال تبلییس و عدم امتیاز کیلئے کافی ہے۔ اور عدم امتیاز ہی قومیتوں یا مذہبوں کیلئے تہلک اور محار و جوڈ ثابت ہو چکا ہے۔

پس گویا منع تشبیہ کا اصول صبطح ایک پتہ مذہب کے بقا و تحفظ کا ضامن ہے۔ اس صبطح اسکی عزت و شوکت اور خودداری کے قائم رکھنے کا بھی کنیل ہوا اور اس لئے سمجھ لینا چاہئے کہ اسکی ہیست اسلام کی نظر میں کیا ہوگی۔

ہاں مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ توہین و تذلیل اور چیز ہے اور ظلم صبطہ انصاف اور کچھ ہے۔ اعزاز و تذلیل فرق مراتب پر مبنی ہوا اور ظلم و تعدی تعصب محض پر مبنی اور اعزاز و تذلیل کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے درمیان ہو جائیں۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ مسلمان حکام اس توہین و تذلیل کو سامنے رکھ کر غیر مسلموں پر جو وعدہ ہی بھی جائز تصور کرتے لگیں ہرگز نہیں کہیں ہو سکتا کہ ذہیون کو ذلیل سمجھ کر ان کے جائز حقوق کو بھی جو بہ حیثیت رعایا ہونے کے وہ کہتے ہیں پامال کر دیا جائے، کالی دمالی حقوق میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مساوات رکھتے ہیں۔ کسی طرح جائز نہیں کہ اُن میں بد امنی پھیلائی جائے۔

کسی طرح نہ وہ نہیں کہ ان کے نزاعات میں صحیح اور منصفانہ فیصلہ نہ دیا جائے۔ کسی طرح مسلمانوں کو
 حق نہیں پہونچتا، کہ ان کے مال و متاع پر ہاتھ ڈالیں۔ کسی طرح حلال نہیں کہ ان کو غیر معصوم
 الدم سبھلیں۔ جس طرح ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ غیر مسلموں کو اعزاز و اکرام میں مسلمانوں کا
 ہمسرہ کریں۔ یا ان کی ایسی وقت و عزت کرنے لگیں کہ کفر و اہل کفر کی اہمیت اسلامی قلوب
 میں جاگزیں ہو جائے۔ پس انصاف بلا استثنای رب کے لئے ہے۔ اور عزت و عظمت صرف
 اللہ اور اہل اللہ کے لئے ہے۔

— ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ —

تشبہ اور قرن تابعین

جس طرح خلافت راشدہ کے طریق سیاست اور عام صحابہ رضوان اللہ علیہم کے قبول و امتثال نے منع تشبہ کی اس جبل المتین کو مضبوط تھامے رکھا اور اس طرح دنیا کو اپنے قرن کی برکات اور متحیر العقول کا میاب نتائج کے صفحات پر پہننے کا موقع دیا اس طرح قرن ثانی میں اجلۃ تابعین نے بھی قرن اول کے بعد خلافت راشدہ کا پورا پورا عکس تابعین میں حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ عادل نے اپنے طرز عمل سے پیش کیا اور اسی نوع کی سعادت و برکات سے دنیا کو مستمع ہونے کا موقع دیا جو قرن اول کے مخصوص و ممتاز نشانات تھے۔ تفریق حق و باطل۔ ایثار حسن و قبیح میں انہوں نے پورا زور خلافت صرف کیا۔ اور کھرے کو کھوٹے سے الگ رکھا۔ شدۃ علی الکفار اور شفقتہ علی المسلمین کا قرآنی اصول ان کا ہر ساقہ رہنما رہا۔

ذیل کا واقعہ ان کے ایثار و آفرین طرز عمل تقشف فی الدین صلابت فی الاسلام اور منع تشبہ کے اصول کی غیر راہنما نہ پابندی کا شاہد عدل ہے۔ اس عمر ثانی نے بھی انہی جزئیات میں پیش قدمی کی جن میں عمر اول نے کی تھی۔ رضی اللہ عنہما ورضی عنہ۔

دخل ناس من بني تغلب على عمر بن عبدالعزيز	بني تغلب کے کچھ لوگ عمر بن عبدالعزیز کے پاس حاضر ہوئے
وطلبهم العثم كهيئة العرب فقالوا يا امير المؤمنين	جو عرب کے مانع عامے باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے
الحقنا يا العرب قال فمن انتم قالوا نحن بنو تغلب	عرض کیا کہ امیر المؤمنین ہم کو عربوں ہی میں شمار
قال اولستتم من واسط العرب قالوا نحن	کر بیچے یعنی اہل عرب کے سے حقوق دیدیئے، فرمایا تم
نصارى قال علی بنجلہ فاخذ من نواصیہم النقی	کون لوگ ہو؟ عرض کیا کہ ہم بنی تغلب ہیں۔ فرمایا
العثم و شق رداء کل واحد منهم بالحقیر	کہ کیا تم عربوں میں سے نہیں ہو؟ دینی ظاہری بات
و قال لا ترکبوا السرج و اركبوا علی اکاکف و دوا	دیگر تو تمہارا تم کو عرب بتلاہا ہو؟ عرض کیا کہ نہیں تم
ارجلکم من شق: اھل	نصاری نہیں۔ فرمایا کہ میری قبیلہ لالہ جاشہ۔ سواسیو

ان کی پیشانیوں کا طرہ کاٹ دیا۔ ان کے عمامے گرا دیے۔ اور ہر ایک کی چادر میں سے بانٹت بھر چڑھی پٹی آٹک کر تاکہ ان کی کمروں میں پہننے کی طرح باندھ دی جائیں۔ پھر نصاریٰ کا خاص امتیازی شعار تھا اور عربوں سے ان کو متمیز کرتا تھا، پھر فرمایا کہ زینوں پر مت سوار ہو بلکہ پالانوں پر اور سوار ہو کر اپنے دونوں پیسیر ایک سطر رکھاؤ۔

اس فرمان سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں جبکہ اہتمام اپنے عہد میں حضرت عمر ثانی نے فرمایا۔ ایک امتیاز اور قطع مشابہت کہ مسلمان اور نصرانی باہم متاثر ہیں۔ چونکہ خیر کا دور دورہ تھا اور مسلمانوں کے اقتدار و عروج کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اسلئے مسلمانوں کے قلوب تو تشبیہ باندھاری سے یکسر خالی تھے۔ لیکن طبعی طور پر فطرۃ مفتوحہ تو میں فلتح کی ہر دوش پر نازل ہوتی ہیں اسلئے نصاریٰ چاہتے تھے کہ عربوں کا لباس بھینپیں۔ عمامے باندھیں۔ اپنے زنا اور پشیمے کھوکھلے مسلمانوں کی وضع و تراش اختیار کریں۔ طرہ اور سر کے بال رکھیں۔ پس مسلمانوں کی طرف سے تو تشبیہ کا دروازہ بند تھا لیکن غیر مسلموں کی طرف سے کھلا ہوا تھا۔ اور بہت ممکن تھا کہ نصرانی صورتہ عرب بنکر تبلیغ کے ذریعہ اپنے مذہبی دیباہی حقوق اہل حق کے سے قائم کرنے کی تدابیر عمل میں لائیں اسلئے حضرت عمر ثانی نے پیش بندی کر دی۔ فرمان بھی جاری کر دیئے اور عملاً اسی مجلس میں عربیتہ کے امتیازی نشانات بھی نصاریٰوں سے چھین لئے۔

دوسرے یہ کہ اس امتیاز اور قطع تشبیہ سے جہاں انہوں نے اسلام کی شوکت قائم کی وہیں کفر کی شوکت کو پست بھی کر دیا۔ جیسا کہ طرہ کاٹ دینے پالان پر چڑھنے کا حکم دینے۔ ساری پردوں پر ایک طرف لٹکا کر سوار ہونے کا حکم دینے سے ظاہر ہو رہا ہے۔

پھر فراموش نہ کہ ذریعہ ایسی قسم کے اور بھی تیسری اشکالات اس خلیفہ عادل نے غور و فکر سے اسلامیہ میں شائع کر دیئے۔ مگر کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے صوبہ سہمہ اکہ عامل رگور کو یہ فرمان لکھا کہ۔

ان ائمنہ من قبلنا فلا یلبس نصراۃ | اپنی نواح میں ممانعت کر دو کہ کوئی نصرانی قباہ

عقلاء ولا ثوب خز ولا عصي تقدّم في
ذلك اشدّ التقدّم والكتب فيه حتى كلفني
عليّ احد فني عنه وقد ذكر لي ان كثيرًا
من النصارى قد راجعوا لبس العائمه
تركوا لبس المناطق عليّ اوساطهم واتخذوا
الوفد والجاحم وتركوا التقصيص والعمرى
ان كان يصنع ذلك فيما قبل ان فلك
بارك صنعت وعجز فانظر كل شئ كنت هيت
عن وقد مت فيه لا تعاودته واحكمته
ولا ترخص فيه ولا تعد عنه شيئاً راقضاً به

عرب اور ریشین کپڑا جو محض مفاخرت کی چیز ہو اور
چھال کا کپڑا نہ پہنے۔ اس کے نفاذ کے بارے میں شدہ کے
ساتھ پیش قدمی کرو۔ اس حکم کو لکھ کر شائع کر دو تاکہ
کسی پر ان باتوں کی حاکمت مخفی نہ رہ جائے۔ مجھے
ذکر کیا گیا ہو کہ نصاریٰ پھر عمامے باندھنے لگے ہیں اور
انہوں نے اپنی کمزور پیرائے (جو ان کا مخصوص نشان
ہے) باندھنا چھوڑ دیا ہے۔ اور سر پر بال اور پٹھے پہنے
لگے ہیں اور بال کٹوانا چھوڑ دیا ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ
سب کچھ تمہارے علاقہ میں ہو رہا ہے تو یہ تمہارا اک
کھلا ہوا صنعت اور عجز ہے۔ پس ان آیات میں سے
کسی بات کو اسکے سوا مت چھوڑو کہ اس کی کافی نگرانی اور استحقاق مکر دو اور ڈھیل مت دو۔ مگر کسی پر تعدی
و ظلم بھی مت کرو۔

اس فرمان و حکم کا حاصل وہی ہے جو ائمہ بنی تغلب کا حاصل تھا۔ یعنی امتیاز اور ترک تشبہ کو پختہ بنانا
اور التباس و تشبہ کو جو قوم کے ملی و قومی وجود کو ہلک کرنا ہے۔ فنا کرنا مکمل آتا ہے اور ثابت ہو جاتا
ہے کہ منع تشبہ پر قرن اول و ثانی میں یکساں زور دیا گیا ہے اور ان قرن میں اسپر زور دیا جانا ہی
اسلامیت کے عروج اور کفر و اہل کفر کی پستی و کمزوری کا باعث ہوتا رہا ہے۔

تشبہ اور قرون اجتہاد

شیخ تابعین سے عموماً ارباب اجتہاد و ائمہ مستنبطین کا دور شروع ہوتا ہے جو ارباب اجتہاد ہوں اور جن کا دامن سنبھال کر مخلوق نے اپنے دین کو اختلاف و تضاد اور ہوائے نفس سے بچایا۔ اس قرن میں بھی تشبہ کی اہمیت وہی رہی جو پچھلے قرون خیر سے ہوتی آرہی تھی۔ یعنی مذاہب اربعہ نے شیخ تشبہ کی پوری روک تھام کی۔

حنابلہ | حنبلیوں کا مسلک حافظ ابن تیمیہ کی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" سے بھی واضح ہے نیز میاطی حسن السیر میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے حنابلہ کی مشہور کتاب الاقتصار سے ان کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔

من تزیا بزی کفار من لبس عینا وشد زنار وعلق صلیب بصدۃ حرم وکفر
جس نے کفار کی سی ہنر بنائی کہ زنار باندھ لیا یا چھتی
پر صلیب لٹکالی تو حرام فعل کیا مگر کافر نہوا۔
بہر حال تشبہ بالکفار کی حرمت صراحتہ ثابت ہوتی ہے جبکہ ان کے شعائر اور مخصوص نشانات کے ساتھ تشبہ کیا جائے۔

مالکیہ | مالکیہ اس میں بہت زیادہ آگے ہیں۔ ان کے مسلک پر تشبہ اور مشابہت بالکفار کے علاوہ ہر شے سخت گیری اور تحفظ ہے کہ عربی کے سوائے زبانوں میں حلفت اٹھانا ان کی سی وعائیں مانگنا ان کی زبان میں ذکر اللہ اور عبادت کرنا بھی ممنوعات میں سے ہے۔ حتیٰ کہ منقل حافظ ابن تیمیہ ان کے یہاں کفار کی عیدوں اور میلوں وغیرہ کے ایام میں ایک بطخ ذبح کرنا مسلمان کیلئے خنزیر ذبح کرنے کا مرادف ہے۔ مالکیوں کی مشہور کتاب "مختصر الخلیل" میں منقل میاطی یہ تصریحات موجود ہیں۔

کفر المسلم بصریح کقولہ عزیر ابن اللہ اولفظ
اگر مسلمان صراحتہ یہ کہہ دے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علیہ السلام
کے بیٹے ہیں یا کوئی لفظ ایسا بولے جو اللہ تعالیٰ کی
تقیضہ کقولہ اللہ متخیرا و فعل یتضمنہ

یکشد ز نار و خجہ صا یختص بالکافر کلین
برینطه نصیانی

جسمیتہ اور محدود ہو نیک مقصدی ہو جیسے اللہ ایک خاص
مکان میں، یا کوئی ایسا فعل کر گزری جو اسلام کے

خلاف کفر کی مستلزام علامت ہو، جیسے زنا یا زنا لینا یا نصرانی کی ٹوپی اوڑھ لینا تو وہ مسلمان کا فر ہو گیا۔
شوا فخر | حافظ ابن حجر قواطع الاسلام میں دہتل (دیساطی) لکھتے ہیں کہ۔

و حیث لبس زی الکفار سواء دخل دار الحرب
ام لا بنیۃ الرضایہ یخمد المیل الیہم او
تھا و نابا لا سلاہ کفر

اور جب کفار کا سا لباس پہن لیا (خواہ دارالحرب میں
داخل ہو یا نہ ہو) انکے دین سے راضی ہو کر یا ان کی طرقت
میلان خاطر کر کے یا اسلام کے ساتھ تھاؤں کر کے (اسلام
کو ہٹکا سمجھ کر) تو وہ کافر ہو گیا۔

خفیہ | خفیہ بھی اس سلسلہ میں بہت زیادہ منتشر دیں۔ خادمی اور ہندیہ کی عبارت حسب ذیل ہے
یکفر بوضع قلنسوة الجوس علی راسہ
علی الصیغہ۔

بہر حال مذاہب اربعہ تشبہ بالکفار کی حرمت و ممانعت کا اعلان کر رہے ہیں ہاں ان جزئیات پر یہ
سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ اگر ایک شخص نے نصرانی یا مجوسی ٹوپی پہن لی یا زنا اپنے سینہ پر لٹکا یا
یا کفار کی عام وضع بھی اختیار کر لی تاہم جبکہ وہ توحید و رسالت کا صراحتہ منکر نہیں جنتہ و نار بہر اور
معتقدات اسلامی اور ضروریات دین کا علی الاعلان انکار نہیں کرتا تو کوئی وجہ نہیں کہ شخص اس ظاہر کی
تغیر سے اسکے عام قلبی روش پر کفر کا حکم کر دیا جائے۔ اس سوال کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں
بیضاوی کی وہ عبارت پیش کر دینا چاہتے ہیں جو انہوں نے سورہ بقرہ کی تفسیر کرتے ہوئے ایک
سورج پر درج کی ہے۔

دافا قل لبس النیار و شد الزنا و خجہ صا
کفر لا یمتدل علی التکذیب فان من
صدق الرسول علیہ السلام کا یحترق

یہ جو فیصلہ پہنچانی ہے زنا یا زنا پہننے اور انہی کی مانند دوسرے
حرکات کرنے کو کفر کہا گیا ہے سو سب سے یہ چیزیں
اُس شخص کی تکذیب کی علامت ہیں کہ جتنی رسول علیہ السلام

علیہا ظاہرا لا لہما کفر فی نفسہما۔ | تصدیق کی وہ بظاہر ان چیزوں کی جہالت نہیں کہہ سکتا، نہ کہ یہ چیزیں
 اس سے واضح ہو گیا کہ حقیقت یہ استہزاء یا یہ افحال کفر کے نہیں ایسے اگر استہزاء کرے تو جائز ہی
 مگر پھر بھی اس تشبیہ کو اس نے کفر کہا گیا ہے کہ کسی شخص کو علی الاعلان اور سب مخلوق ان چیزوں کے
 استعمال کی جرات ہونا بلا شبہ اسکی دلیل ہے کہ اسکے قلب میں اسلامی اوضاع و اطوار کی
 کوئی وقعت و اہمیت نہیں۔ بلکہ اسکے بالمقابل کفریہ ایشاء کی رغبت و محبت موجود ہے اور جبکہ
 ایک شخص کفر کے شعائر اور اسکی مخصوص علامات پر رغبت کے ساتھ اتر آیا تو کفر ناک پخت جانیں
 اس کیلئے حائل ہی کیا گیا۔ اسی لئے بعض حنیفہ نے صریح کفر کے اقوال پیش کئے ہیں اور بعض
 نے امارات کفر کے تاہم اگر تشبیہ بالکفار کو امارات کفر سے بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی وہ ایک
 پوست ہے جس کا مغز کفر ہے جو اسیں مستور ہے۔

صوفیاء | صوفیاء کرام مقررین بارگاہ الہی ہیں اور خواص حق میں سے ہیں۔ اسلئے وہ لوگ
 عام قانون شریعت کی تفسیرات و تہیلات اور اس عام قانونی زندگی سے (جو عوام و خواص
 پر یکساں حاوی ہے) کچھ آگے ہیں۔ کیونکہ ان کا دستور عمل خاص بنوۃ کی زندگی ہے۔ اور وہ حیات
 بادی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

وہ تشبیہ بالغیر کے بآئے میں جس قدر بھی متشدد ہوں کم ہوں۔ ان کے اصول پر تو شاید
 بہت سی اوصاف و اطوار جو ٹھیک ٹھیک منہاج بنوۃ پر نہیں اترتیں گو عام قواعد شریعت کے
 اعتبار سے خلافت شرع بھی انہوں میں سے ہے کہ منع تشبیہ کے اصول سے روکی جائیں۔ اور
 شاید کہ بہت سی وہ چیزیں کہ فتویٰ اپنی تہیلات سے انکو حلال کہہ سکتا ہو ان کا تقویٰ پھر بھی
 اسے ممنوع قرار دیگا۔ اسی لئے ان کی تصریحات یہاں تک تحفظ حدود کرتی ہیں کہ صرف عرب
 ہی کی زنی و ہیبت میں ایک مسلمان کو محصور ہو جانا چاہئے۔ کہ وہ ہی زنی بنوۃ ہے۔ بقیہ عرب کے
 سوا تمام اوضاع و اطوار بھی استہزاء میں جو قابل ترک ہیں۔ حضرت رأس الاصغیر ابو محمد شیخ
 عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

تو کبریا کلمہ خالفت زئی العرب و ثنابہ

زئی البجرہ - داقتنا الصراط المستقیم -

اور مکروہ سے جب بھی ہیئت عرب کی مخالفت پائی جائے

اور ہیئت عجم کی مشابہت -

پس ترک تشبہ کی تعلیم سب سے اول قرآن نے دی۔ پھر احادیث نے اسکی تفصیل کی پھر صحابہ نے اسکی تمثیل کی پھر علماء ظاہر (ائمہ اچتہاد وغیرہم) اور علمائے باطن (صوفیاء کرام) رحمہم اللہ نے اسکی عملی تائید کی۔ پھر وہ ایک نقلی یا محض استنادی چیز نہیں رہی، بلکہ عقل سلیم نے اسکو بطور غرض و رغبت قبول کیا۔ تو اس اصول میں جو قرآن حدیثاً، آثاراً، فقہاً، عرفاً، عرفاناً اور خلاصہ یہ کہ عقلاً و ثبات اور مضبوط ہو چکا ہو۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم نے انتہائی اہتمام سے حدود اسلامیہ میں اس کا اجرا کیا ہو۔ اور امت اسلامی کا قدیم و حدیثاً اس پر اجماع ہو چکا ہو۔ کیا اس حدی کے اسلامی افراد اس میں کوئی حصہ نہیں؟ اور کیا مسلمانوں کے لئے اسلام کے اس سچے اور پاک اسوہ میں کوئی حظ نصیب نہیں؟ میں نہیں کہتا کہ نہیں! لیکن پھر مسلمان اپنے عمل سے اس کا جواب دیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ اس اسوہ کی تائید میں کوئی عملی اقدام کریں اپنے عمل سے غیر اقوام کے سامنے اسکو مضبوط بنائیں کہ درحقیقت یہی مضبوط قوت اسلام کی قوت ہے۔ اور یہی ممکن ہو کہ اسلام کی ان تصریحات کے موافق ہر قسم کی موافقت اور مشابہت کفر کو شادی کی مخالفت کفر خود بالاستقلال اسلام کا ایک زبردست مقصد ہے۔ ہاں یہ بہت ہی زیادہ خصوصیت لئے ہوئے میرا روئے سخن اپنی ہم تو ہم جماعت طلبائے علوم اسلامیہ سے ہے کہ وہ خدا را اس صدا کو صدایہ صحرانہ سمجھیں۔ یہ حکمت حقیقتہً انہی کی گم کردہ مثال جان فروز ہے، انہی کی استقامت پر عالم کی استقامت اور انہی کی زلزلہ پر کائنات کی زلزلہ بہر حال متعلق ہے۔ وہ عالم کے ستون ہیں اسلئے اگر وہ تھوڑی سی حرکت کریں گے تو قصر عالم مضطرب ہو کر بالکل رو بہ انہدام ہو جائیگا۔

اذا کان رب البیت بالطیل ضارباً

فلا تلما الا وکاد فیہ علی الرقص

اُن کا نیم جو ظلم مخلوق کے لئے ہزاروں فسق و فجور کے لئے ایک دعوت و صلا عام ہو گا ۵

چونیم بیہنہ کہ سلطان ستم روا دارد
زند لشکر پانش ہزار مرغ بہر سبب

----- (۶) -----

فصل

کیا اسلام کی تمام تر بنیاد و مخالفت کفر ہے؟

یہاں پر قدرتی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام کی تمام تر بنیاد و مخالفت ہی پر قائم ہے؟ کیا فی نفسہ اسلام کی کوئی محض اور قائم شدہ حقیقت نہیں؟ کیا اسکے وجود و ہستی کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ جو کچھ کریں تم ان کا خلافت کرو کہ یہی تمہارا اسلام ہے۔ مثلاً اگر مشرکین عرب ایک خاص طریقہ سے حج کرتے تھے تو کیا اسلامی حج صرف یہی ہے کہ ان کے خلافت ایک خاص ترمیم سے افعال حج جہاد تجویز کر دیئے جائیں۔ اور ان سے اسلام کا وجود قائم کر دیا جائے؟ اگر اسلام کی حقیقت یہی ہے تو حقیقتاً اسلام ایک سب سے حقیقت چیز ہے جیسا کہ اصل وجود تمام مذاہب کے لئے بچاتا ہے اور اسلام کی تعمیر محض مذاہب کی ریزہ چینی اور ٹل لٹل قطع و برید پر قائم ہے جیسا کہ اوپر کوئی حقیقت وجود نہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں محض ایک مسئلہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں اسلام کی بنیاد کفر کے خلافت پر نہیں بلکہ کفر کی تعمیر اسلام کے خلافت پر قائم کی گئی ہے۔ اس لئے اسلام نے کسی ملت کا خلافت نہیں کیا بلکہ تمام ملتیں اسلام کے خلافت پر قائم کی گئی ہیں۔ کتبہ خلیفۃ المذہب من فوق الارض والہما من قرار۔

قائم اہل میں جبکہ آدم و ابلیس کا مذہب ایک تھا کون تھا جس نے پہلے خلافت کی بنیاد قائم کی اور اسلام و مسیحیت کے بالمقابل انا غیر منہ کا نظم استکبار و جود بلند کیا۔ یقیناً وہ ابلیس تھا کہ آدم کیونکہ آدم نے تو دنیا ظلمنا انفسنا لہذا اپنی عبدیت و بندگی اور اپنے اسلام تہیتی کا ثبوت پیش کیا تھا۔

پس ابلیس ہی نے اس اسلام و طاعت کے خلافت ایک مذہب بنایا جس کی اساس

پرستی۔ کبر و عنوت اور داعیہ اناخیر منہ تھی۔

اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ روز ازل ہی میں میل کفر کی بنیاد اسلام کے خلاف پر قائم ہوئی
نہ کہ اسلام کی بنا خلاف کفر پر۔

پھر زمین پر اتر کر بھی آدم علیہ السلام تو اپنے اُسی عیدیت کیلش اسلام پر قائم رہے جو آسمان
سے اپنی ساتہ لائے تھے۔ اور ابلیس اسی کافرانہ خلاف پر چارہا۔ جو آسمانوں میں کرچکا تھا۔ پس
عالم ازل کی طرح دنیا کی ابتدا آفرینش میں بھی محصل حقیقت اسلام ہی کے لئے رہی۔ اور خلاف
یا قطع و بڑید صرف کفر کیلئے۔

پھر آدم کی اولاد میں بھی جب کفر کی بنا قائم ہوئی تو اسلام کے خلاف پر کیونکہ مذہب
آدم کے خلاف قابیل ابن آدم کی ساتویں پشت میں پہلا انسانی کفر ظاہر ہوا۔ جس کے مقابلہ کیلئے
نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انہوں نے اس قوم کو یہ کہہ کر اپنی موافقت پر بلا یا کہ میں مسلم ہوں
واعلمت ان اکون من المسلمین۔ میں اپرا مود ہوں کہ میں مسلم بن جائے ہوں۔

اگر یہ قوم اسلام آدم سے نہ پھری ہوتی اور اسلام کے خلاف اُسنے کوئی نیا مذہب نہ قائم
کر لیا ہوتا۔ تو پھر اس کیلئے دعوت اسلام کی ضرورت ہی کیا رہتی؟

پس یہ ثابت ہوا کہ آدم کے بعد دنیا کے اس سب سے پہلے پیغمبر اور مبلغ اسلام کے دور میں
بھی محصل حقیقت اسلام کے لئے تھی، اور کفر کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ اسلام کے خلاف
جس طرح انبیاء و رسل کا مجموعہ تھا۔

پھر درلودی کے بعد سے حدیث نبویہ تک جو ان جون ائمہ الکفر اسلام کے خلاف اپنے
کفر میں میل کو جو مشہور توں میں متابع کرتے رہے وہوں اسلام ان کا مقابلہ کرتا رہا
یعنی جب کبھی نرد و طغیان اور اس خلاف کی تاریکی انتہا کو پہنچ جاتی تھی۔ جب ہی حسب فرقہ
دنیا میں نبوت کی روشنی اس کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجی جاتی تھی۔ لیکن ہر ایک نبی اس کا
اقرار کرتا تھا کہ وہ مسلم ہے اور وہی اسلام لیکر دنیا میں آیا، جو جس سے ہٹ کر اسکی قوم نے کفر سے

مذہب قائم کر لیا تھا۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی قوم فرد کے مقابلہ پر یہی دعویٰ کیا کہ میں مسلم ہوں اور اسی قدیم اور اصلی مذہب پر قائم ہوں جو بعینہ آدم و نوح کا مذہب تھا، قرآن نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا۔

جبکہ ابراہیم سے ان کے رب نے فرمایا کہ اسلام لاؤ انہوں نے کہا کہ میں رب العالین کیلئے اسلام لا چکا۔

اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت
لرب العالمين۔

بنارکبہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ نے اسی اسلام پر پختہ رہنے کی دعا کی جس سے حضرت اسمعیلؑ کا اسلام ثابت ہوا ہو۔

اے ہماری پروردگار ہم دونوں کو اپنا مسلم اور ہماری اولاد کو اپنی امت مسلمہ فرمائیے۔

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا
امۃ مسلمۃ لك۔

پھر حضرت ابراہیمؑ و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو آخری وصیت یہ کی تھی کہ تم اسلام پر مرتے دم تک جئے رہنا۔

اور اسی کا حکم کر گئے ہیں اپنے بیٹوں کو ابراہیمؑ و یعقوبؑ بھی اے میرے بیٹو! اللہ نے اس دین کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہو سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان نہ دینا۔

ووصی ہما ابراہیم بنیہ و یعقوب بنیہ
ان الله اصطفیٰ لکم الدین فلا تقاتلوا
وانتم مسلمون۔

اور بنی یعقوبؑ نے اپنے مسلم ہونے کی کھلی شہادت یوں دی کہ۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسی کی پرستش کریں گے جسکی آپ اور آپکے بزرگ ابراہیمؑ و اسمعیلؑ اور اسحقؑ کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو لاشرک ہے، ہو اور ہم اسی کے اسلام (طااعت) پر رہیں گے۔

قالوا نعبد الهاک والہ آبائک ابراہیم
واسمعیل واسحق الہاک واحد
ونحن لہ مسلمون۔

° یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ۔

توفی مسلماً و الحقیقی

بالصلحین۔

بچکوپوری فرمانبردار سی و اسلام کی حالت میں دینا کے

اٹھائے اور بچکوپور خاص نیک بندوں میں شامل کرے۔

موسمی علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کیا تھا کہ

یا قومہ ان کنتم آمنتم بالله فعلیہ

توکلوا ان کنتم مسلمین۔

اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر

توکل کرو اگر تم مسلم (مسلح) ہو۔

انبیاء توراتہ مثل یحییٰ و زکریا علیہما السلام وغیرہ کی طرف بھی قرآن نے اسلام ہی کو منسوب کیا ہے۔

انا انزلنا التورۃ فیہا ہدًی و نور لپیچکم

ہم نے توریت نازل فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور

بہا النبیون الذین اسلموا للذین ہادوا۔

تھا انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مبلغ (مسلح) تھے ان کے سوا حق پہنچ

سایمان علیہ السلام نے حسب یقین کو ہامہ بھیجا تو ہمیں لکھا تھا۔ کو حکم دیا کرتے تھے۔

ان لا تعسوا علی و اتوقی

تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو۔ اور میرے پاس

مسلمین۔

مسلح (مسلح) بن کر چلے آؤ۔

پھر یقین جس بکر ایمان لائی ہیں تو انہوں نے نہ سب اسلام قبول کیا اور کہا۔

انی ظلمت نفسی و اسلمت مع سلیمان

میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمان کے ساتھ

لذہ رب العلمین۔

ہو کر رب غفلین کے لئے اسلام لای۔

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اپنے اسلام پر اللہ کو شاہد بنایا تھا جبکہ اللہ نے ان کو ایہام کیا

کہ وہ اس کے دین میں داخل ہوں۔

واذا وحیت الی السوا ربین ان آمنوا

اور جبکہ میں نے حواریوں کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر

دین رسولی قالوا آمنا و اشہد باننا مسلمون

ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ

شاہد رہے کہ ہم مسلم ہیں۔

اور بالآخر خری پیغمبر علیہ السلام نے اعلان فرما دیا کہ۔

قل ان ہدی اللہ کوا لہدی و احرنا

آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راستہ و حق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کا راہ ہے اور ہر کوئی حکم ہوا کہ ہم پروردگار عالم کیلئے
مسلم ہو جائیں

ایک جگہ حق تعالیٰ نے عام منادی فرمادی کہ۔

دین خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ اِلَاسْلَامُ

اور سرایا۔

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دین کو تسلیم کرے گا تو وہ اس سے بدلہ لے گا

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یَقْبَلَ مِنْهُ

اور پھر حدیث نبوی نے اس گزیدہ طبقہ (انبیاء) کے وعدہ دین کی اس آیت کے ماتحت یہ توضیح کی کہ تمام
انبیاء اگرچہ صراحتہ کتنوں ہی کا قرآن ذکر بھی نہیں کیا ان سب کا دین ایک ہی اسلام رہا ہو۔

ہم انبیاء کی جماعت ہمارا دین ایک ہو۔ اور نبی (وعدہ دین

نحن معاشر الانبیاء دیننا واحد والا نبیاء

کے لحاظ سے ایسے ہیں ایسے علقاتی بھائی کہ باپ کا ایک

اخوة العلات (ادکما قال)

اور اسی لئے قرآن کریم نے متعدد آیات میں بتلایا ہو کہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب ہے
کیونکہ سب کا دین اور صراط مستقیم ایک ہی تھا اور اسی لئے ہر ایک نبی نے اپنی تصدیق کیساتھ تہمتیں
اپنے ماقبل و مابعد انبیاء کی بھی تصدیق کی اور اپنی قوم سے کرائی ہے۔

بہر حال آدم سے بلکہ عالم ازل سے لیکر عہد ختم نبوت تک اصولاً ایک ہی دین ہے جس کا
نام اسلام ہے، اُسکے پیرائے۔ اُنکی قبائیں حسب عمر اور اسکی شرائع حسب اقوام بدلتی رہی ہیں
لیکن سب میں ضور افشانی اسی ایک دین کی رہی ہے ایک ہی بحر بے پایاں ہے جس نے اپنا
زالل حیات مختلف نہروں کے ذریعہ تقسیم کیا ہو اور ایک ہی پیکر رعنا ہے جو مختلف قبائیں پہنکر

رو نما ہوا۔

بکریت متحدہ بانگمال مختلف	باراں و قطرہ و صدف و گوہر آمدہ
مشتق چونیک در گری میں مصدر است	کین در صفات ظاہر خود مضمرا آمدہ

اور اسکی پچھلے دیان حقہ (سماویہ) کو اسلام کی کوئی بھی اجنبیت نہیں ہو بلکہ ہر سچا مذہب اسلام ہی کا ایک مظہر تھا جس
اسلام نے اپنی کسی خاص شان سے اپنی نمائش کی تھی۔

	ہر کجائی نگرہی انجمنے ساختہ اند	ایک چراغ است درین خانه کہ از پرتو آن	
عربی کے ایک شاعر نے اسی حقیقت کو دکھا کر کثرت میں وحدۃ کی تلاش ہو تو کثرت کو تو کثرت ہی مانتا ہے بلکہ بالکل ہی کھٹکتا ہے			
	وَأَنْفِرْتَ كَثْرَةَ الْمُتَعَدِّدِ	وَالْهَجْرُ إِلَّا الْمَوْجُ لَوْ شِئْتَ غَيْرُهُ	
<p>ادراستے ہی دین کے پہلے عالم میں ظاہر ہوا۔ پس جیسقدر بھی باطل مذاہب پیدا ہوئے وہ اس دین کے خلاف کرتے اور اس سے مقابلہ ٹھاننے میں نمودار ہوئے ہیں۔ اس لئے اسلام کی بنیاد عہد آدم سے عہد نبوی تک کیسے طرح غیر مذاہب کے خلاف پر نہیں۔ بلکہ تمام مذاہب باطلہ کا سنگ بنیاد اسلام کے خلاف پر رکھا گیا۔ پس اگر اسلام غیر مذاہب کے تشبیہ منقطع کرتا اور ان کی موافقت سے ہٹا کر صرف اپنی موافقت پر مجبور کرتا ہے۔ تو اسکے یہ معنی تو ہو سکتے ہیں کہ اسلام اپنے ہی خلاف سے روکتا ہے کہ اس کا وجود مستقل ہے اور اسکے تمام مذاہب کا وجود محض خلائی اور غیر مستقل ہے نہ کہ وہ دوسروں کے خلاف سے اپنا وجود کسب کرتا اور دوسرے فرمودہ کا خوش چین ہے۔ نہیں بلکہ دنیا کے ہر فرسین خاشاک میں اگر کوئی پرمغز دانہ ہے تو اسی فرسین کا ہے۔ اگرچہ چور اپنی سارقانہ کارروائیوں کا اقرار نہ کریں۔</p>			
	در نہ یک سر و در نہ یغ یہ ابتداء توفیق	آفریاں پاس غلط کردہ خودی دارند	
<p>پس کس قدر حیرتناک اُن لوگوں کا وہ دین ہو گا جو اسلام کے مستقل شعبہ کو چھوڑ کر کفر کے بے چڑ اور مفسر شعبہ کو اپنا دستور مل قرار دیں۔ اور مشابہت نبوی کو ترک کر کے مشابہت تشریحات میں دامن الجنتہ والناس کو اختیار کریں۔ ایسوں ہی کی شکایت اُن کے رب کے کی ہے۔</p> <p>جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔</p>			
<p>ان الله اعلم الشياطين من الحق وقال في طه ان الشيطان</p>		<p>ان الله اعلم الشياطين من الحق وقال في طه ان الشيطان</p>	
	نظر دوست نادرت دوستو سے تو	پتہ دور سے دشمن یوں دوست سے تو	
	ندانی کہ گمستر نہد دوست پائی	چو بینہ کہ دشمن بود در سر آئے	

فصل

تشبیہ کے فقہی مراتب

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ منہج تشبیہ کا حقیقی مقصد ملتہ سلاعی کا البتہ اس وقت ہی سے بچانا اور مسلم و غیر مسلم میں کلی انقطاع کر دینا ہے یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہو کہ پھر بھی منہج تشبیہ کا منشا مخلوق کی تنگی اور حسد ج میں ڈالنا یا عام طبعی اور قدرتی جذبات کو پامال کر دینا نہیں۔ بلکہ وہ امتیاز کی باقی رکھتے ہوئے بعض مراتب علی میں اشتراک اور بلکہ کتنے ہی قدرتی امور میں تشابہ کا بھی محل کر ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم تشبیہ کے مراتب کا وہ فقہی نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے تشبیہ کے جواز و عدم جواز - حرمت و کراہت استصحاب و عدم استصحاب اور امکان و عدم امکان کی تفصیلات پورے طور پر واضح ہو جائیں گی۔

انسانی امور کی عقائد ہی نہیں ہو سکتی ہیں۔ اعتسار اور اختیار اور اختیار کی انتہائی ضروری امور وہ ہیں جسکے ایجاد و اعدام میں انسانی اختیارات کو کوئی دخل نہیں۔ مثلاً انسان کی ذاتی اور غلطی و اطوار اور جسمانی اقتضات یعنی اس کے عشاء بدن - چہرہ جہرہ - پھر اسکے ذاتی عوارض جو کہ پیاس لگنا اور اس اندرونی داعیہ سے کہ اس نے پیٹ پر جو ہونا اور اس میں تلخ یا تر پوٹنا وغیرہ داعیہ اس کا قدرتی طور پر مدنی الطبع بنکر پیدا ہونا۔ اس کا اپنے دل کی معرفت و عبادت پر مقلد ہونا وغیرہ یقیناً اسکے اختیاری امور نہیں۔ اگر وہ نہ ہی چاہے تب بھی یہ جذبات اس کے دل پر باجھ کر رہتے رہتے اور عمل کے جامد میں غایاں ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ اس وقت سے ان جذبات کو لئے ہوئے ہوتا ہے جبکہ اختیار و عدم اختیار کی حقیقت بھی اس کے دائرہ فہم میں نہیں ہوتی اور اعتسار اور اختیار کا ہر پہلو اس میں تھرت کرنے کے لئے شریعت اس کے کوئی خطا نہیں کر سکتی۔ یعنی یہ امور اگر مسلم و کافر میں مشترک ہیں تو منہج تشبیہ کے ذریعہ اس اشتراک کو

مٹانے کی کوئی سعی نہیں کی جائیگی۔ نہیں کہا جائیگا کہ اگر غیر مسلم کھاتے پیتے ہیں تو مسلم انکے خلاف ترک تشبہ کے ذریعہ بھوکا مر جائے۔ یا وہ ناک کان رکھتے ہیں تو یہ کاٹ ڈالے اور وہ اگر انسان ہیں تو یہ لایق جانور ہو جائے۔ کیونکہ مسلم و کافر کا یہ جبلی اشتراک یا عدم امتیاز جبکہ قدرتی ہے تو انسان اُس کے مٹانے پر قادر ہی ہے اور نہ اُس کے باقی رہنے میں مصلحت حدود یا تحریب حقائق کی کوئی مضرت ہی ہے۔ انسان کے بس ہی میں نہیں کہ وہ انسان نہ رہے بلکہ گدھا بن جائے یا حواس اور نامی نہ رہے بلکہ اینٹ پتھر ہو جائے۔ اور جبکہ انواع کی یہ قدرتی حدود اس درجہ مشہور طایا امتیاز اور حد معین و قدر معلوم پر ہیں کہ انسان کی کوئی ارادی حرکت نہ نہیں مٹا سکتی اور نہ اُن میں تلخی کر سکتی ہے کہ وہما ننزلہ الا بقدر معلوم۔ تو پھر ترک تشبہ کے ذریعہ ایک ناممکن الباس کی روک تھام کرنے کی تکلیف دیا جانا بلاشبہ عبث اور خلاف حکمت امر ہوگا۔ جس سے خدا اور اسکی پاک شریعت بری ہے۔

پس شریعت اسلامی اپنے ادا امر و نواہی کے ذریعہ انسانی افعال کی تہذیب و تاشیگی تو کرے گی لیکن امور میں انسان کو کوئی خطاب نہیں کرے گی جو براہ راست خدا کے قوائے بدترہ سے انصرام پارہے ہوں۔

وہ یہ حکم تو نہ دیگی کہ تم تشبہ بالیغیر کے خوف سے کھانا پینا ترک کر دو کہ غیر مسلم بھی ایسا کرتے ہیں کیونکہ یہ تمھارا اکتسابی عمل ہی کب ہے؟ لیکن یہ حکم ضرور دیگی کہ تم اپنے آداب خورد و نوش کو ترک تشبہ کے ذریعہ ممتاز بناؤ کہ طریق خورد و نوش ہر طرح تمھارا ہی اختیار ہی فعل ہو۔

وہ نہیں کہیگی کہ تم ترک تشبہ کے داعیہ سے لباس ہی ترک کر دو کہ غیر مسلم لباس پہنتے ہیں کیونکہ تلبش و تن پوشی تو انسانیت کا ایک غیر اختیاری شعار ہے لیکن یہ ضرور کہیگی کہ تم لباس کی وضع و تراش کو غیر اقوام کے لباس سے ممتاز اور نمایاں رکھو کہ یہ ضرور تمھارے حدود اختیار میں ہے۔

شریعت کبھی نہیں کہیگی کہ تم غیر مسلموں کی ناک کان وغیرہ دیکھ کر ترک تشبہ سے اپنی اعضا

بدن کاٹ ڈالو کہ یہ اعضا، تمہاری اختیار و ایجاد سے کب موجود ہوئے۔ ہاں مگر یہ ضرور کہیگی کہ تمہاری چہری اور بدن کا تجل غیر اقوام کی زمینتوں سے نمایاں ہو کہ یہ تو سراسر تمہارا ہی اختیار فی فعل ہے۔ شریعت ہرگز حکم نہیں کریگی کہ غیر مسلموں کو عبادۃ کرتے ہوئے دیکھ کر تم عبادۃ ترک کر دو کہ جذبہ عبادۃ محض فطری داعیہ ہے۔ لیکن یہ حکم ضرور کرے گی کہ اپنی مکمل طرق عبادۃ کو غیر اقوام کے اذہورے طرق سے ضرور ممتاز کر دو کہ یہ بلاشبہ تمہارا اختیار فی فعل ہے۔

اسی طرح وہ خطاب کرے گی کہ اگر غیر اقوام متمدن ہیں تو تم نفس متمدن ہی کا استیصال کر دو کہ بدنی الطبع ہونا اور جانوروں کی طرح جنگلوں اور بھٹوں میں نہ گزار سکتا انسان کی ایک غیر اختیاری خواہش ہے۔ ہاں مگر وہ یہ خطاب لاحقہ کرے گی کہ تم اپنے متمدن کے اصول اور اسکے روایتی دستہ کو غیروں کے دساتیر سے ممتاز بناؤ کہ یہ تو بلاشبہ تمہارا ہی اختیار فی فعل ہے۔

پس اب بعض سطح نظر انسانوں اور ان انسانوں کا رجوع بیکاری سے دلچسپی رکھنے کے سبب عمل کے بجائے بھی گویا شبہات ہی اٹھانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، یہ کہنا بالکل پچر اور حقیقت ناشناہی پر مبنی ہوگا کہ اگر تشبہ بالکفار حرام ہے تو ناک کا بھی کٹاؤ کہ کفار بھی ناک کاٹ رکھتے ہیں؛ سونا جاگنا وغیرہ بھی چھوڑ دو کہ وہ بھی سارے کام کرتے ہیں دگیا ترک تشبہ ایک ناممکن عمل مسئلہ ہے اور تشبہ و مشابہت فطرۃ کا اقتضا، کیونکہ میست کے سلسلہ میں شریعت کو اختیاری اور تشریعی حیثیت سے امتیاز پیدا کرنا ہے نہ کہ تکوینی اور خلقی حیثیت سے اور نہسانی افعال کو البتہ اس سے بچانا ہی نہ کہ خدا کے افعال کو۔ نیز ایسے دانشمندوں سے الزامی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ تشبہ و مشارکتہ کا فتویٰ دیدینا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی عقل کا دشمن جماع زوجہ کے حلال ہونے سے زنا کے جواز پر اسستہ لال کرنے لگے کہ صورتاً و کیفیاً زنا و جماع یکساں ہیں پس اگر یہ عقلمند جماع زوجہ کی مشابہت سے زنا کے حلال ہونے یا زنا کی مشابہت سے جماع زوجہ کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر کر دیں گے تو ممکن ہے کہ ان کے اس سوال پر بھی کوئی فور کیا جائے۔

طبعی امور بہر حال مسئلہ تشبیہ کا تعلق اضطراری اور تکوینی امور سے کچھ نہیں وہ تو دیگر مسائل
تشریح کی طرح صرف اختیاری امور پر دائر ہے، لیکن اختیاری امور کی دو قسمیں ہیں طبعی اور قسری
طبعی اغال سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ اختیاری ہونے کی ساتھ ساتھ جبلت و خلق کے کسی انداز
داعیہ سے سرزد ہوں نہ کہ کسی بیرونی تعلیم اور سکھانے یا بتلانے سے جیسے کھانا پینا وغیرہ کہ گو وہ
انسان کا اختیاری فعل ہے مگر اس کا منشاء بھوک پیاس وغیرہ اختیاری ہے اسلئے یہ باوجود
اختیاری ہونے کے بھی چونکہ طبعی ہے اسلئے گویا اضطراری ہے۔ پس ایسے بھی ہم ترک تشبیہ کے
مکلف نہ ہوں گے۔

تعمیدی امور قسری امور وہ ہیں جو کوئی دلی جذبہ کے ماتحت ظاہر ہوں مگر ان کا ظہور زیادہ
بیرونی آثار اور خارجہ تعلیمات کا رین مشقت ہو۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ تعمیدی اور تعودی
یعنی وہ تعلیم کردہ اعمال یا عبادات اور دین کی قسم سے ہونگے یا عادات اور معاشرت وغیرہ
کی قسم سے صورت اولی (مذہبی امور) میں تشبیہ بالغیر حرام ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ کی طرح
سبب پر صلیب لٹکا لینا۔

بتو و کی طرح زنا را باہر دینا یا پیشانی پر نقشہ لٹکا لینا۔ اور سکھوں کی طرح ہاتھ میں لہجہ کا
گردا بہن لینا۔ وغیرہ کہ ہم اس خرمشہ ہی سے ملتوں کا اقتدار قائم ہو سکتے ہیں۔ اور شرع حلال
یا حلالہ کے اختلاط و الجس کی بنا ہی سے بچ سکتے ہیں۔

شیخ بالذات امور اور اگر تعودی یا معاشرتی امور ہوں تو بھران کی وسعت میں یہ یا
امور شیخ بالذات ہونگے یا سراج بالذات اگر شیخ بالذات میں قائل ہو کہ یہ حرام ہے تو
مثلاً ٹخنوں سے نیچا پتلون۔ یا مکلف بالحریرہ کو شہ یا کسی قوم کی ایسی حرکت جس میں اس کے
مہودان باطلہ کی کوئی عظمت ظاہر نہ ہوتی ہو وغیرہ۔ کیونکہ تشبیہ بالغیر کے علاوہ ان کی صورت
قریباً تمام موجود ہیں کہ اس میں بالخیلار تکلیف تہذیبیہ تعظیم اعمان وغیرہ خود بالذات معتقات
تشبیہ عمیہ ہیں۔

شعار اقوام اور اگر وہ امور مباح بالذات ہیں تو پھر دو صورتیں یا وہ امور کسی غیر قوم کا شعار اور امتیازی نشان ہوں گے یا ایسا ہوگا۔ اگر شعار میں تو پھر بھی تشبیہ قریب بہ حرام ہو جس کو فقہانے اپنی اصطلاح میں مکروہ تحریمی سے تعبیر کیا ہو۔ مثلاً غیر اقوام کا وہ مخصوص لباس جو صرف انہی کی طرف منسوب اور انہی کی نسبت سے مشہور ہو اور اسکے استعمال سے استعمال کرنے والا اسی قوم کا فرد سمجھا جانے لگے۔ جیسے نصیرانیوں کی ٹوپی یا کسی قوم کا کلاخی شعار یا رجز وغیرہ جسکی تفصیل اپنے موقع پر آجائیگی۔

ذی بدل اشیا اور اگر غیر شعار ہیں تو پھر دو صورتیں یا وہ غیر شعار امور ایسے ہوں گے کہ جن کا بدل مسلمانوں کے یہاں موجود ہوگا یا نہیں؟ اگر ان کا بدل موجود ہے تو پھر ان امور میں بھی تشبیہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اسلامی غیرت و حمیت کا اقتضای یہی ہے۔ کہ ہم اقوام کی ان اشیا کو ترک کریں جن کا بدل ہمارے پاس موجود ہے۔ ورنہ یہ ایک بے عزتی اور اپنے آپ کو خواہ مخواہ اختیار کا دستنگر بنادینا ہے۔ جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک میں عربی کمان لئے ہوئے تھے کہ آپ نے کسی کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو ناخوشی سے فرمایا کہ یہ کیا لئے ہوئے ہو؟ اسے پھینک دو اور عربی کمان رکھو کہ جس کے ذریعہ خدا نے تمہیں قوت و شوکت دی اور بلاد ارض کو مہم تو ج کیسا۔ چونکہ فارسی کمان کا بدل عربی کمان موجود تھی اسلئے غیرت دلا کر حضور نے روک دیا تاکہ غیر اقوام کے ساتھ ہر ممکن سے ممکن امتیاز پیدا ہو جائے اور چھوٹے سے چھوٹا اشتراک منقطع ہو کر ایک مسلم اپنی ہی ہستی کے ساتھ نمایاں ہو۔ ورنہ اگر مسلم قوم اپنے گھر سے بے خبر ہو کر بلکہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادات و معاشرت کا اتباع کرنے لگیں تو ان کی مثال ایسی ہی ہو جاتی

ایک سید پر نان شراب فرق سہر	تو ہی جوئی سب نان در ہر
تا بہ دانوئے مہمان قہر آب	وز عطش و زجوع تشنگی خراب
مثنوی انتہی امور	ہاں اگر غیر اقوام کی اشیا ایسی ہیں کہ ان کا کوئی بدل اسلامیانہ کے پاس نہیں جیسے آج یورپ کی نئی نئی ایجادات۔ جدید اسلحہ تان و معاشرت کے نئے نئے سامان

تو اسکی پھر دو صورتیں ہیں یا ان کا استعمال تشبہ کی نیت سے کیا جائے یا بغیر نیت تشبہ پہلی صورت میں استعمال جائز ہوگا۔ کیونکہ تشبہ بالکفار کو نیت و ارادۃ مقصود بنالینا انکی طرف میلان و رغبت بغیر نہیں ہو سکتا اور کفار کی طرف میلان یقیناً اسلام کی چیز نہیں بلکہ اسلام سے نکال دینے والی چیز ہے۔ قرآن کریم نے توصات اعلان فرمادیا ہو۔ وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا تَمْسِكُوا النَّارَ
 نیز غیر مسلموں کی کورانہ تقلید کسی مسلم کو کبھی بام عروج پر نہیں پہنچا سکتی جیسا کہ ظلمتہ کی تقلید نور کی چمک میں مرض کی تقلید صحتہ میں اور کسی ضد کی تقلید دوسری ضد میں کوئی اضافہ قوت نہین پیدا کر سکتی۔ ہاں اگر ان چیزوں میں تشبہ کی نیت نہ ہو بلکہ اتفاقی طور پر استعمال میں آرہی ہوں قصہ و رتہ کی حد تک انکے استعمال میں کوئی شرعی حرج نہیں۔

سید ذریعہ اور احتیاط | ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تمام تفادات اور فرق مراتب علم و اعتقاد کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ عملاً ہر درجہ تشبہ کو ممنوع العمل قرار دے لینا ہی ایک مسلمان کے لئے احتیاط اور حقیقی پرہیزگاری کا باعث ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر تمدن و معاشرہ کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ اور اس سلسلہ کی ایک کڑی دوسری کو کھینچ پیتی ہے۔ پس کسی تمدن کی کسی چیز کو اختیار کر لینا گویا دوسری چیز کے لئے راستہ صاف کر دینا ہی تو اس طرح انجام کار پورے ہی تمدن کا حلقہ اپنے گردن میں ڈال لینا ہے۔ اسلئے بطور سہ ذرائع تشبہ کی ان تمام مراتب سے خواہ وہ حرام ہوں یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی عمل کے دائرہ میں یکساں ہی ممانعت کی جائے گی۔

کیونکہ شریعت کا یہ ایک جداگانہ اصول ہے کہ وہ ان امور سے بھی ایک مکلف کو الگ کہتی ہے جو جواز و عدم جواز کے درمیان اشتباہ کا درجہ رکھتے ہوں کیونکہ وہ حسب طح حلال سے متصل ہیں اسطرح حرام سے بھی متصل ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ ہر ایک انسان بجائے حلال کے ان کے ذریعہ حرام میں مبتلا ہو جائے۔ چنانچہ بخاری کی ایک حدیث میں صاف لفظوں میں اعلان فرمادیا گیا کہ۔

ومن وقع في الشبهات كراعى يرد على حولا
 جو شخص مشبہات میں پڑ گیا وہ اس پر داس کے مانند ہے

يُوشَاكَ ان يُوَاقِعَهُ الْكَافَانُ لِكُلِّ مَلِكٍ حَيٍّ

اَلْكَافَانُ هَجْلِيٌّ لِّلْهَادِثِيَّةِ

یوشاکانی چراگاہ کے قریب اور گرد و پیش ہی میں پڑ چکا ہے

قریب ہے کہ چراگاہ میں گھس جائیگا اور سلطان عتاب کا

سورہ ہو جائیگا خبردار ہوا بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے ہمنوا اللہ کی چراگاہ اُس کے حریمات ہیں۔ اور اُس کا قریبی گرد و پیش

مشتبہات ہیں پس مشتبہات میں پڑ جائیگا ضرور ہے کہ محرمات کا ارتکاب کرنے لگے گا

پس حدیث نے تنبیہ کی کہ تم جائزات اور حلال امور پر قناعت کرو۔

نہیں بلکہ بعض اوقات اُمت کے ارباب تقویٰ و تدبیرین احتیاط اور پربہتر نگاہی کے دائرہ میں بعض

ایسے جائز امور کو بھی ترک کر دیتے ہیں جن کیلئے نہ کوئی صریح ممانعت ہوتی ہے نہ اُن کے کر لینے پر

کوئی شرعی تکبر و ملامت۔ لیکن اس وجہ سے کہ زیادہ امور ان کے فراست میں کسی بھی شرعی کے بعد۔

محکمات میں سے ہوتے ہیں یا بالکل جائز ہونے کے باوجود قوتِ قریبہ کے ساتھ کسی ناجائز حد تک

پہنچا دینے کا ہیش خیمہ بن سکتے ہیں۔ جیسے حدیث میں فرمایا گیا۔

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ سرامہ جس شربت کے کثیر حصہ میں نشہ ہوا اس کا قلیل حصہ بھی حرام

حالا کہ اس قلیل میں مسکر اور نشہ نہیں لیکن قلیل ہی اس کثیر تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتا

اس لئے حرام ہو گیا۔

یا حدیث میں فرمایا گیا۔

من اتى عرفا فقد كفر بما انزل على محمد بن شخص کا ہنوں کے پاس گیا اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کہا ہے ہوئے تانوں کے ساتھ کفر کیا۔

صلی اللہ علیہ وسلم

حالا کہ کافران اور ساحر کی بتائی ہوئی چیزوں کو ماننا اور اُن پر عمل درآمد کرنا کفر ہے لیکن محض اُس کے

پاس چلانا اور اُس کے نزدیک سے گزرنا کفر نہ تھا۔ مگر چونکہ یہ آنا اور گزرنا ہی اُس کی باتیں سننے

اور پھر اُن کو ماننے اور پھر اُن پر عمل درآمد کرنے کا ذریعہ قریبہ تھا اس لئے اُس سے بھی کفر کا پھر وکد یا گیا

اسی لئے صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں۔

چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بہت بچو۔

ایاکم دخرات الدنویہ

کیونکہ یہ حقیر گناہ ہی عظیم گناہوں کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔ اسی لئے جہاں قرآن کریم نے فرمایا:
 لَا يَزْنُونَ (مومن زنا کار نہیں ہوتے) اور زنا سے ممانعت کی وہیں یہ بھی فرمایا کہ۔

لَا تَقْرَبُوا الزَّانَا | زنا کے قریب بھی مت ہو۔

یعنی وداعی زنا مثل کس و تقبیل۔ یا شتم و راجح۔ یا قربت۔ یا خلوت سے بھی بچو کہ یہی چیزیں زنا سے
 قریبی وسائل ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے حدود اللہ کی حفاظت کا حکم ان الفاظ میں دیا کہ۔

لَا تَقْرَبُوا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ تَقَرَّبْتُمْ بِهِنَّ | یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب بھی مت آؤ۔

یعنی گو قریب آنا فی نفسہ گناہ نہ تھا لیکن گناہ کا پیش خیمہ تھا اس لئے قربت بھی ممنوع ہو گئی۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کر نیکی مانوت فرمائی تو صدیق اکبر
 رضی اللہ عنہ نے اپنے کوڑا اٹھا دینے کا بھی کسی سے سوال نہ کیا جو گھوڑے سے گر پڑا تھا، بلکہ خود ہی
 اتر کر اٹھایا۔ حالانکہ فی نفسہ یہ سوال جائز تھا۔ مگر اس کا یہی سوال کے بعد محملات لفظی میں سے ہونا
 بھی ممکن تھا، اس لئے احتیاطاً اس بےیدامکان سے بھی ترک کئے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی آواز
 کرنے کی ممانعت فرمائی اور کہا۔

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

دلا بجمہر والہ بالقول کہہ کر بعض تم بعضاً

اوی گوی کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا مت کرو اور اونچی

سطح چہرے سے مت ہو جو سطح قدم ایک دوسرے سے بلند

آواز سے ہوتے ہو۔

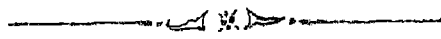
تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے چھوری الصوت، اتنا آہستہ بولنے لگے تھے کہ ان کی بات برابر
 سنائی نہیں دیتی تھی۔ حالانکہ اتنی پست آوازی کا حکم نہ تھا لیکن تقویٰ کی احتیاط بہت سے
 جائز حصول کو بھی چھوڑا دیتی ہے جبکہ ان جائزات سے ممنوعات کا راستہ صاف ہوتا ہو
 پس حسب طبع ان مختلف انواع۔ رعنی تہی۔ مست تہی۔ انبیان کاہن۔ قربت زنا۔ احتراز صغار۔
 اقرب آپ حدود۔ رفع اصوات اور مسلسل سوال کی کتنی ہی مشتبہ یا جائز حدود و محض اس لئے ترک

ہ کی گئیں تاکہ ممنوع حدود تک کسی کی رسائی ہی نہ ہو سکے۔ اس طرح مسئلہ تشبیہ کے بارہ میں بھی شریعت کی نصوص اور عام قواعد شرعیہ اس طرف راہنمائی کرتے ہیں کہ جس طرح اُسکے ممنوع حدود سے احتراز کیا جائے اسی طرح اُنکی مشتبہہ یا بعض جائز حدود بھی پوری قوت کے ساتھ علماً احتراز کیا جائے تاکہ حد حرام و ممنوع تک نہ پہنچ سکیں دامنہ الکبیرۃ الا علی الخشعین۔

ان چند فصلوں میں ہم نے مذاہب و اقوام کے اصلی صورت پر نہ رہتے اور انجام کا اُسکے مرٹ جانے کی اصولی اور کلی حقیقت کہ وہ تشبیہ بالا غیر تشبیہ کے تفصیلی مراتب کی فقہی کیفیت پیش کی جسکو عقل نقل اور محسوسات و طبیعات سے باوجود کم مانگی اور بے بضاعتی کے میں نے اپنی بساط کی قدر واضح کرنے میں کوشش کی۔ اور الحمد للہ کہ عقل سلیم اور نقل صحیح سے اس موضوع کو جس قدر واضح کرنے کی ضرورت تھی وہ بالا حال واضح ہو چکا اور ثابت ہو گیا کہ اصولاً شریعت کا تشبیہ سے بحث کرنا کسی خود بینی یا تعصب پر مبنی نہیں ہے بلکہ غیرت و حمیت اور تحفظ خود اختیاری پر اور اسپر کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلائی جاسکتی جب تک کہ اس کی خطیہ پائندار اور مستقل نہوں۔ اور جبکہ اسلام کی امتیازی خصائص ہر حیثیت سے حق مستقل قابل تبدیل اور لازوال ہیں۔ تو سب سے زیادہ بلکہ صرف ایک اسلام ہی کو حق بھی ہے کہ وہ دنیا کی ساری قومیتوں کو مٹا کر اپنی برادری میں مدغم کرے۔ اور اپنے ہی مخصوص رنگ سے ساری دنیا کو رنگ دے۔ یعنی قطع تشبیہ کے اصول کو بر ملا استعمال کر کے غیر اقوام سے اپنی قوم کو بالکل متمازن بنائے۔ اگر اسلام اس مسلک تشبیہ بالا غیرت و تشبیہ جس سے قومیتوں پر فتنائاری ہوتی ہے جس سے ابتداً اتحاد و زندہ اور تہاباً کفر و مرجع و خود پذیر ہو تا ہے، کے اسناد کے طریقے تعلیم کرتا اور اس کی ریشہ و اینوں کو نہ رد کرتا تو یہ اسکے چہرہ تمام دکمال پر ایک نہایت ہی بدنام دھبہ ہوتا لیکن اسلام جس طرح ہر نقص کے دھبہ سے پاک ہے اس طرح اس عیب سے بھی پاک ہے۔ کہ اس میں مسئلہ تشبیہ پر کوئی شافی بحث نہ ہو۔

اسلام نے اپنی کمیل تعلیم کے صفحات میں تشبیہ بالا اقوام پر بھی کافی اور مکمل روشنی ڈالی ہے

اور انشاء اللہ ہم فروعی ابواب میں ثابت کرین گے کہ اسلام کے تمام شعبوں رعادات و عبادات - حدود و کفارات - معاملات و سیاسیات - تدابیر تمدن طرق تہذیب مثل اخلاق آداب معاشرت - اصول طعام و شراب - قوانین خزانہ و بیداری - پھر تمام وہ کیفیات جو ایک انسان پر خلوة و جلوة - انفراد و اجتماع - نفسی و فانی - مادی و روحانی طور پر سنگتی ہیں اسکے ہر ہر پہلو میں ترک تہذیب کی تعلیم موجود ہے۔ گویا اسلام کا مجموعی مرقعہ ہی ترک تہذیب کا ایک درس عبرت آموز ہے۔ مگر انہی توفیق شعار انسانوں کیلئے جو علم اہل میں اس عبرت سے مستفید ہونے کیلئے چھٹ لئے گئے تھے۔ مسئلہ تہذیب کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اب ہم آئندہ باب کی چند فصلوں میں ان شبہات کا ازالہ کریں گے جو اس سلسلہ پر اب تک کئے گئے ہیں +



باب دوم

بحث و تنقید

حَدِيثٌ مِنْ تَشْبِہٍ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

یہاں تک الحمد للہ مسئلہ کا ہر پہلو تحقیق کی روشنی میں آچکا ہے۔ اور مسئلہ تشبیہ کی حقیقت۔ اسکی ضرورت اور شریعت کا اس کے بارہ میں انتہائی اہتمام کرنا سامنے لایا جا چکا ہے۔ ہاں ابھی تک یہ ضرورت باقی ہے کہ ہم ان نکتہ چینیوں اور شبہات و دوسادس کی بھی ممانعت کریں جو سطحی النظر لوگوں کی طرف سے اس مسئلہ کو خدوش بنانے کیلئے کئے گئے اور تاحال کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ پھر مسئلہ تشبیہ بالکل مغمیا ہو جائے اور ایک جوئے عمل کیلئے شاہراہِ عمل نمایاں ہو سکے۔

ان شبہات و خدشات کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ بعض کا اثر مسئلہ کے اعتقاد پر پڑتا ہے اور بعض کا عمل پر۔ یعنی بعض شبہات کا حاصل سرے سے مسئلہ ہی کی تکذیب و تغیط ہے اور بعض کا محصول عمل کی تعطیل۔ پھر اعتقادی خدشات میں بھی دو پہلو اختیار کئے گئے ہیں۔ بعض نے شرعی مسئلہ کی تکذیب میں خود شریعت ہی کو آلہ کار بنایا ہے اور گویا تردید مسئلہ کی منزل پر وہ لوگ توادیل کی راہ سے پہنچے ہیں تاکہ ان کو تکذیب دین نہ کہا جاسکے۔ اور بعض عاقبت ناشناسوں نے اس منصوص مسئلہ کی تکذیب میں اسکی بھی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ صرف اپنے اہواء و خیالات ہی کو تردید کی کافی وجہ خیال کر کے شریعت کے بالمقابل خم ٹھوک کر گھر سے ہو گئے ہیں۔ ہم بھول اللہ و قوت ہر فریق کے استدلال پر بالترتیب پہلے بحث و تنقید کی نظر ڈالینگے اور پھر تحقیق کی۔ یعنی مناظرانہ اور الزامانہ جواب کے بعد اسکی حقیقت نمایاں کریں گے کہ اصل حقیقت کیا تھی؟ جس کو حقیقت ناشناسوں نے اپنی کج فہمی سے اس حد تک پہنچایا کہ وہ حقیقت کے بجائے ایک منسلطہ اور دھوکہ نظر آسنے لگی

و بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ +

فصل

پہلی قسم کے لوگوں نے جو مجتہدانہ یا مؤولانہ رنگ سے میدان خلافت میں آئے، قوتی لکھروں۔ سیاسی خطبوں اور مطبوع تحریروں میں بہت ہی بلند بانگ ہو کر دعویٰ کیا کہ مسئلہ منع تشبیہ ایک ناممکن عمل اور غیر معقول مسئلہ ہو۔

اور مسئلہ تشبیہ کی صریحی بنا، حدیث من تشبیہ بقوم ذہو منہم پر تھی اسلئے اس حدیث کے رد و تضعیف میں انہوں نے اپنا سارا دماغی زور صرف کیا ہے۔

سر سید بانی کالج علیگڑھ جنکا اہم مقصد مسلمانوں کے دل و دماغ سے ان کے قدیم مخصوص اوضاع و شعائر کی اہمیت کا نکلانا تھا۔ اس طبقہ کے پیش رو ہیں۔ انہوں نے اس حدیث کو اپنے مقصد میں حائل دیکھ کر اسکو گرانے اور ساقط الاعتبار بنانے میں اپنے ایک موقت رسالے تہذیب الاخلاق کے کتنے ہی صفحات رنگے ہیں۔ اور اپنے زور قوت کے موافق مسئلہ منع تشبیہ کا امتیصال کر دیا ہے۔ انہوں نے حدیث مذکور پر چہرے مشبہات وارد کئے ہیں۔ پہلا شبہہ روایت اور سند کے اعتبار سے ہے۔ اور پانچ شبہہ روایت اور تفقہ کے لحاظ سے ہیں۔ روایتی شبہات یعنی ضعیف روایت یا انقطاع کے متعلق وہ تہذیب الاخلاق جلد چہارم باب ۲۹۱ کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں کہ۔

”اول تو چھکویہ بیان کرنا چاہئے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ نہ روایت اور نہ درایت

روایت تو اسلئے ثابت نہیں کہ جو سند اس حدیث کی بیان ہوئی ہے اُس سے

اتصال سند کا رسول خدا تک ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ جو الفاظ روایت کے ہیں

اُن سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ حسان اور ابی مہینک درمیان میں اور کوئی راوی

نہو پس جبکہ مسلسل روایات غیر ثابت ہے تو وہ حدیث فی نفسہ ثابت نہیں۔“

اس عجول شبہہ کے متعلق ہمیں کسی جو اپنی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا بہتوں میں حل

اتفاق سے محدث شہیر حافظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب اقتصاد الصراط المستقیم میں کر دیا ہے۔ اولاً حدیث مع سند حسب ذیل ہے۔

پہلے راوی عثمان بن ابی شیبہ ہیں۔ دوسرے ابو النضر
تیسرے ہاشم بن القاسم۔ چوتھے عبد الرحمن بن ثابت۔
پانچویں حسان بن عطیہ۔ چھٹے ابو منیب جرشی ہیں جنہوں
نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے کسی قوم
کیساتھ مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم میں سے ہو گیا۔

حدیث عثمان بن ابی شیبہ قال حدثنا ابو النضر
یعنی ہاشم بن القاسم قال حدثنا عبد الرحمن
بن ثابت قال حدثنا حسان بن عطیہ عن
ابی منیب الجرشی عن ابن عمر قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ
بقوم فهو منهم رواہ ابو داؤد بن ماجہ واکافیہ

حافظ ابن تیمیہ نے اسکے پانچوں رجال کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

ابن ابی شیبہ۔ ابو النضر حسان بن عطیہ۔ صحیحین کے ان مشاہیر اور اجلہ رواۃ میں سے
ہیں کہ ان کی ثقہ و عدالت ہرگز اس قول کی محتاج نہیں کہ وہ صحیحین کے رجال میں سے ہیں بلکہ
صحیحین کے رجال کی جماعت اسلئے ایک سنہری لڑی ہے کہ ان جیسے ثقہ حضرات اس زنجیر کی
کڑیاں ہیں۔

عبد الرحمن بن ثابت ان رواۃ میں سے ہیں کہ یحییٰ بن معین ابو زرعہ اور احمد بن عبد اللہ
اللہ جرح و تعدیل نے ان کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے بہ باس دانکے بارہ میں کوئی جرح و
غلطی نہیں ہے، اور عبد الرحمن بن ابراہیم نے فرمایا کہ ہوثقہ ابو حاتم جیسے امام نے فرمایا کہ ہو
مستقیم الحدیث۔

ابو منیب جرشی بھی ان صدوق رواۃ میں سے ہیں جنکے متعلق احمد بن عبد اللہ العجلی فرماتے
ہیں کہ ہوثقہ وہ ثقہ ہیں، میں نہیں جانتا کہ کسی نے برائی سے ان کا ذکر کیا ہو۔ اس بیان
سے سید موصوف کی تفسیر رواۃ جو ہنوز پردہ خفائش سے ہمایا منشور ہو جاتی ہے۔

مسند صاحب فرماتے ہیں کہ "کیونکہ جو الفاظ روایت کے میں ان سے یہ بات لازم نہیں ہے"

کہ حسان اور ابی مہزیب کے درمیان میں اور کوئی راوی نہ ہو، لیکن اول تو سلسلہ سند پر الفاظ حدیث سے جرح کرنا ہی جرح و تعدیل کا ایک اٹوکھا اصول ہے۔ اور پھر وہ دعویٰ انقطاع مذکور بھی تو نہیں کہ یہ بات لازم نہیں آتی۔

پس یہ بات مدلل تو کیا ہوتی کہ حسان اور ابی مہزیب کے درمیان میں انقطاع ہے اور سماع ثابت نہیں اور اُلٹی جھول بھی رہ گئی اسلئے جواب یہ ہی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن تبرعاً اس انقطاع کا جواب یہ ہے جو ابن تیمیہ نے دیا ہو کہ۔

وقد سمع منہ حسان بن عطیة وقد اُحییٰ
اکامام احمد وغیرہ بعد الحدیث .

حسان بن عطیہ کا ابی مہزیب کے سماع ثابت ہو اور امام احمد وغیرہ نے اس حدیث کو حجتہ سمجھا اور اس سے احتجاج کیا ہے۔
را تفتاویٰ امیر المصنفین ص ۳۹۱ =

پس ابن تیمیہ کے اثبات سماع کے مقابلہ میں مسند صاحب کی نفی سماع کیا وقت ہے کہہ سکتی ہے اور امام احمد کے احتجاج کے مقابلہ میں ان کا حدیث کو حجتہ نہ ماننا ہمارے نزدیک کیا اہمیت رکھتا ہے پھر نہ صرف اسی ایک سند اور ایک کتاب پر اس حدیث کا مدار ہے۔ بلکہ بلہانی نے اپنے مجملہ نمبر اور واسط میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اور ہزار نے اپنے مسند میں حذیفہ وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے پھر ابونعیم نے تاریخ اصحابان میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور قضا عی نے طائوس سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ نیز مستدرج جامع صغیر اور ابن قیم کہتے ہیں کہ حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ زاد المعاد ص ۳۱۱ جلد ۱۔

پس اگر کسی ایک سند میں ضعف بھی تسلیم کر لیا جائے تو کثرت طرق کی قوتہ حسب اصول حدیث اس ضعف کا کافی تدارک ہے۔ اسلئے کسی کا منہ نہیں ہے کہ غرض خلاف اغراض ہونے کی وجہ سے اس حدیث کی تضعیف کے درپے ہو۔ اور کسی کلام نبویہ کو اپنی رائے پر قربان کرنے سے عاذا باللہ نہ۔

فصل

درستی شبہات

—*— پہلا شبہ —*—

سر سید تہذیب الاخلاق جلد چہارم کے صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ: ”راوی نے موردِ حدیث بیان نہیں کیا اور لفظ تشبیہ کا جو حدیث میں واقع ہے موردِ حدیث کے نہ معلوم ہونے سے کسی حکم بدلولی یا استنباطی یا قیاسی کا فائدہ نہیں دیتا ہے۔“

اول تو یہی غلط ہے کہ حدیث کا مورد متعین نہیں ہے۔ جبکہ تمام صحابہ مختلف مواقعِ دین دنیاء میں اس حدیث سے احتجاج کر رہے ہیں (جیسا کہ ہم پہلے باب میں اس حدیث کے تحت پیش کر چکے ہیں اور آئندہ دوسرے حصص میں جسزئیات کا ذخیرہ انشاء اللہ پیش کریں گے)۔ تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مورد متعین نہیں۔ جن جن مواقع میں اسکو استعمال کیا گیا، کم از کم وہ موقع تو موردِ بحث کی صلاحیت ضرور ہی رکھتے ہیں۔ لیکن اگر بالفرض مورد متعین نہیں بھی ہے تو نہ ہو کہ حدیث کے کلمات تالیفہ خود بامعنی اور موضوع ہیں نہ کہ جمل اور بے معنی۔

پس عام قواعدِ شریعت کے دائرہ میں رہ کر اسکے لغوی بدلول سے ہی حدیث کی مراد متعین کیجا سکتی ہے بلکہ اصول فقہ کے قواعد نے تو یہاں تک واضح کر دیا ہے کہ اگر مورد متعین بھی ہے تب بھی اس کا اعتبار نہیں، اعتبار صرف عموم کلمات کا کیا جاتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا۔ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد۔ اس لئے یہ سوال ہی نہیں اور بے معنی ہے۔

دوسرا شبہ

پھر سر سید صاحب تہذیب الاخلاق کے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ: ”دوسرے یہ کہ لفظ قوم جو اس

حدیث میں ہے وہ بھی کسی نتیجہ کا فائدہ نہیں دیتا۔ کسی قوم کا ہونا یا کسی قوم کے مشابہہ بننا کسی نتیجہ شرعی کو مفید نہیں ہے۔ ایک ہندوستانی مسلمان نے عربی یا ایرانی یا پٹھانی یا رومی یا انگریزی پوشاک پہن کر اپنے بنین مشابہہ ان قوموں کے بنایا اور لوگوں نے بھی اسکو اسی قوم کا سمجھا تو پھر اس سے نتیجہ شرعی کیا نکلا؟

(جواب)

نتیجہ شرعی ایک نہیں بلکہ متعدد نکلتے ہیں۔

۱۔ امتیاز ایک مہلک نتیجہ یہ نکلا کہ اقوام کفر و اسلام میں کوئی ظاہری امتیاز نہ رہا۔ حالانکہ شریعت کا مقصود اقوام میں باہمی امتیاز پیدا کرنا ہے۔ جتنا کہ وہ اقوام ہیں نہ کہ تلبیس و التباس چنانچہ آیات و احادیث اور فرامین خلفاء راشدین وغیرہ سے اس مقصود پر کافی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تشبہ کے بعد شریعت کا یہ معقول مقصد (امتیاز اقوام) فوت ہو جاتا ہے۔

تقویۃ حجتہ کفار | امتیاز مٹ کر جبکہ صورت التباس و اشتراک پیدا ہو گا۔ تو اس ظاہری اشتراک عمل ہی سے کفار کو مسلمانوں پر ایک حجتہ ہاتھ آجائیگی، جس کو بطور نظیر قائم کر کے وہ دوسرے امور میں بھی ایسے ہی اختلاط و التباس کی طمع رکھ سکیں گے۔ حالانکہ ان کی ظاہری حجتہ تک کو بھی قطع کر دینا اسلام کا ایک اہم مقصد ہے۔ جیسا کہ نسخ قبلہ سے اسی ظاہری مشارکتہ عبادۃ یا صوری یک رخی دیک جہتی کو مٹایا گیا لئلا یكون للناس علیک حجتہ۔

استحفات اذنیع شریعت | شریعت اسلام نے اصولی طور پر لباس کی سادگی و بذاذۃ کے متعلق جو حدود و قائم کی ہیں اور ان سے جن روحانی منافع کو ملحوظ رکھا گیا ہے (جیسا کہ ہم لباس کی فصل میں بالتفصیل ظاہر کریں گے) تشبہ بالیفر سے ان کا استحفات و استہزا لازم آتا ہے۔

جو یقیناً توہین شریعت ہے۔ اور ایک تشبہہ کا علماً اور بعد چند سے اعتقاداً ایسا استہزا اور تحقیر خاص شعار ہے۔ چنانچہ انگریزی معاشرۃ کے دلدادہ یا متشبہین افرنجیت کسی اسلامی ثقافت و سادگی کو خواہ وہ پیاری ہو یا عام معاشرتی کبھی وقعت و احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ تحقیر کی آنکھ سے معاند کرتے ہیں۔ اور حالت اسلام میں داعیہ توہین اسلام یقیناً لافان کا

شعبہ ہے۔

میلان یا غبار | پھر کسی غیر سے مشابہت پیدا کرنے کا داعیہ بغیر اسکی طرف میلان و رغبت کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ میلان خود ہی ایک ممنوع شرعی ہے و لا ترکوا الی الذین ظلموا فتمسکوا بالتارۃ | پس جس چیز کے مقدمات ممنوع شرعی ہوں کیا اُس کے اصل نتیجے کو شریعت کے جائزات میں سے کہا جاسکتا ہے؟۔

انما اتعال سلف | نیز سلف صالحین کا ہر قرن میں منت تشبیہ پر زور دینا اور لباس کو خصوصیت کے ساتھ تشبیہ سے بچانے کی کوشش کرنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ حضرت عمر کا دُعا (باندی کے) بدن سے حرام کا لباس اُترنا اور دانت کرکھنا انتہی ہدین بالجوارح؟ پھر عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز کا، نصاریٰ بنی تغلبہ کے وفد سے عربی لباس اُترنا اور اسکو قطع کر کے مسلمانوں کے لباس سے ممتاز کر دینا۔ امام ابو یوسف کا اپنے زمانہ قصار و حکمرانی میں علماء و فقہاء کیلئے ایک ممتاز لباس تجویز کرنا تاکہ فقہر و غیر فقہر نمایاں رہیں۔ محدث شہیر امام ابو داؤد سجستانی کے ایک استاد کا میراث کو پارک کپڑے پہننے، ہوسٹے دیکھ کر کہ اٹھنا کہ امیرنا یلبس ثياب الفساق اور پھر قرون مابعد میں عموماً فقہاء ائمہ کا ایسی برتیات پر تشدد کے ساتھ روک ٹوک کرنا سب ہی لغو اور باطل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ تعال سلف خود ایک مستحسن دلیل کا درجہ رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ مالک امام دارالہجرۃ قارین احادیث کے وقت محض تعال اہل مدینہ ہی کو یہ روایت مخرج قرار دیتے ہیں۔

شہادۃ سنیہ | ایک مسلمان کو کافرانہ صورت میں دیکھ کر عام گمان یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اسلامی فرد نہیں۔ یا اگر سنیہ تائیکے دل میں عام ادضاع مسلمین کی کوئی غلط فہمی نہیں جو نفاق کی دلیل ہے۔ پس مسلمانوں کا کسی کے حق میں کافریا منافق ہونے کا گمان رکھنا یا اسے غیر مسلم اور منافق ہونے کی شہادت دینا کیا عند اللہ کوئی اثر نہیں رکھتا۔ حالانکہ انتم شہداء اللہ فی الارض۔

اہرام احکام کفر | پھر قطع نظر خصوصاً معلومات کے عموماً جبکہ ایسے مرتبہ کو غیر مسلم جماعت کا فرد تصور کیا جائے گا تو کیا یہ ممکن ہے کہ اسکی موت کے وقت جبکہ وہ کسی اجنبی جگہ فوت ہوا احکام

دینا میں کوئی اسلامی ضابطہ اسپر جاری کیا جائے؟ اسکے جنازہ کی نماز پڑھی جائے۔ یا مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کیا جائے۔ یا عام تجہیز و تکفین اسلامی طریقہ پر عمل میں آئے؟ ہرگز نہیں اور ایک عظیم الشان محرومی ہے۔

پس اگر بقول سید صاحب کے تشبیہ کو صرف لباس ہی میں منحصر مان لیا جائے تو کیا اس لباسی تشبیہ سے کوئی شرعی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا؟ کیا امتیازاً تو ام کا مٹ جانا، کفار کے ہاتھ میں مسلمانوں کے خلاف کسی حجت کا ہاتھ آجانا۔ عام اوضاع مسلمین کا استخفاف و استہزاء قلوب میں جاگزیں ہو جانا۔ اسلامی قلوب میں کفار کی طرف رکون و میلان کا پیدا ہو جانا۔ تعامل سلف کا باطل ٹھیرایا جانا۔ مسلمانوں کا کسی کے حق میں بُری شہادۃ دینا۔ احکام دینا میں کسی پر اسلامی احکام کا جاری کیا جانا۔ کیا یہ سب شرعی امور نہیں ہیں جنکے متعلق خود شریعت نے اپنی نصوص میں اثباتاً و نفیاً بحث کی ہو۔

اور جبکہ تشبیہ بالکفار اپنی ساتھ یہ تمام ممنوعات لیکر آتا ہے تو کیا تشبیہ بالاقوام سے کوئی بھی شرعی نتیجہ نہ نکلا؟ حالانکہ یہ تمام شرعی نتائج ہیں جو اس سے پیدا ہوئے اور اس لئے جیسے تشبیہ بنفسہ ممنوع ثابت ہوا تھا، اب اپنے نتائج کے اعتبار سے بھی ممنوع بن گیا۔

تیسرا شبہ

سید صاحب تہذیب الاخلاق کے صنفہ۔ ہم پر لکھتے ہیں جس کا ماحصل ملاحظہ ہو۔ ”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ رومیہ صنیقۃ الیمین جو عیسائیوں کا لباس تھا پہنا، نیز حضور نے جبہ طیالسیہ جو آتش پرستوں اور مجوس کا لباس تھا پہنا۔ اگر تشبیہ ممنوع تھا تو حضور نے کیوں ایسے امور کا ارتکاب فرمایا نیز صحیح بخاری میں ہے۔

کتاب اللباس، باب بیان میں قول اللہ تعالیٰ کے کہ نہاد یحیٰ، اے

کتاب اللباس باب قول اللہ قل من

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہو کر نہ کوئی مخلوق اس نے

محرم زینۃ اللہ التي اخرج لعبادہ والطیبۃ
من الرزق وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلو
ما شربوا ولا لبسوا (۱) واطاب لکرم (۲)

اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہو اور کھانے پینے کی حلال
چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہو؟ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کھاؤ پیو پیو (یعنی جو تمہیں بجائے) ۱

پس یہ آیت و حدیث تشبیہ کے مسئلہ کو باطل ٹھہرا رہی ہے۔ (۱) اب میں کہتا ہوں کہ۔
تشبیہ کے کلی اور اصولی مسئلہ کے خلاف بہت تجسس و تلاش کے بعد یہ تین جہوں کی جزئیات
پیش کی گئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض چند جزئیات کلیہ کے معارض بھی ہوں تو کیا ان چند
جزئی واقعات کی خاطر کلیہ کو باطل کر دینا چاہئے یا کلیہ کو اصل رکھ کر ان مستثنیات کا کوئی ایسا
محل بیان کر دینا چاہئے کہ کلیہ پر بھی زد نہ پڑے اور متعارض جزئیات بھی بر محل باقی رہ جائیں
ہمارے نزدیک عقلاً اور شرعاً دوسری صورت ہی قابل عمل ہو سکتی ہے کیونکہ کلیہ اور ضابطہ اصولی
اسباب اور کلی علی و حکم پر مبنی ہوتا ہو اور جزئی واقعات اس قسم کے کلی علی و اسرار سے
ساکت ہوتے ہیں پس ناطق کو اصل رکھ کر ساکت کو اس کا تابع بنانا ہی اصولی اور عقلی فعل قرار
پا سکتا ہو۔ پس ان تینوں جزئیات کو اصول حدیث کے مطابق بے تکلف کہا جاسکتا ہو۔ کہ واقعہ
حال کا عجم لہذا یعنی ان وقائع میں کوئی ایسی عام علیہ یا سبب نہ ہے جس سے تشبیہ کے توڑنے
میں اس سے مدد لیجائی سکے۔ نیز ہمیں اب تک ان جزئیات میں کوئی لفظ بھی ایسا محسوس نہیں
ہوا جو ان ہر سہ جہوں کے استعمال سے تشبیہ کے جواز کا نتیجہ پیدا کرتا ہو کیونکہ تشبیہ کے توڑنے
سے اور تشبیہ کے معنی میں دو چیزوں کا آپس میں ایسا ملتس ہو جانا کہ کوئی بھی اپنے اصلی وجود
کو نمایاں نہ رکھ سکے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا تشبیہ ایک انسان کو دوسرے کیسا تہہ اسی وقت
ہو سکتا ہے جبکہ پہلا دوسرے کے مخصوصات اور امتیازی نشانات کو اختیار کرے۔ اور صورت
اس میں دل مل جائے اور یہاں اسکی کوئی دلیل نہیں کہ جبہ رومیہ عیسائیوں کا اور جبہ شامیہ
یہود کا اور جبہ طرابلسیہ مجوسیوں کا کوئی مخصوص لباس تھا۔ تاکہ تشبیہ اور تشبیہ پر کوئی استدلال
کیا جاسکے؟ بلکہ محض رومی، شامی اور طرابلسی کی نسبت سے تو یہ بھی واضح نہیں ہوتا کہ یہ جبے

اُن کے استعمال میں بھی آتے ہوں چہ جائیکہ اُن کا مخصوص شعار ہوں۔

کیونکہ مصنوعات کی نسبتیں کبھی تو موجد اور صانع کی طرف کیجاتی ہیں اور اسی نسبت سے وہ شے موسوم اور مشہور ہو جاتی ہے جیسے ڈاسن کا بوٹ اور پیئرس ٹوپ (پیر کا صابون) پس اگر کہا جائے کہ ہندوستانی پیئرس ٹوپ اور ڈاسنس بوٹ استعمال کرتے ہیں تو محض اس نسبت سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ ہندوستانی ڈاسن اور پیئرسے تشبیہ کر رہے ہیں۔ بلکہ اس نسبت سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ڈاسن اور پیئرسے خود اس بوٹ اور صابون کو استعمال کرتے ہوں چہ جائیکہ یہ اُن کا کوئی امتیازی نشان ہو۔ ہاں صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بوٹ اور صابون انکی دوکان کا یا اُن کا مصنوع ہے جسے ہندوستانی استعمال کرنے لگے ہیں۔

اسی طرح کبھی مصنوعات کی نسبتیں جائے صنعت اور خاص خاص شہروں یا ملکوں کی طرف ہوتی ہیں اور وہ اسی نسبت سے دنیا میں مشہور ہو جاتی ہیں۔ جیسے کپڑوں میں اٹالین یا بنارس کی کہ اٹالین اٹلی کی ساخت ہونے کی وجہ سے اسی ملک کی طرف منسوب ہے۔ اور بنارس بنارس کی طرف منسوب ہے کہ وہیں کی صنعت ہے۔

پس اگر کہا جائے کہ فلاں شخص بنارس اور اٹالین استعمال کرتا ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ کپڑے اٹالیوں اور بناریوں کے مخصوص شعار ہیں اور وہ شخص یہ کپڑے استعمال کر کے اُن لوگوں کے ساتھ تشبیہ کر رہا ہو؟ ہرگز نہیں۔ شعار اور تشبیہ کیا معنی ان نسبتوں سے تو یہ سمجھا جاتا ہے ضروری نہیں کہ یہ مصنوعات وہاں سرے سے استعمال بھی کیجاتی ہوں بلکہ ممکن ہے کہ تجارت کے واسطے ان شخصوں کے سرے سے ملک کیلئے بنائی جاتی ہوں۔ جیسے اکثر رنگین اور شمع کپڑے بنائے جاتے ہیں اور پھر ان سے قطعاً اجتناب کرتے ہیں پس کپڑوں کی نسبتیں محض مشاعروں یا بولے صنعت کے اعتبار سے مشہور ہوتی ہیں جنکو تشبیہ سے کوئی طاقت نہیں۔

اس طرح جبکہ روایات میں آیا کہ حضور نے رومی۔ شامی اور دیارسی جبہ استعمال فرمایا تو محض

ابن نسبت سے یہ کیسے مفہوم ہو گیا کہ وہ بچے ان ملک کے باشندوں کے مخصوص شعار اور خاص لباس تھے اور حضورؐ نے انہیں ہنکر تشبیہ کا بیان جواز فرمادیا۔ شعار تو کیا یہ نسبتیں تو نفس استعمال پر بھی دلالت نہیں رکھتیں۔ پس ان نسبتوں سے اگر کچھ ثابت ہوتا تو یہ کہ یہ بچے ان ممالک کے تھے وہاں کے مفعول تھے یا وہاں رہتے تھے اور وہیں سے دوسرے ممالک میں منتشر ہوتے تھے۔ اور حضورؐ نے بھی ایک غیر ملکی صنعت کا اتفاقاً استعمال فرمایا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بردیانی استعمال فرماتے تھے تو کیا اس نسبت سے یہ بھی لازم آنا ضروری ہے کہ یہی چادر وہاں کے لوگوں کا خاص شعار ہے اور آپ پیروں کے ساتھ متشبیہ بھی سمجھے جائیں؟ ہرگز نہیں۔ یا حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شام و مصر کی آلی ہوئی قبیطی استعمال فرماتے تھے (قبیطی اس کتابی چادر کو کہتے ہیں جسکو قبیطی بنتے تھے یہ نسبت بنانے والوں کی طرف سے آتو کیا اسکے یہ معنی ہیں کہ حضور قبیطیوں کے ساتھ تشبیہ کرتے تھے؟ سعاد اللہ۔

حالانکہ محض اس نسبت سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ قبیطی اس چادر کو سر سے استعمال بھی کرتے ہوں چہ جائیکہ یہ چادر ان کا مخصوص شعار ہنکر تشبیہ کا دروازہ کھولتی ہو؟ پس یہی بہسم نسبتوں سے منع تشبیہ کے مبیین اور واضح اصول کو توڑنا یا جواز تشبیہ پر استدلال کرنا ایک نہایت ہی بے معنی استدلال کیلئے بلیغی بلکہ ایک غلط دلیل دینی ہوگا جس کی تو تلخ کم از کم کسی اہل علم سے نہیں کیجا سکتی۔

بہر حال کسی کلیۃ حدیث ... اور قولی دستور اہل کے مقابلہ میں اگر اس قسم کی عملی جزئیات ظاہر نظر میں معارض ہنکر سامنے آجائیں درانحال کہ نہ ان جزوی واقعات کی کوئی واضح علت نظر آتی ہو نہ بین سبب تو ان جزئی امور کے سبب اس کلیہ میں کوئی تغیر نہیں کیا جاسکتا۔ جس کے واضح اسباب بھی موجود ہیں اور بین علل بھی۔

بلکہ کسی کلیۃ اور مضابطہ کے مقابلہ میں کسی جزئی کا اسکے معارض ثابت ہو جاتا ہے اس جزئی

میں تاویل کرنے کیلئے کافی ہے اگرچہ لغتہ رفع تعارض کی کوئی وجہ بھی نمایاں نہ ہو۔ صحیح مسلم میں ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دن حضور نے زعفران سے رنگے ہوئے سرخ کپڑے پہنتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

ان هذا من لباس الكفار لا تلبسهما۔ | یہ سرخ کپڑے کفار کے کپڑے ہیں۔ انہیں مت پہنو۔
اور نہ حضرت زعفرانی سرخی ہی بلکہ عموماً سرخ کپڑوں سے حرمانت احادیث کے صریح الفاظ میں فرمائی گئی ہے اور ادرہ صریح حدیث میں اس کلی اور قوی ضابطہ کے خلاف یہ عملی حیرت انگیز بھی موجود ہے۔ کہ

وعليه حلة حمراء | حضور پر سرخ ازاد چادر دیکھی گئی۔
پس اگر قیوم رحمہ اللہ صاحب زادہ المعاد نے بھی کہا ہے کہ جبکہ حرمانت حمرۃ کے صریح اقوال موجود ہیں تو کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے دوسروں کو حرمانت فرما کر خود وہی جس سرخ کپڑے پہنایا ہو؟ ہرگز نہیں۔ پس کہا جائیگا کہ اس سرخ حلت سے سرخ دھاری کا حلد مراد ہے کیونکہ یہ حلت حمرۃ یعنی چادروں کا تھا۔ اور اپنی چادروں کی عام روشنی تھی کہ دھاری اور سیاہ دھاری کی بنی جاتی تھیں۔ مگر لوگوں کو حلت حمراء کے لفظ سے خالص سرخ ہونے کا دھوکہ لگ گیا۔

بہر حال یہ جزئیات اس درجہ کی نہیں ہیں کہ سیئہ صاحب کو ان کے اس مقصد سے اتصال مسئلہ تشبیہ میں کامیاب بنا سکیں۔ رہا آیت کریمہ قل من حذر ذینۃ اللہ اور حدیث نبوی کلوا واشربوا والبسوا کے عموم سے جواز تشبیہ پر استدلال کرنا اور اس پر بخاری کی اس تفسیر ای، ما طاب لکم (جو تمہیں بھائے اور پسند ہو) جواز کی تعلیم سے تشبیہ میں دلیل پانچواں استدلال کی بھی زیادہ عجیب ہے۔

کیا اس عموم کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ کھانے پینے میں تمہارے لئے شراب و خمر حرام بھی حلال ہے۔ اور پینے میں ریشم بھی جائز ہے؟ اگر یہ عموم اس لئے نہیں لیا جاسکتا کہ دوسرے

بھواقع پر ان چیزوں کو ممنوع قرار دیا گیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ ذیبتہ کے تمام ان شعبوں کو جو تشبہ پر مشتمل ہیں دوسری دلائل ممنوع قرار دیرہی ہیں۔ وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہو کر حلال نہیں ہو سکتیں کوئی وجہ نہیں کہ باب اکل و شراب میں تو دوسری دلائل خنزیر و شراب ٹھوس سبب آساغیر ماکول اللحم اور دوسری بہت سی انواع ماکولات کو ناجائز اور ممنوع ثابت کر سکیں لیکن باب لباس میں اسی قسم کی دوسری دلائل ریشم۔ مغزق زری۔ اوصناع کفار اور اطوار غیر مسلمین کو ناجائز نہ بنا سکیں حقیقت یہ ہے کہ نکتہ چینوں نے خود اس حدیث ہی کے الفاظ پر غور نہیں کیا اور نہ اس کے مدلول بتوی و شرعی کو سمجھے۔ حدیث میں جہاں یہ الفاظ ہیں کلووا و اشربوا و البسوا و تصدوا وہاں آگے یہ لفظ بھی تو ہیں کہ فی غیر اسراف و تکلیف۔ یعنی کھاؤ پیو پہننا اور خرچ کرو جتنا کہ اس میں سرفرازی اور تکلیف کا دخل نہ آئے۔ اس شرط کا حاصل یہ نکلا کہ جب کھانا پہننا فضول خرچی اور تکلیف یا ناز و ترقہ اور اترابٹ کی حدود پر پہنچ جائے تو اس حد کے کھانے پہننے سے رک جاؤ۔ پس تمام وہ کپڑے جنہیں اسراف و تکلیف ہو۔ تمام وہ اوصناع و اطوار جنہیں نازش و ترقہ اور اترابٹ کا بیج ہو تمام وہ اطوار جنہیں عبدیت و تواضع کے بجائے کبر و عنوت اور توجہ الی اللہ کے بجائے توجہ الی النفس ہوتی ہو۔ اور تمام وہ کھانے جنہیں فضول خرچی اور ضاعت مال لازم آئے اور وہ سب ہی کفار کی چیزیں اسی آیت و حدیث ممنوع اور ناجائز ٹھہر گئے۔ جنکی خصوصیت تفصیلات دوسری آیات و احادیث نے کر دی ہیں۔ جنکو ہم پہلی فصلوں میں بسط کیسا تہہ لکھ چکے ہیں۔

پس جس حدیث کو سید صاحب جواز تشبہ میں استعمال کر رہے ہیں۔ ہماری خیال میں وہی حدیث منع تشبہ کے لئے ایک زیر دست استدلال ہے پھر عجیب بات ہے کہ سید صاحب تو آخر میں فرماتے ہیں کہ۔

”ہم ان ردائوں سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے ممنوع نہیں معلوم ہوتے تو لفظ تشبہ کو مشابہت زنی و لباس پر بھی حمل نہیں کر سکتے“ ذہذیب اللہ خلق منہ و منہ

اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

اس کی ساتھ ستر ہزار بیوہ طیلساں پہنچے ہوئے ہونگے۔ حضور کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مسلم جماعت کو دیکھا کہ وہ طیلساں پہنچتے ہوئے ہیں تو کراہت سے فرمایا۔

مَا أَشْبَهَهُمْ بِمُحَمَّدٍ خَبِيبٍ۔
 ترجمہ: یہ لوگ پیغمبر کے چودے کے بقدر مشابہ ہیں گئے۔
 تو حضرت انس نے تشابہ کو مشابہت نہ بنی ویساں پر چل گیا۔ اور مسیورہ صاحبہ سے انکار ہو کر تشبہ کو مشابہت نہ بنی ویساں پر قطعی حمل کرنا نہیں چاہیے۔
 یہ ہیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

ابن قیم اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔
 وَمِنْهُمْ مَنْ كَرِهَ لِهَذَا مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلْفِ
 لِمَا رَوَى ابْنُ دَاوُدَ وَالْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ
 ابْنِ عَرَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 أَنَّهُ قَالَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ وَفِي التَّبَوُّعِ
 عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْوَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ
 يَقُولُ خَيْرُ نَا رَادٍ الْمَقَامَاتِ جِ اَوَّلُ
 اور انہیں سے سلف و خلف نے طیلساں پہنچنا مکروہ سمجھا ہے۔ کیونکہ ابو داؤد نے ابن عمر سے اور انہوں نے حضرت علی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جس نے کسی قوم کی ساتھ مشابہت پیدا کی وہ اسی قوم میں سے ہو گیا اور ترمذی نے یہ روایت انہوں سے ہے کہ ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جس نے بکاؤ سے قوموں سے تشابہ کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء سلف و خلف نے بھی اس تشابہ کو زنی ویساں پر حمل کیا ہے۔ پس جبکہ صحابہ و تابعین کے علماء اسے نزدیک اس حدیث کا حمل کیا اور زنی وہی ہے۔ لہذا یہ تو ہمارے خیال میں مسیورہ صاحبہ کی تنہا روایت اس بارے میں اتنی وزنی نہیں ہے کہ اجماع امت کے مقابلہ میں قبول کیا جاسکے۔ انہیں اختیار ہے کہ وہ اجماع کا بقدر اپنے گم سے تارھیں گے اور اس کے بجائے مستند و کا ملوق گروہ میں ڈالیں۔ خود باوجود ہذا۔

۱۳۹۰ کے حوالے سے اس پر کھینچے ہیں کہ

[illegible]

100

اس وہو سو کہ جب تکمیل کیجاتی ہے تو اس کے ہارخود نکلتے ہیں ایک تو بیرون عالم بیان کیا
ہے جو اقصائے سے تعلق رکھتا خود دو قسم ہے ایس چیز یہ کہ اصل قرار کرکے اس سے ایک کلیتہا
کیا ہے و سبب سے محبت کے ذاتی فہم سے نفقہ رکھتا ہو تو سرحد پھر اس فرض کلیتہ سے اگر کسی
پر بنا خواجہ کیا گیا ہے جو صاحب و وحدت کے نقض نفس یا تکلیف کے متعلق ہے اور پھر اس
دینی حیثیت پر قیاس کر کے ایک خاص حکم کا فتویٰ جاری کیا گیا ہے جو ان کے اجتہاد کا
بروز خاموش کرنے والا ہے۔

مردود نامہ قاضی رحمہ اللہ کے تالیف ہو گا ہے۔ اس سے پھر ایک دفعہ ہی تیسری بار مستند کیا

گیا کہ اگر حضورؐ لندن و جرمن میں آتے تو آپ کا لباس وہیں کے باشندوں کا سا دھیسٹ، کوٹ پتلون وغیرہ ہوتا۔ اور اس وہی جسز یہ سے مجتہدانہ طور پر فتویٰ یہ نکلا کہ لہذا ہندوستان کے مسلمانوں کو نصرانیوں کا لباس پہننے میں کوئی شرعی حرج نہیں۔ ان چاروں اجزاء پر ہم جدا جدا نظر ڈالتے ہیں۔

صحابہ و مشرکین کی حُلّہ میں مشابہت اول تو ہم حُلّہ کی حد تک تشبہ کا تعلق ہی تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ حُلّہ جس کے معنی چادر اور تہ بند کے ہیں فی نفسہ کوئی صورت اور وضع ہی نہیں بلکہ اصل لباس اور مادہ لباس ہے۔ اور اسی لئے حالت احرام میں جبکہ ترکِ تزین کے دائرہ میں بدلے ہوئے کپڑے کی ہر وضع قطع چھوڑا دیا جاتی ہے تو اس اصل لباس حُلّہ ہی کو باقی رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ ستر بدن کے لئے اس سے کم اور کم سے کم کوئی اور لباس ہی نہیں۔

پس یہ اصل لباس ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تشبہ کا تعلق صور و اوضاع سے ہے نہ کہ اصول اور مواد لباس سے اگر حُلّہ میں بھی منع تشبہ کا حکم جاری کیا جائے تو اسکے معنی یہ نکلیں گے کہ اصل لباس اور مادہ لباس کو چھوڑ دو اور غریانی اختیار کرو۔ اور یہ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ مشابہت کفار کے خوف سے سر سے کھانا پینا، ناک کان رکھنا۔ عبادۃ کرنا انسان رہنا بلکہ زندہ رہنا ہی ترک کرانے کی سنی کی جائے۔ حالانکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ان جیسے اصول امور سے تشبہ کا کچھ بھی تعلق نہیں۔

(۲) پھر اگر ہم حُلّہ کو فی نفسہ نہ ہی لیکن فی غیرہ کوئی وضع تسلیم بھی کریں باریں معنی کہ یہ مادہ لباس ہی کسی غیر مسلم قوم کا امتیازی شعار ہو جائے جیسا کہ مشرکین مکہ کا تھا تو پھر ہم یہ تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حُلّہ کو باقیہ و مشطہ اور بادجہ تیسرے بیضہ اسی طرح استعمال کرنا جائز قرار دیا جس طرح مشرکین پہنتے تھے۔ کیونکہ مشرکین تو اس حُلّہ کی ازار کو خیلا دیکر بر سے ٹخنوں سے پیچھے گھسٹا ہوا پھینتے تھے اور آپ نے حکم دیا کہ

الزرة المؤمن الى نصف الساقى ولا حرج مؤمن کی چار نصف پندلی تک ہے اور اگر

میں سے فوق الکعبین ۔ (نہی بھی ہو) لیکن ٹخنہ نہ ڈھکیں تب بھی کوئی حرج نہیں ۔

مشرکین تو اپنی ردائیں قدموں سے دوڑنا گزری ہوئی استعمال کرتے اور اسال کر کے ان کے دامنوں کو ٹٹکتا اور گھسٹتا پھوڑتے تھے ۔ جیسے عوامی متکبر سلاطین اور جبارہ کی چادروں کا یہی طرز ہو، لیکن اپنے اسال کو اپنے اور اپنے صحابہ کے لئے حرام فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حرمت محض منع تشبیہی کے اندر میں تھی۔ کیونکہ اگر بالفرض آپ بلان قیود کے بعد نہ مشرکین ہی کا سار عونت نشان اور کبر آثار ختم استعمال فرماتے تب بھی یہ تو ناجائز تھا کہ آپ کے مصطفیٰ قلب میں کبر و عونت کے آثار راہ پا سکتے جو ان مشرکین کے تھے۔ لیکن پھر بھی ان قیود کا اضافہ فرما کر حلقہ استعمال فرمانا سوائے ترک تشبیہ کے اور کس لئے ہو سکتا ہو۔ اور اگر ائمہ سرور کی تاسی کے لئے تھا تو اسکی غایت یہی بی شک تھی کہ ائمہ کو باطن کبر و عونت سے اور ظاہر تشبیہ بالا قیام سے الگ رکھا جائے۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حلقہ استعمال فرمانا اور ان حدود کی رعایت کے ساتھ استعمال فرمانا منع تشبیہ کی تو ایک کھلی دلیل بن سکتا ہے لیکن جواز تشبیہ پر اس سے کیا روشنی پڑ سکتی ہے۔ جو یہ صاحب کا منشا ہو۔

۳) لیکن اگر اسے بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپ نے مشرکین کے ہی کا سا لباس پہنا اور مسلمان مشرکین میں مشابہت بھی پیدا ہو گئی تو پھر مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ یہ تشبیہ عارضی اور چند روزہ تھا۔ اسلئے قابل التفات نہ تھا۔ کیونکہ کفار حجاز کے لئے اسلام اور قتل کے درمیان جزیہ کا واسطہ ہی نہ تھا۔ اسلئے مشرکین حجاز ذمی ہو کر نہیں رہ سکتے تھے۔ بلکہ یا مسلمان ہو جائیں یا اے تھے یا مقتول اور جبکہ ہر صورت میں سرزمین حجاز ہمیشہ کے لئے غیر مسلم افراد سے پاک ہو جائیو گی تھی۔ تو حجاز میں چند دن کے بعد تشبیہ کا وجود ہی نہیں رہ سکتا تھا۔ پس ایسے چند روزہ ظاہری تشابہ کے خوف سے حلقہ جیسے ذہن آزار لباس کو ترک کر دیا جانا کسی طرح قرین مصلحت نہ تھا۔

بہر حال اس جزیہ سے یا تشبیہ بالکفار کا وجود ہی نہیں نکلتا یا نکلتا ہو۔ تو اس کا بلا ترمیم نسخ اور غیر قائم حدود زیر عمل آنا نہیں نکلتا اور اگر یہ بھی نکلتا ہو تو وہ عارضی اور چند روزہ ہو سکتا ہے۔

سے قابل اتفانت نہیں نکلتا۔

پھر نہ معلوم ایسے محفل المراد حبس نہ سے یہ لکھ کس طرح نکل آتا ہے کہ ہر ایک ہی لباس معاشرہ میں اپنی قوم یا خصوصیات وطن کا تابع ہوتا ہے۔ ہاں اگر نہ بروہتی و کابل یا جانا ہے تو پھر یہ کس قدر مضحکہ انگیز اور بے ہول بات ہے کہ کسی اصل کا تو وجود نہ ہو اور اس سے قواعد کی تدوین کیجائے لگے۔ چڑکا تو ایک ریشہ بھی نہ ہو اور شاخیں دکھائی جائے لگیں۔ حالانکہ انتزاعیات میں کسی منشا اور انتزاع کی ضرورت پڑ جاتی ہو۔

لیکن ہم تجویزی دیر کے لئے اس حبس نہ سے یہ کہ حضورؐ اور مشرکین کے لباس کی عادت یا نکل اسی طرح تبلیغ کرتے ہیں۔ لیکن پھر محض اس فنی مشابہت سے یہ کیست ثابت ہو گیا کہ اس مشابہت لباس میں حضورؐ کا ارادہ یا انداز طبع مشرکین کے کی پیروی کرنے کا بھی تھا۔

تاکہ اس سے یہ گنجیہ فرض کر لیا جائے کہ ہر نبی لباس و معاشرہ میں اپنی قومی روح کا تابع ہوتا ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حضورؐ کی یہ مشابہت یا سبب محض اتفاقی ہو کہیں اجتماع قریب یا وفیت کے ارادہ کا کوئی دخل ہو۔ یا اگر اجتماع کا دخل بھی ہو تو مشرکین کے اجتماع کا نہیں کہ مسلمانوں کی اقتدار کا؟ اگر مکتبہ چینوں کو حکم و بصیرت سے کچھ حصہ ملا ہوتا تو وہ دیکھتے کہ حضورؐ اگر مکتبہ استعمال فرمایا تو ہرگز قومی روح کے اجتماع میں نہیں لگے اپنے جوارح و عورت کیلئے جس کی اقتدار میں جنگی اقتدار کا آپکا امر فرمایا گیا تھا۔ کیونکہ قرآن نے بہت سے ایسے احکام بیان فرما کر زمین و آسمان پر اسلام کو بھی گمنام کیا ہے۔

یا رشا و بلند حضور کو امر فرمایا کہ

اولئک الذین یریدون الذل

فہذہ اھل الذل

یہ وہ لوگ ہیں جو ذلت چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ نہ آؤ۔

بھی ان کی کشتی نہ چڑھو۔

اور اس نامور و افتخار کو کسی خاص نوع اطلاق یا افعال و احوال یا قیامات کیساتھ متعلق نہیں

فرمایا بلکہ مطلق چھوڑ دیا ہے۔ پس جن چیزوں کو خدا نے منسوخ نہیں کیا وہ سب ہم پر ہیں

۲۔ مقدار کے دائرہ میں اگر ضروری الاتباع ہو گئیں خواہ واجبہ ہوں یا تنہا کسی اور اکل و شرب کے بارہ میں ہوں یا لباس اور وضع قطع کے۔

ادھر انھیں اسماعیل علیہ السلام کا لباس تنگی مقدار کا قرآن نے حکم دیا۔ فاروق اعظم حدّ ثابست فرما رہے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے آذر یا لیجان کے عربوں کو خلیہ پہننے ہی پر یہ کہہ کر آادہ کیا ہے کہ وہ تمھارے یا سید اسماعیل علیہ السلام کا لباس ہے۔

خاندن وادارت واد علیکم لباس ابیکو (اختیار الصراط المستقیم)۔
ادار واد استعال کردار اپنے باب اسماعیل علیہ السلام کا لباس پہننا ضروری تھو۔

پس آیتہ مسطورہ کے ماتحت مفسر کے لئے اس حلقہ میں اقتداء اسلاف صالحین کا عمل آگیا تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضورؐ نے یہ لباس اپنی مشرک قوم کے رسم و رواج کے ماتحت پہنا۔ پس اس حسب ذیل کی جو نکتہ چینیوں کے کلیہ کی اساس تھا بنا ہی مشہد ہم ہو گئی چہ جائیکہ اسپر کلیات کی کوئی مضبوط عمارت کھڑی کر کے دکھلا دیجائے۔

پس اس نکتہ چینیوں کے لئے اس کے سوا کوئی میدان باقی نہیں ہے کہ وہ اس کلیہ کی بنیاد اس خالص حسب ذیل پر قائم کرنے کے بجائے کسی اور چیز پر قائم کریں جو ہمیں معلوم نہ ہو تو پھر ہم محض اس کلیہ ہی کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی بھیجی ہوئی رسالہ کی انتہائی توفیق اور حضرت علیؑ کے مقابلہ میں انتہائی جبرتاوی کی ہو کر اس کے پیروں کو لباس یا عام معاشرہ کے بارہ میں نبی کے پاس کی قلبی داعیہ کوئی اشارہ باطن اور کوئی غیبی الہام نہیں ہوتا کہ وہ اس کا اتباع کرے بلکہ اس بارہ میں وہ بھی منجملہ آحاد الناس کے ایک فرد ہو تا ہے جو اپنی قومی معاشرہ کا پابند اور رسم و رواج کا مقلد بن کر آتا ہو۔

اور پھر مقلد بھی اسی قوم کا جس کی ہدایت کے لئے خود اسی کی بخت ہی ہوئی تھی۔ اور اس لئے ہوئی تھی کہ اس قوم کے عقائد و اعمال اور خیالات کے مصادر و منظر ہر سبب سے ایسے بگڑ چکے تھے کہ نیکو کے سوا کوئی طاقت بھی اُس بگاڑ کی اصلاح نہیں کر سکتی تھی۔

اور پھر اوپر سے معاشرہ کی اس کورانہ تقلید کا الزام اس عظیم الشان نبی پر بھی لگایا جائے جس نے دنیا میں آکر محض اپنی غیبی طاقت سے نہ صرف معاہدہ کی اصلاح کی تھی بلکہ معاش اور تمدن کے بھی اچھے سے اچھے نمونے قائم فرمائے تھے۔ اور کوئی خلق و عمل صورت و سیرت۔ اور عبادۃ و عبادۃ ایسی نہیں چھوڑی تھی جس کے متعلق امت مرحومہ کو ہدایت کی روشنی نہ دی ہو۔ جس کی عت کی جائے پر دشمنوں کو حسد ہی اسلئے تھا کہ وہ اتنی مکمل کیوں ہے؟ کہ اس میں بول دیراز تک کے آداب سکھادے گئے ہیں۔ اور جس کے اکمال دین اور اتمام نعمت کو درست ہی نہیں بلکہ دشمن بھی ان طعن آمیز الفاظ میں تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ۔

ما یبدع هذا الرجل شیئاً

یہ شخص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز بھی نہیں
جھوڑا نہیں چاہتا۔

الاخالفنا فیہ۔

کہ اُس میں ہمارا خلانتہ کمرے یعنی اُس کی ملت کے کسی شعبہ کی بنیاد یا عیار کے اتباع پر قائم نہیں بلکہ محض اپنی آوردہ ہدایت کی روشنی پر کہ لیلہاد تھا رہا سوا۔

پس کسی نبی کا اور خصوصاً حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی معاہدہ میں خواہ وہ بس کا ہو یا قبیحہ کا خالی اذالہ بام ربانی ماننا بلکہ اور اُلٹا اسکو عامہ اہل ہوئی کا تابع تسلیم کر لینا ایک ایسی ناروا جسارت ہے کہ ہر ایک اسلامی ضمیر بھی اس پر اظہار نفرت کرے گا اور اسے فحشی تعلیم بھی اسے ٹھکرائے بغیر نہ رہ سکیگی۔

قرآن کریم تو دعویٰ کرے کہ۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ

تھوڑے سے رسول اللہ میں

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

بہترین نمونہ ہیں۔

اور پھر اس اُسوہ حسنہ کو کسی خاص نوع عبادۃ۔ یا معاد یا معاش سے بقیہ نکرے بلکہ مطلقاً ہر طرح عمل کا نمونہ رسول میں ثابت کرے۔

پھر یہاں تک دعویٰ کرے کہ عمل تو عمل نبی کی زبان کی ادنیٰ حرکت بھی ہوئی کے تابع نہیں ہو سکتی

بلکہ صرت ہڈی کے } اور رسول ہوا انفس سے کچھ نہیں بولتا و نری دہی ہوتی

دما یطلق عن العرو لی ان ہوا کا دہی یوحیٰ ہے جو اس کیطرت کی جاتی ہے۔

پھر یہ بھی بتلائے کہ قل بھی بڑی چیز ہے نبی کے توطنی اور جبلی اخلاق بھی پست اور ہوا پرستانہ نہیں ہو سکتے

وانا لعلی خلق عظیم } اور تو اسے نبی خلق عظیم پر ہے۔

جس سے پوری طرح کھل جائے کہ نبی کے علی، قولی اور اخلاقی اسوے سب کے سب لامحالہ من اللہ ہی

ہوں گے۔ اور پھر یہ ہادی قرآن اسی پر بس نہ کرے بلکہ نبی کو کھلے لفظوں میں ہدایت بھی دے کہ۔

ثم جعلناک علی شریعت من الامم فاتبعھا ولا } پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا جو سوائے

تلتبع اھواء الذین کا یہ لیتوں = } اسی طریقہ پر چل جائے اور ان جہلا کی خواہشوں پر نہ چلے۔

جس سے بالکل یہ مسئلہ کھل جائے کہ معاش و معاد کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق رسول کے پاس

غیبی الہام۔ اشارہ باطن اور داعیہ قلب سلیم موجود نہ ہو اور اُسے لباس وغیرہ میں عامۃ اہل ہوا کی پیروی

کرنی پڑے۔ لیکن کتنے چین جنکو فقہ باطن سے کوئی حصہ نہیں دیا گیا یہ کہتے ہوئے خدا بھی نہ شرمائیں کہ

انبیاء کی ذوات قدسی معصیات تو جس مرز دلوم اور جس قوم میں سبوتا ہوتی ہیں اسی قوم کی سناٹ

اور لباس کی پابندی پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ ان کے پاس اس بارہ میں کوئی روشنی ہی نہیں ہوتی،

معاذ اللہ کہ رب کلبتہ فخرج من افواہم ان یقولون الا کذباً۔

کیا یہ خدا کی بھی ہوئی رسالت کی تکذیب بلکہ مروج رسالت کی تکذیب اور قرآن کریم کی آیات جیسات کا

صریح مقابلہ و معارضہ نہیں ہے؟۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے حقیقت کو سمجھا ہی نہیں۔ اگر آپ نگاہ حقیقت میں رکھتے تو یہ سمجھ لینا

کچھ مشکل نہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی معاشرۃ اور لباس وغیرہ ان کے نور تقویٰ و دلہازۃ۔ صبر و قناعت

زہد فی الدنیا اور رغبتہ فی الآخرة کے تابع ہوتے ہیں ان کے لباس پر انہی اخلاق فاضلہ کا رنگ چھایا رہتا

ہے ان کی معاشرۃ زاہدانہ اور قانعانہ ہوتی ہے۔ وہ تعلق مع اللہ اور رجوع دانا بہ الی اللہ پھر غنا

قلب کے سبب کم سے کم کھانے اور کم سے کم پہننے پر اپنے اشارات باطن سے ہر وقت راضی ہوتے

مستعد رہتے ہیں۔

اسی لئے ان کے لباس میں اسراف کا دخل ہے نہ خیلا، وکبر کا بلکہ ان کے لباس کی انواع و اگوں اور اوضاع پر خاکساری و فروتنی اور عبادت و تواضع چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ پس ان کا لباس ان کے قلبی اخلاق و جذبات اور باطنی دعائی کے تابع ہوتا ہے نہ کہ اقوام داد و دطان کے رسم و رواج کے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کسی مرد پوہم اور کسی قوم میں بھی مہوش ہوں ان کے لباس کی نوعیت یکساں ہی رہی ہے اور وہ بیشتر عکس (یعنی رداء و ازار) ہی ہوا ہے۔ کیونکہ عکس انتہائی زہد و عفت کا لباس ہے اور انبیاء علیہم السلام سے بزرگ پر بیضا و سفید پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

پس انچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو نکتہ چینیوں کو بھی اعتراف ہے کہ آپ کا عمومی لباس یہی عکس تھا۔

میزر دایات صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا لباس یہی عکس ہی تھا۔ چنانچہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث میں ان کے لباس کے بارہ میں تصریح ہے۔

ان روم اللہ عیسیٰ نازل فیکہ فاذا امر بقتلہ	باسمہ نبی روح اللہ تم میں نازل ہوا گئے جب تم خلیفہ ہو گئے
فامر فوہ فان رجل من بوطی الی الحمرۃ والبیاض	تو ان کے ساتھ سے چھپن بیگہ و سرخا سپیدہ رنگ ہو گئے
علیہ ثوبان فصارت (کنز العمال ج ۱۰)	اور ان کے بدن پر دو چادریں نازل ہو گئیں۔ ایک سفید اور ایک سرخ

حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہیں جو شام میں مہوش ہوئے۔ اور وہ ملک بھی جادے ٹھنڈا ہے لیکن جو بھی عکس کا استعمال فرماتا و منع کرتا ہے۔ کہ عکس میں حجاب کی کچھ وطنی خصوصیات نہ تھیں کہ کسی حجابی میں پیدا ہونے والے نبی کا لباس بنے۔ بلکہ لباس سکے دائرہ میں ہر ملک و قوم کے اصحاب زہد و عفت کی نسبت ہی نازل ہی ہو سکتی ہے۔

میزر انیل علیہ السلام کا لباس بھی عکس ہی تھا۔ چنانچہ فاروقی غفرلہ کا فرمان آپ دیکھ چکے ہیں جس کے تحت مذکور ہے۔

فانزلوا دانت وادعواکم جیہیں ابیکم

اسنعیل

کالباس ضروری سمجھو۔

نیز ابراہیم علیہ السلام کالباس بھی حلقہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ افعال حج درحقیقت افعال ابراہیمی کی نقل ہے اور ان میں احرام (جو حلقہ ہے) واجبات سنا سناک میں سے ہے۔ پس گویا اُمت مسلمہ کے ہر شاہ و گدا پر لازم کر دیا گیا کہ کم سے کم ایک دفعہ عمر بھر میں لباس میں بھی ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا کرے۔

قرائن و شواہد

(۱)۔۔۔ پھر اگر قرائن جمع کئے جائیں تو ان سے بھی اندازہ ہو سکیگا کہ لباس انبیاء حلقہ ہی ہے۔ حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ اہل جنت کالباس بھی حلقہ ہی ہوگا۔ اور اہل معرفت کہتے ہیں کہ تمام وہ نعم جو جنت کے ابتدائی درجات میں عوام مومنین پر فائض ہونگی۔ انبیاء علیہم السلام پر دنیا ہی میں فائض کر دیجاتی ہیں۔ پس یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ انبیاء علیہم السلام دنیا ہی میں اہل جنت کی زینت پہنتے اختیار فرمائیں کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت ہی میں مقیم رہتے ہیں۔

(۲) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء سابقین کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ ہی (انبیاء و کورین) میں کہ خدا نے انہیں سچے رہنے کی ہدایت

اولئک الذین ہدی اللہ

کی پس آپ ہی ان کو خصال میں ان کا اتباع کیجئے۔

فمداہم اقتدوا

اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ آیت میں اقتدا مطلق ذکر کی گئی ہے نہ اقتدا کو اخلاق سے متیقہ کیا گیا ہو نہ کسی قسم کے افعال اعمال کی انہیں تخصیص کی گئی ہو۔ پس مطلقاً ہر غیر منسوخ شے میں اقتدا اسلاف مراد ہوگی جس میں معاشرۂ و لباس بھی داخل ہو۔

اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آپ کالباس حلقہ ہے تو یہ قرینہ ہے کہ انبیاء سابقین کی مشاقہ بھی یہی ہو رہے تاکہ آپ کالباس تک بھی دائرۂ اقتدا سے خارج نہ ہو۔ پس انبیاء سابقین کا لباس حلقہ ہونا بطور اقتدا انصاف اسی آئینہ سے ثابت ہو جاتا ہے جو قطعیت کا مرتبہ لئے ہوئے ہے۔

(۳) نیز جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مکمل و مکمل ذات کے لئے اقتدا اسلاف کا حکم دیا گیا

تو عقل سلیم شہادہ دیتی ہے کہ ضرور سابقین میں بھی ہر خلف کو اپنے سلف کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے اور دین کے آداب میں سے اس ابتداء کا مقتدا کو خصوصیت سے اہل دین کا امتیازی شعار بنا دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہو کہ اس اصول ابتداء کا طبعی تقاضا یہ ہو کہ ہر پچھلے نبی کی دینی معاشرۃ اگلے کی اقتدار میں ہو مثلاً جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عیسیٰ علیہ السلام کی اقتدار میں ہو اور یہ سطح لباس عیسوی تابع ہے انبیاء توراۃ اور موسیٰ علیہ السلام کے اور ان کا ان سے سابق انبیاء کی اقتدار میں ہیں اس قرینہ سے بھی تمام انبیاء کا عمومی لباس خلع ہی نکل آتا ہو۔

دسم، نیز فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے عاشق نبوی کا قوم کو خلع پر ابھارنا اور اس بارے میں جناب خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کی بجائے اسماعیل علیہ السلام کی اقتداء پر آمادہ کرنا بھی اسی کی دلیل ہے کہ حضرت کا اور اسماعیل علیہ السلام کا ایک ہی لباس تھا اور یہ کہ آپ نے انجی کی اقتدار میں خلع پہنا کر اس کا حاصل یہ ہو گا کہ تم لباس کے بارے میں ان کی اقتداء کرو جسکی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی یعنی اسماعیل علیہ السلام کی اور جبکہ تم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ابتداء میں اسماعیل کی اقتداء کرو گے تو تمہیں دو اقتداؤں کا مشرف ملے گا۔ ایک اقتدار محمدیؐ کا اور ایک اقتدار اسماعیلیؑ کا۔ غرض اس پر یہ وضع ہو گیا کہ زہد و قناعت کا لباس ہر قرن میں خواہ وہ عہد اسماعیلی ہو یا عہد محمدیؐ ایک ہی نوعیت کا رہا ہے جس میں کسی مزدوم کی تمدن نہ خصوصیات کوئی اثر نہیں کر سکی ہیں۔

(۵) پھر مذہبی اقوام میں عام مقتدائین مذاہب و پیر والین اسلاف کی لباسی سادگی بھی یہی تیار رہی ہے کہ ان کے پیشرو بھی لباس کے درجہ میں زہد و قناعت کے سبب خلع ہی استعمال کرتے تھے جسکو جاہل اخلاف نے اپنی نافرمانی اور مرداریام کے سبب اس طرح مسخ کر دیا جس طرح ان کے مذاہب اور اصول و فروع کو مسخ کر دیا اور اپنے تہمت اور خوض کے سبب زہد و قناعت کی حد دے گزر گئے۔

مثلاً جوگیوں نے اپنے پیشروں کی تعلیم میں جاگید یا ننگوٹی اور انگوچھ اختیار کر لیا۔ یہ جاگید یا نصفت تہ بند ہی اصل تہ بند کا مسخ شدہ ہو۔ جس کو قناعت کے خوض میں اگر ننگوٹی تنگ مشابہ اس لئے پہنچایا گیا ہو کہ ان نا فہم زہاد کے نزدیک واجب الستر اعضا صرف آلات بول و براز ہوں

بقیہ کا ستر واجب ہی نہوا و غیر واجب کے پیچھے بڑا اسراف اور اضااعہ سمجھ کر صرف اس حد پر قناعت کر لینی ہو۔ لیکن ان میں سے جو پورا لباس پہنتے ہیں وہ تقریباً وہی ایک چادر اور تہ بند پر مشتمل ہو گا کسی اصلی ہیئت کو پھر بھی مسخ کر دیتے ہیں۔ پس بہت ممکن ہو کہ جس طرح ان نادانوں نے اپنے اسلاف کا (جو بہت ممکن ہو کہ مردان حق ہوں) دین مسخ کر دیا اسی طرح ان کی معاشرۃ و لباس کو بھی مسخ بنا کر ان غیر فطری ہیئتوں تک پہنچا دیا ہو۔

یاشا زادیچنے اقتدار اسلاف میں نہد کے تحقق سے اشتغال و اجتہاد شروع کر دیا۔ یعنی ایک چادر میں اوپر سے نیچے تک اپنے آپ کو لپیٹ لینے پر اکتفا کر لیا اور یہ شاید اسلئے کیا گیا ہو کہ دیگر مردوں میں طوالت ثواب اور طوالت عمل تھی جسکو باعث تشویش اور خلافت نہد سمجھا ہو پس دو چادروں کے بجائے ایک ہی لفافہ استعمال کرنے لگے اور اصل حلہ کو مسخ کر دیا۔ اور فقہان قرآنہ کے بسبب یہ نہ دیکھا کہ صرف ایک کپڑے سے ستر پوشی پوری طرح نہیں ہو سکتی جو کپڑے سے مقصود تھی۔ پس ایک جانب (زہد) کی رعایت میں مہلک ہو کر اور تمام جوانب (مثلاً ستر و تعفف) کی رعایت کرنا ہو گئے اور اس نوع کے مقصود کو غیر مقصود سے بدل دیا۔

پس ان نہد میں تحقق رکھنے والی اقوام کو اپنے اسلاف کے زہد کی صورت تو یاد رہی کہ محسوس تھی مگر حقیقت پر تنبہ نہ ہو سکا کہ وہ نور باطن ہی سے منکشف ہو سکتی ہی۔ اسلئے بلا حکمت و تفقہ انکی لباس اخلہ کی محض نقل و اتارنا شروع کر دی اور نا فہمی سے اس کو اس مسوخ ہیئت تک پہنچا دیا کہ اس کی اصلی ہیئت گم ہو گئی۔

پس ہنود و یہود وغیرہ کے ان فنانی مذاہب اور سہلک فی الزہد اشخاص کو دیکھ کر اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچیں تو یحیٰ ہو گا کہ ان کے اسلاف اور اولین داعیان مذاہب جنگی پیر دی میں یہ اشخاص آج تک زہد و قناعت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور جنہیں سے بعض کے حقانی ہونے پر اور بعض کے بارہ ساکت کسی مزد پوم کے ہول اپنے لباس و معاشرۃ کے دائرہ میں کسی قومی اور وطنی رواج کے تابع نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنے قلبی اخلاق و شمائل زہد و روع، تقویٰ و استغناء اور قناعت کے ماتحت

انکی ایک زارہاتہ اور تانہ نہ وضع رہی ہو اور کسی مرزدبوم کے کسی تمدن نے اُن کو اس قناعت و زہد کے جادہ سے نہیں ڈگایا۔

ان واقعات و شواہد کے مقابلہ میں یہ کلیہ کبھد مضحکہ انگیز اور طفلانہ بڑھے کہ ہر موطن کے انبیاء علیہم السلام اسی موطن کے رسم و رواج کے تابع ہوتے ہیں وہ لندن میں آئیں تو ہیٹ و کوٹ پہنتے لگیں۔ ایران میں آئیں تو کچ کلاہ بچائیں اور ہندوستان میں آئیں تو اچکن و چپکن اور بانگی پکڑیاں استعمال کرنے لگیں۔ یعنی ان کا کوئی اپنا داعیہ قلبی ہی نہ ہو جس کی وہ پیروی کریں۔ بلکہ وہ بھی معاذ اللہ اپنا وطن کی طرح بجائے تمدن کے تمدن اور بجائے تمدن کے تمدن ہی کے دلدادہ ہو کر دنیا میں آتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کی جیسی معاشرہ دیکھتے ہیں ویسا ہی کرتے لگتے ہیں۔

پھر صدحیرت و تعجب ہے کہ اس دور الحاد و دہریت اور بیہ ازاسلاف قرن میں تو ان دعاۃ ذہاب کے پتھر کو ہندوؤں کے جوگی۔ نصرانیوں کے راہب۔ یہود کے اجا۔ بودھ مت کے بھکشو اور سنانوں کے منصوف دنیا کے مختلف سرد درگرم خطوں چین و جاپان اور ہند و ایران وغیرہ میں اس قدیم زارہاتہ وضع کو اپنے فہم و مفہور کے موافق برقرار کہنے کی سعی کرتے رہیں اور کسی مرزدبوم کی خصوصیات اُن کی اس بچگی میں سبستی پیدا نہ کر سکیں۔

لیکن وہ آپ کی نقل سلیم پھر بھی اسے ہی جائز تصور کرتی رہے کہ ان پسروں کے اسلاف اگر ہند و ایران اور چین و جاپان وغیرہ میں ہوتے تو متحدہ نوں کے نقش قدم کی کورانہ تقلید میں لگ جاتے۔ اور دین کے موجودہ تمدن کی گھڑائیاں اور معاشرہ کے تعصبات انہیں پھیلا دیتے اور اُن کے زہد و قناعت کی کچھ بھی پیش نہ چلتی، گویا وہ تو زہد و تدین میں اپنے پسروں سے بھی گئے گذر رہے ہوتے۔ اور ان کے لکچر و تدین میں اپنے پیشروں سے بھی پیش ہو جاتے۔ یا بالفاظ دیگر تدین کی جڑیں تو تمدن کی خشک رلی سے سوکھ جاتیں لیکن انکی شاخیں پھر بھی ہری رہتیں۔

بوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بولنجی است

بہر حال یہ کلیہ کسی طرح عقلاً۔ نقلاً۔ عرفاً۔ تجرباً۔ مشاہدہً باور کرنے کے قابل نہیں کہ انبیاء

جلیل السلام لباس و معاشرۃ میں اپنے ابناء وطن کے تابع اور ملکی خصوصیات کے زیر اثر ہوتے ہیں کیونکہ اس کے باور کر لینے میں حقیقی مقبوع کا تابع ہونا اور تابع کا مقبوع ہونا لازم آئیگا اور یہ موضوع رسالہ کو الٹ دینا ہو۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۴) جبکہ یہ کلیہ ہی ساقط الاعتبار اور محض فرضی رہ گیا تو اس سے اس خاص جزئیہ کا استنباط کرنا اور بھی زیادہ ناقابل وقت اور غیر قابل التفات ہے کہ اگر حضور لندن و جبرسن میں آتے تو وہیں کو کون کا لباس استعمال فرماتے؟

لیکن تاہم اس مسئلہ یہ کہ ہم بجائے لائے ہونے کے ایک شے فرض کر کے کہتے ہیں کہ اول تو یہ محض ایک سوہوم امر اور معلق حکم ہو کہ اگر آپ لندن آتے تو ایسا کرتے کیونکہ اگر ایسا ہو جاتا تو بلاشبہ ہم بھی مان لیتے لیکن جبکہ ایسا نہیں ہوا تو آپ ہی کو قبل از وقت داویلا کرنے کی کیا ضرورت موعی ہوئی اور آپ کیوں حقائق کو چھوڑ کر وہمیات کے جال میں پھنس گئے۔ ۹۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ کو شرطیہ بنانا اور لفظ اگر سے تعبیر کرنا غلط اور نادانی محض ہے بلکہ یوں کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لندن و جبرسن تشریف لگے اور پھر بھی وہاں کی زی و ہنر کو ناپسند فرمایا اور کراہت کے سبب ٹھکرا دیا۔ کیونکہ کسی موطن کی طرف جاننا یا کسی چیز سے قریب و بعید ہونا محض مکان ہی کی حیثیت سے نہیں ہوتا بلکہ علم کی حیثیت سے بھی ہو سکتا ہو۔

حق تعالیٰ بندوں سے ان کی شہرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن علمی مسافت کے لحاظ سے نہ کہ مکان و زمان کے مسافت سے کہ وہ ان مخلوقات سے بہت بالا ہیں۔ حق تعالیٰ کو مخلوقات سے ہر آن میثیت ہے لیکن نہ زمان و مکان کی حیثیت سے بلکہ علمی حیثیت سے کہ یہی ان کی شان کھشایاں بھی ہے۔ اس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام ممالک میں تشریف لے گئے۔ لیکن نہ مکانی حرکت سے بلکہ علمی حرکت سے اور یہی آپ کی اعلیٰ شان کو زیب بھی دیتا تھا کیونکہ جب آپ نے علمی اور ہونی حیثیت سے لندن یوں اور جبرسن میں ان کے تمام ان مخصوص ملبوسات سے ہمیشہ کمال مخالفت فرمادی جو کسی دور میں ان کا شعار اور باب الا یتبا ز قرار پا جائیں تو بلاشبہ آپ نے

لندن دجر من کی طرف تشریف ارزانی فرمائی جو نقل مکانی سے کہیں بڑھ کر قوی اور مفید احکامات
متناہت ہوئی۔ پس جبکہ ایک عالم نکل اپنے گوشہ میں بیٹھ کر تمام دنیا کے لئے دستور اعلیٰ دیکھتا ہو۔ تو آپ کو
آخر کس چیز نے مجبور کیا ہو کہ آپ اُس کے لئے دنیا کے ہر گوشہ میں بھاگ دوڑ تجویز کر لیں اسکی شان سے
گری ہوئی تکلیف کا اُسے مکلف بتائیں۔

پس اب اگر ضرورت رہ جاتی ہے تو صرف اس کے معلوم کر لینے کی کہ آج لہندیوں اور جرمنوں کا
وہ کونسا لباس ہے جس کو پہن کر ایک شخص لہندی اور جرمنی سمجھا جاسکتا ہو نہ کہ اس قہقہہ شریطیہ کی
کہ اگر حضور لندن دجر من میں آتے تو ایسا ہوتا۔

بہر حال یہ جہت نہ یہ شریطیہ اس لحاظ سے تو نہایت پھل اور نفع تھا ہی کہ اس کا بنی جو کلیہ بنایا
گیا تھا وہی فرضی اور دہی نکل آیا تھا۔ لیکن اگر صرف اس جہت نہ یہ ہی کو مستقلاً سامنے رکھا جائے
تب بھی یہ واضح ہو جاتا ہو کہ اسکی حقیقت ایک منسوطہ جسم سے زیادہ کوئی وقت نہیں رکھتی۔

پس اس فرضی جہت نہ یہ پر قیاس کر کے سید صاحب کا یہ فتویٰ دینا کہ ہندوستانی مسلمان
شہزبے ہمار کی طرح ہر غیر قوم کے لباس کو بے تکلف اختیار کر کے اپنی غیرت و حیثیت کا خون کریں
اور بھی زیادہ پھر اور بے معنی ہو گا۔ اور اسکی کسی ایسے شخص سے توقع نہ کی جاسکے گی جس کو علم و فہم
سے کوئی ادنیٰ حصہ عطا ہوا ہو۔

فصل

پانچواں شبہ

سر سید تہذیب الاخلاق کے صفحہ ۱۳ پر قلمسہ لکھتے ہیں۔

”کیا ادنیٰ مشابہت سے مثلاً دھوٹی باندھ لینے سے یا بگھی و چرٹا پر چڑھنے سے یا ظاہری مشابہت کر لینے سے یا وجود اقرار تو حید و رسالت کے آدمی کا قرہ ہو جاتا ہے؟ حاشا و کلا۔ پس اصل یہ ہے کہ یہ حدیث (من تشبہ بقوم فهو منهم) روایتاً و درایتاً دونوں طرح پر مردود ہے۔“

اس شبہ کو استفہام انکاری کی عبارت میں پیش کیا گیا ہے جس میں تشبیہ کے کفر ہونے کا انکار اور اسلئے اس کے جائز العمل ہونے کا اقرار پیش نظر ہے۔

اس استفہام انکاری اور اس کے نسبت و اقراری کا خلاصہ یہ ہے کہ۔
”کیا ہم تشبیہ کی ان چھوٹی چھوٹی چیزیات اور نسبت و مشابہتوں سے کافر ہو جائیں گے؟“

”یعنی ہرگز کافر نہیں گئے۔“ اور جب کافر نہ ہوں گے تو پھر کفار سے اس ظاہری مشابہت پیدا کر لینے میں کیا حرج ہے؟ پس سوال کا منشا یہ نکلا کہ اگر تشبیہ سے کفر لازم آتا ہے تو وہ قابل اجتناب چیز بنتا ورنہ نہیں۔ اس منشا کو پیش نظر رکھتے ہوئے کھلے طور پر اس عبارت سے ایک دعویٰ تو یہ نکلا کہ۔

(۱) ممنوع اور مہنی عنہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو کفر ہو۔

نیز جبکہ مکہ چینوں کے زعم میں تشبیہ کی یہ ظاہری اوضاع کفر تک نہیں پہنچاتیں اور ایمانی حقیقت پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا تو انکی اسی عبارت سے دوسرا دعویٰ یہ نکلا کہ۔

(۲) ظاہر باطن میں موثر نہیں۔ یعنی ظاہری عمل باطنی کیفیات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔
 نیز اس استہنام میں تشبیہ کی چھوٹی چھوٹی جہت زیادت کو تحقیر کے ساتھ رد کر دینے سے
 التزاماً ایک تیسرا دعویٰ یہ بھی نکلا کہ۔

(۳) کسی مہنی عت یا مہورہ کی عام جزییات قابل التفات نہیں ہوتیں بلکہ مہورہ مہنی کا
 فی الجملہ امتثال کافی ہے۔ گویا اگر ترک تشبیہ اور مخالفت کفار مطلوب بھی ہو تو اس امر کے ذریعہ صرف
 اس کی حقیقتہً مطلقہ طلب کی گئی ہے جو ایک آدھ جزیٰ پر عمل کر لینے سے بھی ادا ہو جاتی ہو
 اور ترک تشبیہ کا حق ادا ہو سکتا ہو۔ ضروری نہیں ہے کہ تارک تشبیہ بننے کے لئے اسکی ہر ہر جزیٰ
 پر ہی عملدرآمد کیا جائے۔

شبہ کے یہ تین عموماً جن پر اس شبہ کی تعمیر اٹھائی گئی ہو اگر یہ ستون گر یں تو یقیناً
 ساری عمارت بھی اپنی چھتو پر آپڑے گی۔ اور نکتہ چین بے پناہ رجحانیں گے۔
 ہم بتوفیق اللہ دعوتہ ان تینوں من گھڑت اصول پر جدا جدا تنقیدی نظر ڈالیں گے تاکہ
 شبہ کا یہ نظر فریب طلسم کھلیجائے۔ اور سراب کے بجائے پیاسوں کے لئے آب حیات
 ظلمتوں سے نکل آئے۔

کیا مہنی عت وہی چیز ہو سکتی ہے جو کفر ہو؟

نکتہ چینوں کا یہ اصول کہ مہنی عت وہی چیز ہو سکتی ہے جو کفر ہو۔ ایک کھلی مہنی نادانی اور نفیست
 ہے۔ کیا اگر تشبیہ اسلئے ممنوع نہ رہے کہ وہ اپنے تمام شعبوں کے لحاظ سے کفر نہیں تو ان نکتہ چینوں
 کے نزدیک شراکت اوری۔ قمار بازی۔ زنا کاری۔ بے نیکی۔ بدعت بندی۔ غیر مذہبی غیبت و شتم
 تفرقہ اندازی۔ نفرت پردازی وغیرہ تمام کبار بھی ممنوع نہ رہیں گے کہ وہ بھی کفر صریح ہیں اور آدمی
 نفیض ان افعال کے ارتکاب سے کہ فرہنگ میں ہو جائے۔ اگر یہ اصول نعمتہ چینوں کے نزدیک مکمل
 اس طرح مسلم تھا تو کیا اچھا ہوتا کہ تہذیب الاخلاق کے چند منہجیت نکتہ چینوں کے ذریعہ ہر

تروشنی ڈالتے جس طرح انہوں نے جو از تشبیہ پر رقم نمائی کی ہے۔

پھر یہ عجیب قسم کا اصول موضوعہ ہے کہ جس فعل کے ارتکاب سے آدمی کا فرہودہ فعل جائز بھی ہوتا چاہئے۔ اسکے تو یہ معنی ہیں کہ کفر تو معصیت ہو سکتا ہے، لیکن دینا بھر کا فسق و فجور اور اسکے تمام شعبے کوئی معصیت اور قباحات ہوں۔ گویا کفر سے تو آدمی کو ڈرنا چاہئے لیکن معصیت اور فجور سے گھبرانی کی کوئی ضرورت نہیں یا بالفاظ دیگر خلود فی النار سے تو بچنا قرین عقل ہے لیکن دخول فی النار سے بچنے کی سعی محض ایک غیر ضروری جدوجہد ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جسے معاصی اور فجور کا خوف نہیں اسے کفر کا بھی قطعاً خوف نہیں۔ جو لوگ کسی نتیجہ کے مبادی اور وسائل سے نہیں گھبراتے وہ یقیناً اس نتیجہ سے بھی نہیں گھبراتے جو لوگ نگاہ بازی اور لمس اجنبیات سے نہیں بچنا چاہتے وہ زنا سے بھی نہیں بچنا چاہتے کہ یہ چیزیں مستقلاً کوئی حقیقت ہی اسکے سوا نہیں رکھتیں کہ وہ زنا کے ذرائع ہیں۔ جو لوگ راتوں کو مال کی تاک جھانک۔ نقب زنی اور مکانات کے بہید لینے سے نہیں گھبراتے وہ یقیناً سرقت سے بھی نہیں گھبراتے کہ یہ چیزیں وسائل مسروقہ ہونے کے سوا بالامبالغہ کچھ بھی نہیں ہیں۔

پس جو لوگ کفار کی مٹوری مشابہت سے نہیں گھبراتے وہ یقیناً ان کی باطنی مشابہت سے بھی نہیں گھبرائیں گے۔ کہ یہ ظاہری مشابہت ہی باطنی مشابہت کا ایک قوی ذریعہ ہونے کے سوا اور کیا وجہ رکھتی ہے۔ اور اس باطنی مشابہت ہی کا نام کفر ہے۔ ایسی ہی مواقع کے لئے صدیقہ عالیشان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

ایاکم و محقرات الذنوب = خیر حقیر گناہوں سے بہت برہنہ کرد کہ وہی عظیم گناہوں کا پیش خیمہ ہیں۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے خفیف المیزان لوگ تشبیہ سے اگر وہ کفر صریح بھی ہو تاہم گناہ گھبرائے اور ضرور اپنی ہوا کے موافق تشبیہ کا ارتکاب کرتے، تشبیہ کو ان کا یہ کہہ کر جائز بتلانا کہ وہ کفر نہیں محض ایک فریب اور شرعیت کو دھوکہ دینا ہے۔

ممكن ہے ان کا یہ فریب کسی جاہل مخلوق پر چل جائے لیکن خدا اسے عظیم پر تو نہیں چسکتا۔

خلق را گیسوم کہ بفز بی تمام	در غلط اندازی تا ہر خاص عام
کار با خلق آری جملہ راست	با خدا تدبیر د حیدر کے رداست
کار با او راست باید داشتن	رایت اخلاص و صدق افزا شدن
اگہ گئے اللہ دروغ میسنی	از برائے مسکہ دوسے میسنی

پس وہ خدا کو دھوکہ دینے کا ارادہ کر کے سخت دھوکہ میں ہیں کہ اپنے ہی نفوس کو دھوکہ دیر ہے
ہیں وما یخذعون الا انفسهم وما یشعرون فی قلوبہم فرعون ذنابا اللہ ورضاء

لیکن بہر حال اگر مان لیا جائے کہ تشبیہ بالکفار کا کوئی تشبیہ بھی کفر نہ ہو تو کفر کی نفی سے اس کے
ممنوع ہونے کی نفی کیسے ہو گئی۔ یعنی محض نفی کفر سے تشبیہ کا جواز کیسے ثابت ہو گیا؟ اور جب
نہ ثابت ہوا تو کتہ چینیوں کے اس نفی کفر کے استدلال سے ہمارے مقصد حرمۃ تشبیہ پر کوئی بھی
اثر نہ پڑا۔ ہو سکتا ہے کہ تشبیہ مطلق کفر نہ ہو لیکن حرام ہو پس جبکہ کتہ چینیوں کے ناقص طرز
استدلال سے انکی خلاف مرضی تشبیہ کا باوجود کفر نہ ہونے کے منہی عنہ ہونا لازم آگیا تو سوال یہ
ہے کہ یہ منہی عنہ تشبیہ آپ کے نزدیک طاعت ہے یا معصیت؟ اگر طاعت ہے تو پھر آپ کو اس
اصول کے موافق یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ زنا و شراب اور قمار و عیبہ وغیرہ بھی باوجود ممنوع
ہونے کے طاعات ہیں۔ لیکن اگر آپ تشبیہ کو معصیت مانتے ہیں تو پھر آپ کی اس عبارت کو
حل کرنے سے ہم قاصر ہیں کہ مسلمان مسلمان رہ کر خواہ کسی قوم سے تشبیہ کرے خواہ دو شعائر
ہی میں ہو کوئی حرج نہیں۔ کیا ممنوعات شرعیہ اور قبائح دینیہ کا ارتکاب آپ کے نزدیک
کچھ ابھوان یا تحسن فعل ہو؟ اگر ایسا تھا اور اسکے ارتکاب میں کوئی حرج نہ تھا تو پھر آخر شریعت
کو اسکے ممنوع قرار دینے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ کیا محض ان دو نقیضوں کے جمع کر دینے ہی
کی ضرورت تھی کہ لوگ جسے ممنوع بھی سمجھیں۔ مگر اس ممنوع کے کر لینے میں کوئی حرج بھی نہ
نہ کریں۔

محکم ہے کہ یہ آپ کی کوئی اصطلاح ہو کہ ممنوعات شرعیہ تو اب اس کے درجہ میں ہوں

اور واجبات شرعیہ فیہ نظر کے دائرہ میں۔

بہر حال نکتہ چینوں کا یہ اصول کہ منہی عنہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو کفر ہو۔ سر تا سر غلط اور نہ صرف غلط بلکہ دائرہ اسلام میں ایک ناقابل تلافی فتنہ پردازی ہے۔ بندہ دل کو خدا پر بری کرنا اور صفائے کبریا کی چراگاہوں میں آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ پس بقول سیّد صاحب کے اگر دھوٹی پاند ہونے یا بگبی پر چڑھنے یا عام مشابہت کفار پیدا کر لینے سے وہ کافر نہیں ہو سکتے تو بقول ہمارے یہ امور جائز ہی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ کسی حسینہ کے ممنوع ہونے کے لئے کفر ہی ہوتا ضروری نہیں ہے۔

ظاہری اعمال کا باطنی کیفیات پر اثر

نکتہ چینوں کے قبیلہ کا دوسرا اثر یہ کہ ان ظاہری اوضاع و اطوار کو باطنی حقائق سے کوئی تعلق نہیں اگر ایک مسلمان سر سے پیر تک نصرانی صورت اور یہودی ہیئۃ بنجائے تو کیا اسکے اعتراض تو حیدہ در سالہ میں کوئی فرق آجائیگا۔؟ کبھی نہیں کیونکہ یہ اعتراض قلب سے متعلق ہے اور یہ اوضاع و اطوار کے تغیرات محض ظاہر سے جنکا قلب سے کوئی واسطہ نہیں۔ پھر اس ظاہری تشبہ بالکفار پر کیوں خواہ مخواہ لے دے چائی جائے اور اسکو مضمرۃ شرعیہ پکارا جائے۔

ظواہر کا مسخ ہو جانا بھی بدترین عیب

(۱) ہم تھوڑی دیر کے لئے اسے تسلیم کرتے ہیں کہ اس ظاہری تغیر تبدل سے اسلام کی روح کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ اور کسی طرح تشبہ بالا قوام سے اسلام کی حقیقت (ایمان) ختم نہیں ہو جاتی۔ لیکن اگر حقیقت باتی رہتے ہوئے بھی ہیئتہ بگڑ جائے تو کیا یہ ظاہری صورت کا بگڑ جانا کچھ کم عیب شمار کیا جاتا ہے؟ اور کیا دینا اپنے ظاہر کو آراستہ کرنے اور نمائش کا ہر چہ سے اچھا

پہلو اختیار کرنے میں کوشاں نہیں رہتی؟ پھر غریب اسلام ہی نے کیا تصویق ہو کہ وہ ان حقوق سے محروم کر دیا جائے۔ اور اس کی تمام ظاہری اوضاع کو ایک قلم نہٹا دینے کی سعی یہود کی جیسے۔ کیا کوئی دیوانہ اور مسخری بھی یہ گوارہ کر سکتا ہو کہ چمکے جسم کی بدنمائی اور ظاہر کی بدینستی سے روح پر داز نہیں کر جاتی۔ اسلئے اپنے یا اپنے کسی محبوب کے چہرے پر سیسہ جی مل دینے چند اعضا کو کاٹ تراش دینے بدن پر جگہ جگہ پیٹے اور زخم ڈال دینے میں کوئی ہلکا نہ بڑے اور اس پر قناعت کر کے بیٹھ جائے کہ روح موجود اور زندگی باقی ہے۔

پس اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ظاہری تشابہ کا کوئی اثر باطن تک نہیں پہنچتا۔ تب بھی ظاہری تشبہ کے آثار کم از کم ظاہر ہی پر ایسے بدنما پڑتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی تلافی و تدارک نہیں اور کسی چیز کی محض صورت جسمانی کا مسخ ہو جانا بھی کوئی کم عیب نہیں۔

ایک لنگڑا۔ نچا۔ اندھا۔ مقطوع الاطراف اور دنیا بھر کا ایسی انسان بھی باوجود عیوب کے پُرا اور عاجز و بیکار ہونے کے انسان بھی پکارا جاتا، ور زندہ بھی رہتا ہے۔ لیکن کیا آپ اس کیلئے ایسی زندگی پسند کرتے ہیں یا اپنے لئے صرف ایسی ہی زندگی پر بخوشی قناعت کر سکتے ہیں؟ نہیں تو پھر اسلام کے لئے اس عاجزانہ اور ادھوری زندگی پر قانع نہجانے کا داعیہ آخر آپ کے قلوب پہ کیا نئے پیدا کر لیا؟ اور کس طرح دانشمند دس کی عقلوں نے گوارہ کیا کہ وہ دین کے ایک حصے دایمان قلبی پر قناعت کر کے دوسرے حصے (اسلام ظاہری) کو برا دھچھوڑ دیں۔

حالانکہ یہ ظاہر و باطن یا اسلام و ایمان ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں جن میں سے نہ تو کسی ایک پر قناعت ہی کیجا سکتی ہے۔ اور نہ ایک کے بغیر دوسرا باقی ہی رہ سکتا، جو اسی لئے ابن شامین نے علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ۔

ایمان اور اسلام دو ساتھی ہیں جن میں کوئی ایک بغیر دوسرے کے بحال نہیں رہ سکتا۔

الایمان والا سلام قرینات لا یصلح
واحد منھما الا مع صاحبه۔ (کنز العمال)

نیز ایک حصہ دین (ایمان) کو لے لینا اور ایک حصہ دین (اسلام) کو ترک کر بیٹھنا قطع نظر

من حصول کی بقا و عدم بقا کے یہ تو یہودیت کا وہی شیوہ ایمان بالبعض و کفر بالبعض ہوگا۔
جسکے ایمان کو ہی قرآن نے کفر ہی کہا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض باتوں کو مانتے ہیں اور بعض کے منکر

ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے درمیان ایک

راستہ دینا، بنالین۔ وہ بلا شبہ کافر ہیں۔

و یقولون نو من بعض و نکفر ببعض یریدون

ان یثخنوا بین ذلک سبیلاً اولئک هم

الکفرون حقاً۔ نعوذ باللہ منہ۔

یہ بحث صرف اس تقدیر پر تھی کہ ہم بھی تھوڑی دیر کے لئے نکتہ چینوں کی طرح مان لیں کہ یہ ظاہری تغیرات باطن پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے۔ لیکن اب ہم اس یا فرض سے آگے بڑھ کر وہی کہتے ہیں جو حقیقت ہے اور جسکو پیش نظر رکھ کر ہی شریعت نے ظاہری مشابہتوں کی ممانعت کی ہے۔

ظواہر کی تاثیرات بواطن پر

(۳) اور وہ یہ کہ شریعت ہی میں نہیں بلکہ کائنات کے ہر ایک محسوس ذرے میں ظاہری پیرائے اور پھر ان ظاہری پیرائوں کی حرکات و سکنات بواطن میں اچھا اور بُرا اثر ڈالتے رہتے ہیں۔ اگر پیرایوں پر کوئی تعمیری عمل کیا جائیگا تو حقائق تعمیری اثر قبول کر لیں گی اور اگر تخریبی عمل ہوگا تو حقائق بھی تخریب کا ہی اثر لے لیں گی۔

کیونکہ یہ دینا نہ تو محض معانی و حقائق کا عالم ہے کہ اس میں حقائق و ارواح بغیر پیرایوں اور اجسام کے تھم سکیں۔ اور نہ محض اجسام و صورت ہی کا عالم ہو کہ اس میں اجسام بغیر روح کے باقی رہ جائیں۔ بلکہ روح و جسم۔ ظاہر و باطن اور حقیقت و ہیئت سے ترکیب دیکر اس کائنات کو استوار کیا گیا ہے۔

پھر اس مرکب کائنات کے صنائع نے اپنی بے پایاں حکمت سے اجسام کو تو عمل پسند کیا اور ارواح میں قوتی عمل و دیعت کے یعنی ارواح کو تو مصادراعمال کا خزن بنادیا اور اجسام کو مظاہر اعمال کا۔ اور پھر جو نسبت روح و جسم میں قائم کی تھی وہی بعینہ روحانی ملکات اور

جسمانی اعمال میں قائم فرمادی یعنی جس طرح رُوح اپنے قیام میں جسم کی محتاج تھی اور جسم اپنی بقا میں رُوح کا بعینہ اس طرح اخلاق و اعمال میں ایک رشتہ ارتباط قائم کیا کہ اخلاق و ملکات اپنے قیام و استحکام اور رسوخ میں اعمال کے محتاج ہیں اور اعمال اپنے وجود و ظہور اور بقا و کثرت میں اخلاق کے دستگیر ہیں۔

پس اگر روحانی قوتی و ملکات تہوں تو اعمال بجائے اپنی نمائش کرنے کے پردہ عدم میں مستور رہ جائیں اور اگر اعمال کا ظہور و ترجیح نہ ہو تو اخلاق و ملکات اور روحانی استعدادیں بجائے راسخ و مستحکم ہونے کے زائل ہونے لگیں۔

پس اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر نمایاں ہو گیا کہ رُوح تو اپنے بالہنی قوتی سے وجود کا اثر ڈالتی ہے اور اجسام اپنے ظاہری اعمال سے ان روحانی قوتی پر رسوخ و استحکام کا۔ اور پھر اس نتیجہ سے ایک اور نتیجہ یہ بھی کھل گیا کہ اگر جوارج سے خوشنما اعمال سرزد ہوں تو رُوح پر بہترین آثار ڈالیں گے اور اگر بد نما اور مسخ شدہ اعمال صادر ہوں تو رُوح پر بدترین آثار ڈالیں گے اور اس طرح پیرایوں کی خوشنمائی و بدنمائی اور تعمیر و تخریب روح تک نیک و بد اور آبادی و بربادی کے آثار پہنچاتی رہیگی۔

غرض رُوح جسم یا اخلاق و اعمال میں جانبین سے تاثیر و تاثر کا ایک سلسلہ قائم ہی جس کوئی نامی اور ذی رُوح مخلوق بناتا ہوں یا حیوانات پھر کائنات کی عام موجودات اعیان ہوں یا عرض مستثنیٰ نہیں ہیں۔

تاثیرات ظاہر محسوسات میں

مثال کے طور پر پہلے نباتات ہی کو لے لو۔ پھولوں کی معنویت (خوشبو) اُن کے ادراک اور نازک پتیوں میں مقید ہے۔ اگر گلاب دیا سمن کی ان مسرخ و سپید پنکھڑیوں کا شیرازہ بکھیر دیا جائے تو یقیناً اُن کی خوشبو بھی منتشر ہو کر معدوم ہو جائیگی۔ حالانکہ یہ قطعاً بربر و نادان خوشبو پر نہیں دانتے ہوئی بلکہ پتیوں پر لیکن پھر بھی پیرایہ کے تغیر سے حقیقت کہہ سکتے ہیں۔

بتیغ ہو گئی۔

خود انسان ہی میں دیکھ لو کہ مثلاً اس کی نگاہ کی لطیف طاقت آنکھ کے پردہ میں کار فرما رہی اور سماعت کی قوت پردہ گوش میں اگر حدتہ چشم یا پردہ گوش کو توڑ پھوڑ دیا جائے تو کیا یہ باطنی قوتی بصارت و سماعت باقی رہ سکتے ہیں۔ یا اگر پورے جسم کو پاش پاش کر دیا جائے تو کیا روح اور زندگی پھر بھی قائم رہ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! حالانکہ یہ تمام تغیرات ظواہر پر کئے گئے تھے نہ کہ براہ راست بواطن پر۔ لیکن پھر بھی ان ظواہر کا تغیر بواطن تک کس سرعت کے ساتھ پہنچ گیا اور پھر یہی مطابقت کے ساتھ پہنچا کہ جب درجہ پیرائے متاثر ہوئے اسی درجہ میں حقائق بھی متاثر ہو گئیں یہاں تک کہ اس پر بھی کسی کے بس میں نہ رہا کہ اگر بینائی کی طاقت کا خاتمہ ظہور ویران ہو گیا تھا تو اسے ہاتھ پاؤں یا بدن کے کسی اور گوشہ ہی میں جگہ دیگر ٹھہرا لیا جائے۔

اسی طرح علوم و ادراغ کے سلسلہ پر نگاہ ڈالو تو وہاں بھی اس متاثر و متاثر کا سلسلہ کھلا ہوا نظر آئے گا۔ ایک فصیح و بلیغ عبارت کی معنویت اس کے الفاظ میں پنہاں رہتی ہی۔ اگر الفاظ کو مسخ کر دیا جائے یا تعبیرات بدل دی جائیں تو ان الفاظ کی ساتھ ساتھ وہ معانی بھی رخصت ہو جائیں گے جو ان الفاظ کی قبایں جلوہ آ رہے تھے حالانکہ یہ خود ان الفاظ میں کیا گیا تھا نہ کہ معانی میں۔ مگر معانی کا قیام ہی جبکہ ان الفاظ کے پیرایوں کی بدولت تھا تو پیرایہ مٹتے ہی وہ بھی رخصت ہو گئے۔

پھر بھی الفاظ یعنی معانی کے ظاہری پیرائے جو نوک زبان سے ادا کئے جاتے ہیں انسانی ارواح میں اس درجہ موثر ہیں کہ شاید تیر و تنگ کے گھرے زخم بھی ایسی تاثیرات پیدا کر سکیں اگر کسی کو گالی دید جائے تو محض اس ایک لفظ کی بدولت جو ممکن ہے کہ محض غلط ہی کہا گیا ہو مخاطب کا خون جوش کھانے لگتا ہو اور اس کے نفس میں ایک زبردست انقلاب ہیجان رونما ہو جاتا ہے۔

اور کسی جوش میں بھر کے ہوئے انسان کو کانون تک چند نرم اور مہذب الفاظ خلیقانہ اور متواضعانہ لہجہ سے پہنچا دئے جائیں تو پھر دیکھو کتنی اُن اس کا جوش کس طرح ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

اگر ظواہر اپنے بواطن تک آتا رہیں پہنچتے اور اگر عالم الفاظ عالم معانی میں موثر نہیں اور اعمال کی کوئی تاثیر اخلاق پر نہیں تو پھر آخر یہ انقلابات کیا ہیں؟ یہ فنا و بقا حقائق کی معنی رکھتی ہے اور روح میں یحیٰ و سکون اور توجہ و تامل کیسا ہے؟

پھر کیا ممکنہ چینوں نے کبھی اپنے انداس کا مشاہدہ نہیں کیا کہ اگر غسل کے ذریعہ بدن کو صاف و ستھر کیا جائے تو روح بشائستہ کے آثار قبول کر لیتی ہے اور مکدر اور گندہ رکھا سنے تو روح تک بھی یہی تکدر سرایت کرنے لگتا ہے۔ اگر صاف ستھرے کپڑے ہوں تو روح میں انبساط کی کیفیات جو شہنشاہ ہونے لگتی ہیں۔ اور اگر میلے کھیلے کپڑے ہوں تو روح میں انقباض کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کپڑوں پر عطریات چھڑکے ہوئے ہوں تو روح میں مسرۃ و شادمانی کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں اور اگر نجاسات لگی ہوئی ہوں تو اس میں تکدر و بے چینی کی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔

حالانکہ ادبیات و روحانیات میں ماہیت و حقیقت کے اعتبار سے بون بیدر بلکہ تضاد کی نسبت ہے لیکن پھر بھی اس قدر قی جوار و اتصال کے سبب یہ روحانیات اپنی اصناف سے آثار قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور فطری جسم کی لطافت و نجاست سے خود متاثر ہونے لگتی ہیں۔

تو پھر کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ بدن اور کپڑوں پر اگر معنوی نجاست و کثافت یا معنوی لطافت و پاکیزگی سرایت کر جائے تو اس معنوی اثر تک کے سبب روح اور بھی زیادہ اس لطافت و کثافت معنوی سے متاثر ہو اور ویسے ہی نیست و کیفیت آثار قبول کرے جیسے اس کے بدن یا لباس نے جس کی کرے۔

ہمارے نزدیک اور ہر افسانہ نویس کے نزدیک جو دید و بصارت کے ساتھ چشم بصیرت رکھتا ہو۔ ضرور مکن ہے کہ بدن و لباس و چیز کی معنوی کثافت یعنی اسکی ذلت و خوارگی جو صفات شہتہ ہو سکیں جب شہتی مدد سے تجاوز ہوں۔ اور ان میں کمال و کمالیہ حقیقت کی گہرائی ہو جو

عرضی الہی و پسندیدہ بارگاہ رسالت پناہی ہے۔ اور اسے سطح بطن لباس کی معنوی لطافت یعنی وہ
 اوضاع و اطوار جسکا تجل و تزیین سنتہ کے موافق اور حدود و شریعہ کے دائرہ میں ہو پیران معنوی آثار سمیت
 قلب تک سرایت کرتی ہو اور قلب وہی کیفیات قبول کر لے جو اس ظاہری قالب کے قبول کو تھے
 ہمارا مدعی اور تجربات

چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ انسانی تجل و تزیین کی مختلف لباسی اور بدنی شکلیں اور وضع و تراش
 کی مستند ہئیتیں خود اسی انسان کے باطن پر مؤثر ہو کر اُسے بناتی اور بگاڑتی رہتی اور اس کے اخلاق
 باطنی میں کھلا ہوا انقلاب پیدا کرتی رہتی ہیں

اگر ایک جوانمرد اور بہادر انسان نازک لباس بپیش بہا زیورات اور غیر معمولی ناز و تنعم کی
 ہئیتیں اختیار کر لیتا اور اپنی ظاہری وجود کو مزین بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے تو چند ہی دن کے
 بعد اس جوانمردی و دل آوری اور جفاکشی کے بجائے اس کا باطنی عالم (قلب) بزدلی و تن آسانی
 اور آراش و عیش پسندی کے نسوانی جذبات کو قبول کرنے لگتا ہے وہ اُس کے تمام شجاعانہ جذبات
 خاک میں ملجاتے ہیں اور جس طرح اُس نے اپنے ظاہر کو نسوانی اعمال کا زیر مشق بنایا تھا اسی طرح اُسکا
 باطن بھی انہی نسوانی جذبات سے معمور ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ایک انسان اگر تکلف امراد کا لباس اختیار کرتا ہے تو اس لباس کے تمام لوازم تختہ
 و تفاخر یا تحقیر ناس وغیرہ اسکے قلب میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ اگر فقراء و مساکین کی ہئیت اختیار کرتا
 ہے تو اس ذی ہئیتہ کے لوازم فقر و تواضع اور خاکساری و فروتنی اسکے باطن کو رنگ دیتے ہیں اگر
 علماء و مشائخ کی طرز و وضع ظاہر پر حیرت کرتا ہے تو اس کے آثار و رعب و توقیع اور حیا و تدین کے اُسکا
 باطنی جہان روشن ہو جاتا ہے اور اگر سیفہوں یا خوفوں یا شاطروں کا لباس اختیار کرتا ہے تو پھر یقیناً
 چالاکی و عیاری اور مفسدہ پردازی وغیرہ کے جذبات قلب میں سُورخ پیدا کر دیتے ہیں اور اسی قسم
 کے اعمال کا عادیہ طور پذیر ہونا بعید نہیں رہتا۔

حسن حیرت ہے نکتہ جہیزوں پر کہ ظواہر کی یہ قطعی اور واقعی تاثیرات جب اُن کے سامنے آتی

ہیں تو وہ اس حیثیت سے تو انہیں بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ ان کے عینی مشاہدات ہیں لیکن اس حیثیت سے وہ ان تمام مشاہدات کو رد کر دیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسل نے تشریف ہی حیثیت سے بھی انہیں سطح تسلیم کر لیا ہو گا یا ان کو اپنی آنکھ پر اس سے بھی زیادہ اعتماد ہو کہ جتنا انکو خدا کی رسالت اور اخبار وحی پر ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ ایمان صرف اُسی اقرار و اعتراف کا نام تھا جو محض انبیاء علیہم السلام اور وحی الہی کے اعتماد و یقین پر کیا جائے اور دنیا کے سارے مشاہدات سے کہیں بڑھ کر اسے قطعی اور واقعی سمجھا جائے۔ بہر حال وہ مانیں یا نہ مانیں لیکن شریعت ان مشاہدات سے زیادہ اور کیا کہتی ہے؟ اور اس کا دعویٰ اسکے سوا کیا ہے کہ یہ ظاہری افعال کا تکرار اور ان کا بار بار دھرا نا قلوب میں ایک ملکہ نفسانیہ کے راسخ ہونے کا سبب بن جاتا ہو اگر ایک شخص خیر کے افعال کا بار بار اعادہ و تکرار کر رہا ہے تو ضرور ہے کہ اس کے قلب میں خیر کے ملکات اور نورانی آثار راسخ ہو جائیں۔ اور اگر شر کے ارتکاب کی عادت ڈال رہا ہو تو قلب میں شر کے دعائی اور ظلمانی آثار پیدا ہو جائیں خواہ یہ ظاہری افعال تدبیر کے متعلق ہوں یا تمدن کے دینی امور ہوں یا معاشرتی۔

شرعیات اور تاثیر ظاہر

خیر کے سلسلہ میں شریعت نے تصدیقات کی ہیں کہ جو ارج کے اعمال، لباس کی انوار، کپڑوں کی۔ اقسام، بھان کی کیفیات پر زیادتی۔ اور کمی کا اثر ڈالتی ہیں۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ صوف سوا پھنٹا جو محض ایک ظاہری فعل ہو، ایمان کی حلاوت پیدا کر دیتا ہو جو محض ایک باطنی کیفیت ہے

مَنْ سَرَّهَ أَنْ يَجِدَ حَلَاوَةً لَا يَمَانُ
ظَلِيلٌ مِنَ الصَّوْفِ - (کنز العمال)

جو ایمان کی حلاوت پسند ہو اسے چاہئے کہ صوف پہنے

حدیث میں فرمایا گیا کہ غلامہ باندھنے سے جہنم اور دقار کی کیفیت قلب میں پیدا ہو جاتی ہو۔

اَعْتَدُوا لَكُمْ دَاوُدَ وَحُلُمًا دَنْدَا لَعَالٍ
غلامہ باندھ کر دھم بڑھ جائے گا۔

حدیث میں ہے کہ نماز میں صفیں سیدھی رکھو گے تو قلوب میں بھی راستی و استقامت

پیدا ہو جائیگی ورنہ کجی و اختلاف۔

استودا تستو قلوبکم وکما تخلقوا فتختلف
قلوبکم۔

(مسنون صلوٰۃ میں) سیدھے رہو تو تمہاری قلوب سیدھے
ہیں گے۔ اگر نیچھے مت ہو ورنہ قلوب بھی اسی طرح
آگے نیچھے اور مشرقی ہو جائیں گے۔

حدیث میں خبر دی گئی کہ اگر علم پر جو ارج سے عمل کر دے تو قلوب میں تے تے علوم پیدا ہو جائیں گے
من عمل بما علم ورثه الله علمه والہ اعلم
جو اپنے علم پر عمل کرے گا تو خدا تعالیٰ اسے ایسے علم کا
دارث بنا دے گا جسکا ہنسک وہ نہیں جانتا تھا۔

پھر جس طرح یہ اعمال اپنی تاثیرات سے خیر کی حقیقت قلوب تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح اعمال شر
شرط کی حقیقتیں قلب میں پیدا کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم نے خبر دی کہ یہ اعمال لوگوں کے قلوب میں بد عملی کے سبب ایک زنگ بیٹھ جاتا
ہے جو قبول حق کی استعداد کو آخر کار فنا کر دیتا ہے جسکو کہیں طبع سے کہیں رتق سے کہیں ختم سے
کہیں وقر سے کہیں کبتان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

ایک جگہ فرمایا

ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بڑا
زنگ بیٹھ گیا ہے۔

کلا بل ران علی قلوبہم ہنا یکسبون۔

کہیں منہ مایا۔

بلکہ خدا نے ان کے قلوب پر فہر کردی ان کے کافرانہ اعمال
کے سبب۔

بل طبع الله علیہا بکفرہ۔

اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا

چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بہت بچو کیونکہ گناہ پر گناہ کوڑا
رہتا اس گناہگار پر ایک عظیم الشان انگ رہن کر دیتا ہے

ایاکم والمختار من الذنوب فان الذنب
علی الذب یوقد علی صاحبہ حجوماً عظمتہ۔

یعنی صفائے کبار پر جرات ہوتی ہے اور کیا رُسے استخفاف معاصی اور کفر پر اور یہی آگ کا پیش
خیمہ ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ۔

قلب مثل کف دست کے کھلا ہوا ہے یعنی منشرح ہے
جب گناہ کیا جاتا ہے تو سکڑ جاتا ہے پھر کیا جائے تو اور
سکڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بالآخر سپر فہر کر دجائی ہے اور

القلب کا لکھتے فاذا اذنب الذنبا نقبض
واذا اذنب ذنباً اخر انقبض ثم يطعم عليه
وهو الرين۔

یہی رنگ ہے۔ یعنی قبول حق کی استعداد بھی باقی نہیں رہتی۔

اسی لئے حدیث ابی ہریرہؓ میں فرمایا گیا کہ۔

جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک سیاہ نقطہ
پیدا ہو جاتا ہے جو دلوں میں وہ عمل مکرر ہوتا ہے یہ ظلمانی

اذا اذنب الانسان حصلت في قلبه نقطة
سوداء حتى يسود القلب۔

نقہ بھی بڑھتا جاتا ہے ایسا رنگ کہ آخر کار قلب سیاہ پڑ جاتا ہے۔ گناہ کے دعائی قوی ہو جاتے ہیں اور توبہ کی توفیق مستحکم
بہر حال جس طرح پہلی نوع کی احادیث نے قلوب میں ایمانی کیفیات، ایمانی اخلاق، راسخ
ہونے کا سبب اعمال کو بتایا تھا۔ اسی طرح ان آیات و احادیث نے قلوب کے رنگ کفر اور بیوقوفی
کا سبب بھی انسانی عمل اور کسب ہی کو بتایا ہے۔ اور ان دونوں قسم کے سلسلوں سے شہادت
اسلام کا یہ دعویٰ بالکل پختہ اور مضبوط ہو جاتا ہے کہ ہر ظاہری عمل کا اثر قلب پر پڑتا ہے۔

مسئلہ تاثیر ظاہر دنیا کا پہنچائی مسئلہ ہے

پھر یہ ظاہر عمل کی تاثیر کا دعویٰ ایک اسلام ہی کا دعویٰ نہیں بلکہ تمام مذاہب اس کیسا تہہ اس
دعویٰ میں متفق اللسان ہیں نہیں بلکہ تمام مذاہب کی تعمیری ہی محض اس ایک اصول تاثیر
ظاہر فی الباطن پر مبنی ہیں۔ کیونکہ تمام مذاہب کا مقصد رُوح کی ترقی ہے۔ اور یہ ترقی
اعمال کے سوا ناممکن ہے کیونکہ محض احوال و کیفیات سے تو رُوح پہلے ہی سرشار تھی ہاں اس میں
اعمال کا وجود نہ تھا اس عمل کرنے اور ان باطنی قوی کو بروئے کار لانے کے لئے ہی رُوح کو جسم کا

جامہ عطا ہوا تاکہ ان اعمال کے ذریعہ رُوح میں اُن اعمال کے مناسب ملکات راسخ اور ممکن ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ عمل کا تعلق جسم سے ہے نہ کہ رُوح سے۔

اسی لئے تمام مذاہب نے اپنا مقصد ترقی رُوح ظاہر کر کے جتنا بھی اعمال اس مقصد کی تحصیل کے لئے تلاش کئے ان سب میں بجائے رُوح کے جسم کو مقید کیا گیا ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ پھر معاشرۂ تمدن کی تمام جزئیات اور سلسلہ معاملات کے تمام ہی احکام جو کرنے اور نہ کرنے کے متعلق ہیں سب ہی اجسام پر جاری کئے گئے ہیں نہ کہ براہ راست رُوح پر۔

پس اگر اس ظاہر اجسام کی عملی قید و بند کو دیکھ کر یہ کہہ دیا جائے کہ شرائع کا مقصد محض ان اعضا جسم ہی کا پابند کرنا ہی اور یعنی رُوح اور ترقی رُوح سے ان شرائع کو کوئی بھی تعلق نہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ تزکیہ رُوح اور ترقی باطن کو کہاں تلاش کیا جائے جبکہ مذاہب بھی اس مقصد کے خالی رہ گئے۔ اور اگر مذاہب کا اعلیٰ مقصد تزکیہ رُوح یا ترقی باطن ہی تسلیم کر لیا جائے جبکہ واقعہ بھی یوں ہی ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر ان مذاہب نے اعمال کی قید و بند میں ان بیچارے اعضا جسم کو کیوں مقید کر دیا؟

اس مشکل سوال کا حل اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم مذاہب کا مقصد ترقی رُوح اور اسکی تحصیل کا ذریعہ اعمال بدن رکھ کر بلا چون و چرا تسلیم کریں کہ جسم و رُوح میں ضرور کسی تاثیر و تاثر کا سلسلہ قائم ہے۔ اور یہ کہ ہمارے جسم کے حرکات و سکنات براہ راست رُوح پر اپنا اثر ڈالتے ہیں تاکہ اعمال شرائع کے ذریعہ روحانی ترقی بجائے خود باقی رہ سکے۔ ورنہ اگر اعمال کا اثر باطن پر تسلیم نہ کیا جائے تو تمام مذاہب کی تعمیریں بیک آں منہدم ہو جاتی ہیں اور انسان کا دنیا میں آنا اور اگر کچھ کرنا محض لغو اور بے سود اور عبث ٹھہر جاتا ہے۔

پس بجائے اس کے کہ نکتہ چینیوں کے کسی بے جڑ و سوسہ سے تمام شرائع الہی کا اتہام جائز تصور کیا جائے۔ یہ زیادہ معقول ہے کہ اس و سوسہ ہی کو نامعقول اور مردوکہ دیا جائے۔

پس اب اسلام بلکہ دنیا کے سارے ہی مذاہب کو اُن لایعقل افراد پر خندہ ذنی کا موقع

ہے جو اپنی آزادانہ رائے اور بے قیدی سے مغلوب ہو کر کہا کرتے ہیں کہ۔

”اگر ہم نے فلاں لباس پہن لیا یا فلاں کام کر لیا یا کچھ جزوی فرد گزشتہ ظاہری طور پر کر لیں تو کیا ہمارے ایمان پر اثر پڑ جائیگا؟“ ان سے خدا کا امر اور اس کا خلق یعنی حق تعالیٰ کی تشریع اور اسکی سکونین متعلقانہ اقرار کر لینی کہ ظواہر اعمال اور بیرون کا اثر باطن میں ایمانی آثار بھی پیدا کر سکتا ہے اور کفری بھی اور وہ ایمان کو بھی قدس سے محو کر سکتا ہے اور کفر کو بھی اور اس لئے ایسے خفیت الدماغ انسانوں کا کہنا کہ ظاہر کا اثر باطن میں نہیں پہنچ سکتا خدا کے خلق و امر دونوں کی تکذیب اور مذہبی دنیا کی جہودیت کا مقابلہ ہے۔

تاریخی شواہد سے مسئلہ کا اثبات

ان اصولی اور علمی تصریحات کے بعد اگر تاریخ عالم کے واقعات و مشاہدات پر ایک نگاہ ڈال لیجائے تو ان ظواہر کی تاثیرات پر تاریخی واقعات بھی شہادۃ دیں گے۔ اور معلوم ہو گا کہ جب کسی فرد یا قوم نے ظاہر عمل سے کسی خیر کا سب کیا (گو خیر کی نیت بھی ہو) تو آخر کار اس کے قلب میں خیر پونچھ کر رہی۔ اور جب کسی نے اپنے عمل سے شر اور برائی کی صورت اختیار کی تو گو نیت شر کی نہو تب بھی قلب میں شر پیدا ہو کر رہی۔

(۱) پہلی فصول میں عمرو بن لُحی بن قُثمۃ بن خُذافہ کا ذکر آچکا ہے کہ اُس نے ہمارے بھائی کے بت پرستوں کی مشابہت میں خود بھی بیت اللہ میں بُت نصب کئے اور گو اس وقت شرک کی نیت نہ تھی بلکہ شاید نظر کی کمی ہوئی اور دل کی ایک مرنجی کے لئے ان بتوں کا استقبال کیا گیا تھا لیکن بہر حال جبکہ یہ عمل ہی فی نفسہ شرک کا تھا تو انجام کار اہل عرب کے قلب شرک اور بُت پرستی سے مملو ہو گئے اور عرب تو حید اور ملتہ ابراہیم کے نور سے یکسر محروم کر دیا گیا۔ قابولوں نے جو مشرک کا عمل اختیار کیا قلوب نے بھی اُسی مشرک کے آثار قبول کر لئے۔

(۲) صاحب مرقاة شراح مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ کُفر و سوسی کا ایمان لانا بلا شبہ خدا کے حکم و مشیت سے متعلق ہے کہ ہر امت و مملکت اُسی کے بقدرۃ میں ہے۔ لیکن عالم اسباب میں ہیں

چیز نے ان کے قلوب میں استعداد پیدا کر دی وہ اُن کا ظاہری تشبہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے لباس سے انہوں نے کیا اور دوسرا ہی خبیثہ دوستا پہنکر میدان مقابلہ میں آئے۔ گویا اپنے ظاہر کو تو انہوں نے پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام کے تابع بنایا تھا اور ظاہر اور سگائیاں میں اور موسیٰ علیہ السلام میں بُعد اور منافرت باقی نہ رہی تھی۔ آخر کار باطن بھی تابع ہو گیا اور قلبی منافرت بھی اُٹھ گئی جو ایمان کا ذریعہ بن گئی ورنہ موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر وہ کہہ سکتے تھے کہ موسیٰ بڑے ساحر ہیں اور ہم چھوٹے اسلئے اُن کا قلب دلیل صداقت نہیں بلکہ دلیل کمال فن ہی۔

(۲۴) پھر لکھتے ہیں کہ فرعون کے دربار کے ایک مسخرہ کو (جو موسیٰ علیہ السلام کی نقلیں اُتار کر لیا تھا) جیسا لباس پہنکر اُن جیسی عصا ہاتھ میں لیکر اُن کیسی آواز بنا کر فرعون اور فرعونوں کو ہنسایا اور استہزاء موسوی مقاصد کی تبلیغ کیا کرتا۔

جبکہ غرق سے اُس کو بچا لیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں شکوہ کیا کہ اُسے کیوں بچا لیا گیا۔ حالانکہ سب سے زیادہ ایذا مجھے اُسی کے تسخر سے پہونچتی تھی۔ تو جواب دیا گیا کہ یہ بیشک تسخر سے ایذا دیتا تھا اور اس کا قلب کفر ہی سے پُر بھی تھا لیکن تیری لباس جیسا لباس پہنتا تھا۔ تیری طرز محکم صیاد محکم اختیار کرتا تھا اور تیری تمام اداؤں سے اس نے ظاہری مشابہت پیدا کر لی تھی پس ایک حبیب سے بعید تھا کہ دشمن کو حبیب کی زحیٰ و ہدیت میں عذاب دے۔ اسلئے اگر اُس نے دنیا میں ظاہری طور پر تیری صورت سے تشبہ کیا تو صرف دنیا میں ظاہری طور پر ہی اُسے نجات ملی۔ منگنی کہ غرق بحر سے بچا لیا گیا۔ اس کا قلب کفر سے بہرہ زہے۔ اسلئے اُسکی آخرت بھی عذاب سے بہرہ زہے۔

(۲۵) اور اب اس اُمت میں بھی دیکھ لو کہ حضرت ابو محمد ورہ رضی اللہ عنہ کا ایمان بھی اسی ظاہری کی اثر اندازی کا رین منت ہے۔ بزرگ خنیں سے واپس آتا ہوا لشکر اسلامی راستہ میں کسی پڑاؤ پر فرکوش تھا۔ گاؤں کے لڑکے عسکر اسلامی کو دیکھنے کیلئے تماشائی بن کر ہجوم کر آئے۔ جب شکر میں اذان ہوئی تو تمام لڑکے استہزاء سے نقلیں اُتارنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان لڑکوں کو

پکڑ لاؤ۔ چنانچہ کچھ حاضر کئے گئے۔ پوچھا گیا کہ کون نقل اُتارتا تھا۔ سب نے ابو مخذومہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسلئے سب لڑکے رہا کر دیئے گئے اور ابو مخذومہ کو ان کی نیک نصیحتی نے رد کیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو۔ اور اذان کہو اور اذان کی نقل اُتار دو۔ یہ کھڑے ہوئے اور پھر آپ اذان تلقین فرماتے گئے وہ بتکلف اور بجز زبان سے ادا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اُسی زبان سے توحید در سالہ کی وہ شہادت بھی ادا کی جس کی وجہ سے تمام عرب میں ایک تلاطم برپا تھا۔ لیکن سبحان اللہ کہ اس ظاہری حرکت لسانی نے ابو مخذومہ کے قلب کو محروم نہ چھوڑا، بلکہ وہی توحید در سالہ کی شہادۂ جو زبان سے بتکلف ادا کرائی گئی بالآخر سویدا قلب میں پہنچ کر رہی۔ اور پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ابو مخذومہ کس جلالت کے آسمان کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں۔

اور اسی حدیث سے بلاہتہ یہ بھی نقل آیا کہ نبوۃ کے آثار طیفہ اگر قلوب میں پہن سکتی ہیں تو زبانوں کی شہادۂ اور ظاہر کے متاثر کرنے ہی سے پہنچ سکتے ہیں کیونکہ کسی باطن میں جب ایسی چیز پہنچانی جائیگی جو اس میں نہیں ہے تو اس کا راستہ ہی ہو کہ ظاہر کے راستہ سے اُسے قبول کیا جائے قلوب کے عالم کا ظاہر لسان اور جوارح ہی ہیں تو جو بھی آثار ظاہر پر ڈال لئے جاویں گے وہی آثار باطن کو بھی متاثر کر دیں گے۔

باطن نیست حق کند ظاہر

چوں بیاری طہارت ظاہر

اسی لئے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔

اسکے لوگوں کو کنت کا رہنا۔

اسلام نے آؤ اگرچہ ابتداؤ اس سے کراہتہ بھی ہو۔

کیونکہ انجام کار یہ ظاہری اسلام ہی باطن کو زنگ دیتا ہے۔

بہر دین و بہر دنیا و بہر نام اللہ اللہ کردہ باید و اسلام

اسی اصول پر حدیث میں خشوع و خضوع حاصل کرنے اور حق تعالیٰ کے سامنے گریہ و زاری کا

داعیہ پیدا کرنے کی ترکیب بتلائی گئی کہ۔

ذات اللہ تبارک و تعالیٰ کو۔ اگر تم روز کو توبہ کرنے کی صورت ہی بناؤ یعنی بتکلف۔ وہی کی صورت بنا لیتے گریہ کی حقیقت

قلب میں پیدا ہو جائے گی۔

اور ٹھیک اسی اصول کو کہ ہر ظاہر اپنے باطن میں مؤثر ہے۔ ابو داؤد کی اس حدیث میں جسکو مرد و ٹھیکر نے میں نکتہ چینوں نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کر دیا ہے ان کھلے الفاظ میں ادا فرما دیا گیا ہے۔

من تشبه بقوم فهو منهم
جو کسی قوم سے ظاہری مشابہت پیدا کرے گا وہ انجم کا
بالنہی اسی قوم میں سے ہو جائیگا۔

بہر حال یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ جب کبھی اسلام (ظاہر علی) پر حملہ کیا جائیگا تو نہیں ہو سکتا کہ ایمان (باطنی حقیقت) اس سے متاثر نہ ہو اگر اسلامی اعمال کے پیرائے چھوڑ دئے جائیں تو بلاشبہ ان متروک پیرایوں کی حقیقتیں بھی نہ رہیں گی اور دین کے اعضاء ایک قلم قلم کر دینے کے بعد اُس کی ایمانی رُوح بھی خود بخود سمٹ جائے گی۔

پس یہ دوسرے محض ایک نفسانی دھوکہ یا شیطانی نزغہ ہے کہ ظاہری اوضاع باطن پر مؤثر نہیں ہیں۔ جس کیلئے نہ کوئی شرعی حجت ہے نہ عقلی برہان۔

پس نکتہ چینوں کا یہ کہنا کہ حدیث من تشبه بقوم رواۃ دورایہ مرد و دسہ خود ہی عملاً اور نقلاً مرد و اور ناقابل التفات ہے۔ انہوں نے جو رد و طرد حدیث پر ڈالنا چاہا وہ اچھوڑ کر کہیں کی طرف نوٹ کیا۔ یزید و ان یطغوا انور اللہ یا فواہم واللہ متعم نورہ ولو کرا الکافرون۔

ظاہری اعمال باطنی بندیاں کے ترجمان ہیں

(۱۳) محمد اللہ یہاں تک دلائل و نظائر سے ثابت ہو چکا ہے کہ تشبیہ کے یہ ظاہری اعمال اپنی تاثیرات باطن تک پہنچ جاتے اور قلوب میں متشبہانہ انقلاب پیدا کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر اور زیادہ غائر نظر سے کام لیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ قلوب فی الحقیقت اس عملی تشبیہ کی تاثیرات سے انقلاب قبول نہیں کرتے۔ بلکہ قلوب کے پیشگی انقلاب کی وجہ سے اس عملی تشبیہ کا جو ارج پر ظہور ہوتا ہے۔ کو پھر یہ ہی عملی تشبیہ قلوب میں اس انقلاب و تبدیل کو قائم اور راسخ بھی بنا دیتا ہے۔ پس عملی

تشبیہ تو صرف قلوب کے اُٹ جانے کی ایک دلیل جس سے قلبی انقلاب کا ثبوت ملتا ہے جو ایک شاکہ نوری مرتبہ ہے۔ ورنہ قلوب ان اعمال کی اثر اندازی سے پیشتر ہی تشبیہ کا انقلاب قبول کر چکے ہیں۔
 کیونکہ ان اعمال کا قلب تک آثار پہنچانا اسپر موقوف ہو کہ وہ جوارح سے سرزد تو ہو جائیں اور کسی عمل کا جوارح سے سرزد ہونا اسکے بغیر ممکن نہیں کہ پہلے قلب میں اس کا منشا موجود ہو اس کی طرف قلب کے رگون و میلان پیدا ہوا اور پھر عزم و تہیہ کے ساتھ قلب تعمیل کے لئے تیار ہو جائے۔ یعنی ہر عمل کی قیوم پہلے باطن سے ہوتی ہو اور پھر ظاہر کا آئینہ اسکو چمکا کر سیکے سامنے کر دیتا ہو۔ گویا ہر ایک عملی پیرایہ اپنی حقیقت کا عکس ہوتا ہو اور ہر ایک ظاہر اپنے باطن کا رادفاش کر دیتا ہے۔

پس جس طرح ایک درخت کا تمام ظاہری پھیلاؤ پہلے اپنی چھپی ہوئی جڑ سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور پھر جوں جوں اس کی شاخیں بنوائیں پھیلتی جاتی ہیں ووں ووں جڑ کے ریشے تھوڑے تھوڑے میں پھیلتے اور استحکام حاصل کرتے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک متشبہ کی ظاہری مشابہتیں پہلے اپنی باطنی جڑ (میلان و دعائی قلب) سے اُٹکارا ہوتی ہیں اور پھر جوں جوں تشبیہ کے شعبے جوارح پر چھاتے رہتے ہیں ووں ووں قلب میں وداعی تشبیہ کا رسوخ بڑھتا جاتا ہے۔ تاکہ ایک دن تشبیہ کی تمام تر قی اور منتہائے مقاصد ہی تشبیہ بنجاتا ہو۔

پس ایک متشبہ تو اسی دھوکہ میں گرفتار ہو کہ اس سے اس ظاہری تشبیہ بالاغیر کے قبیح آثار یا ظاہری تاک محدود ہیں یا مستقبل میں شاید قلب کو بدل لائیں گویا اوقات عمل میں قلب تشبیہ سے بری ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کا یہ ظاہری تشبیہ بالکفار ابتدا ہی سے اسکے قیج یاطن اور قلبی تشبیہ کا ایک نفل اور اثر ہو جو قلب کے وداعی تشبیہ سے لبریز ہو چکنے کے بعد نمایاں ہوا ہو اور قلبی تشبیہ کی دلیل ہو اس ظاہری تشبیہ نے قلب میں تشبیہ کی تخم ریزی نہیں کی بلکہ قدیم تخم ریزی جو پہلے ہی مناسبات باطن کے سبب قلب میں ہو چکی تھی اسکے ثمرات کو جوارح پر نمایاں کر دیا۔ پس کسی نا سمجھ متشبہ کا ان ظاہری برائیوں کے ہوتے ہوئے باطن کو درست گمان کرنا محض ایک طفلانہ توہم ہو۔ اُس یقین کر لینا چاہیے کہ سوا ظاہر سوا باطن کی دلیل ہو کہ حسن باطن کی۔ ایسے نا سمجھ انسانوں کو محسوسات

فکے اس محسوس و مشاہدہ سلسلہ پر بھی ایک نگاہ اعتبار ڈال لینی چاہئے کہ ایک مریض جس کے چہرہ پر
مردنی چھاگئی ہو انگلیوں میں چلتے پڑ گئے ہوں اور جسم زرو پڑ چکا ہو تو کیا یہ اسکی مرضی صورت اندرونی
صحت کی دلیل ہے یا مرض کی؟ ظاہر ہی کہ ایسا نحیف و ناتواں پیرایہ تو نقاہت باطن ہی کی دلیل بن سکتا
ہے نہ کہ صحت و قوت باطن کی۔

تھیک اس طرح جن بدقسمتوں کے اجسام روحانی امراض کی نقاہت کو نمایاں کر رہے ہوں
جنگلے چہرے ٹہرے۔ ہاتھ پیر۔ جنگلے لابس و مطاعم لاندہ بی و دہریہ۔ زندہ و الحاد اور دین قہیم کیسا تہہ
شونی و شخ چستی کو عیاں کر رہی ہوں کیا یہ اسکی دلیل ہوگی کہ ان کا قلب مذہب و دین اور خشیہ
الہی سے لبریز ہو۔ وہ سچے خدا پرست اور ارباب زہد و صلاح میں سے ہیں۔ اور اس تاریکی ظاہر کے
ہوتے ہوئے بھی ان کا باطن روحانیت کی صحت سے تازہ اور سرشار ہو؟ کبھی نہیں۔ کیونکہ روحانی
صحت یعنی مذہبی حقیقت اپنی ہی صورت میں آتی ہو اور لاندہ بی اپنی ہی صورت پر۔ اگر ارباب مذہب
و تقویٰ ظہور کریں گے تو اپنی ہی متیقانہ شکل پر اور اگر ارباب دجل و دہریہ کا خرمج ہوگا تو انہی کی
دہریانہ صورت پر۔

اسی حقیقت کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا کہ
وَإِذَا الْجَبَدُ مَضَعَةٌ إِذَا صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ الْجَبَدُ كُلَّهُ
انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹوٹھرا ہوا گروہ در
ہے تو سارا بدن درست ہو اور اگر اس میں فساد آجائے
تو سارا بدن فاسد ہو جائے۔ مستند وہی ٹوٹھرا قلب ہے۔ یعنی ظاہر کا صلاح و فساد باطن کے تابع ہو۔

ایک دوسری حدیث میں اسی حقیقت کو اس طرح واضح فرمایا گیا کہ۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ كَالْوَعَاءِ إِذَا طَابَ اسْفَلُهُ طَابَ
اعْلَاؤُهُ وَإِذَا خَسَفَ اسْفَلُهُ خَسَفَ اعْلَاؤُهُ =
اعمال مثل برتن کے ہیں جبکہ ان میں کی چیز کا نیچے کا حصہ
اچھا ہے تو اوپر کا بھی اچھا ہوگا اور جب تلی کا حصہ خراب
خراب ہے تو اوپر کا حصہ بھی خراب ہوگا۔

پس قلب و قالب ایک حقیقت کے دو رخ اور ایک شے کے دو سرے ہیں جو ظاہر و باطن یا روح و جسم یا

قلب و طالب کے نام سے موصوم کر دئے گئے ہیں اور جبکہ ان میں سے باطن یا روح کا وجود مقدم ہو تو ظاہر پر
پر کوئی حرکت و نموداری نہیں آ سکتی جو پہلے باطن سے نہ اٹھی ہو۔

پس ان سادہ لوحوں کو اپنے توہمات و خیالات پر نظر ثانی کرنی چاہئے جو بے دھڑک کہہ دیا کرتے
یا ظلم ہاتھ میں اٹھا کر کہتے ارستے ہیں کہ اگر ہم نے شبہ بالا قوام کر کے لباس بدلے یا یا صورتیں مسخ کر لیں تو کیا
ان بڑی امور سے ہمارے ایمان میں تغیر آجائے گا؟ انھیں کیا معلوم ہو کہ تغیر آئیگا نہیں بلکہ پہلے سے آجائے گا
جسے اور اس آئے اگلے تغیر ہی کہے یہ سب مظلوم سے ہیں۔ جو صورتوں اور پہیلیوں پر چھا گئے ہیں اگر
قلب اس تشبہ بالکفار کی نجات سے پاک ہوتا تو ظاہر کی نمائش کیوں اس طرح مسخ ہو جاتی۔

لیکن دیکھنے والی آنکھ ہی نہیں کہ دیکھے اور آنکھ کب دیکھ سکتی ہو جبکہ قلب ہی میں بینائی شہری
فاہما لا تعی الا بصائر من تعی القلوب
بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھیں نہیں ہو جا کر تیں مگر دل
جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جا کر تے ہیں۔
انفی فی الصدور۔

اعاذنا اللہ من سوء البصائر والبصيرة۔

الکھنڈ کہ اس سلسلہ کا ہم میں نکتہ چینیوں کے اس دعویٰ کی کہ ظاہری اوضاع باطن میں اثر
نہیں ڈالتیں پوری قلعی کھل گئی۔ اور یہ بات دلائل سے پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ دعویٰ غافل قلب
یا حیلہ جو طبائع کا ایک وہم ہو۔ اگر بالفرض ظاہر کا اثر باطن پر نہیں بھی پڑتا تو کم از کم ظاہر ہی بگڑ جاتا
ہے۔ اور یہ غم ایک غیب سے اور اگر باطن پر اثر پڑتا ہو تو پھر وہ ہر اچھے سے اور پھر پہلی بات توبہ ہو
کہ باطن در حقیقت ظاہر کے بگڑنے پر پیشتر ہی بگڑ چکا ہو ظاہر بگڑا کر باطن کے بگاڑ کا نشانہ بن کر ماحض ایک
دھوکہ ہی ہو۔

اس لئے ان دو ہر تائب تک پہنچنے کی توبہ ہی بعد میں سکتی ہو۔ پس ان تاثیرات کا کیا ظلم و کد
کر بیٹھنا غنائی حکم کے امر کی بھی گند سب کرنا ہو اور اسکے خلق کو بھی دیکھو مثلاً اللہ ہم اللہ میں کد ہوا
بیا یات اللہ و اعلمہ لا یخفی انہو را الظالمین۔

بگتہ چینوں کے اس شبہہ کا تیسرا رکن یہ ہو کہ کسی مامور و منہی کی عام جزئیات قابل التفات نہیں ہوتیں بلکہ مامور و منہی کافی الجملہ مثال کافی ہے۔ جو کسی ایک آدھ جزئی پر عمل کر لینے سے بھی ہو سکتا ہے پس جبکہ ترک تشبہ یا مخالفہ کفار ایک ایسا ہی منہی عنہ ہے جو بہت سے افراد پر مشتمل ہو تو وہ بھی اپنی کسی ایک آدھ جزئی کے زیر عمل آجائے سے ادا ہو جانا چاہئے یعنی اگر ہم بلا تعین کسی نہ کسی جزئی میں بھی کفار کی مخالفت کر لیں اور ان سے تشبہ منقطع کر دیں تو ترک تشبہ کا حق ادا ہو جائیگا۔ اور ہم نہی الہی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائیں گے۔ کوئی ضرورت نہیں ہو کہ ترک تشبہ کی ہر ہر جزئی کا غواہ اُنکے کو پا بند بنایا جائے۔

جواب

اول تو ہمارے نزدیک یہ شبہہ کوئی ایسا معتد بہ شبہہ ہی نہیں جس کی بنا کسی صحیح مقدمہ پر ہو یا اسکی کوئی محض حقیقت قائم ہوتی ہو کہ اس کے جواب کے لئے قلم اٹھایا جائے۔ کیونکہ اگر یہ مدعی ہو کہ دین کو ضروری اور واجب الاعتبار ماننے کا دعویٰ رکھتے ہیں (اور ضرور کہتے ہیں جیسا کہ تہذیب الاخلاق میں اسلام اسلام پکارے اور اپنے کو مسلم ظاہر کرتے ہیں، تو پھر دین کے کسی جزو کو علانیہ غیر ضروری ٹھہرا دینے کے کیا معنی ہیں؟ اور اگر ان کے نزدیک فی الحقیقت دین کا کوئی ادنیٰ جزو یہ بھی غیر ضروری یا معتد بہ الاعتبار ہو۔ تو پھر ان کا مجموعہ دین کو ضروری اور واجب الاعتبار کہتے کس حد تک قابل تسلیم ہو گا؟

یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک بد فہم انسان پورے انسانی بدن کو تو چھینا نہ صنف بتلائے لیکن ناخن۔ یا بدن کے روئیں یا اور کسی عضو کو غیر ضروری اور ناموزوں بھی کہے۔ پس اگر یہ ان بعض اعضا کو غیر حکیمانہ بتلائے میں سچ بول رہا ہے تو یقیناً کل بدن کو حکیمانہ صنف کہنے میں جھوٹ بول رہا ہے اور اگر کل کے بارے میں سچا ہو تو بلاشبہ اس جزئی دعویٰ میں جھوٹا ہو۔

اسی طرح یہ فہم و قرأت کے دعویدار جبکہ مجموعی اسلام کو تو اپنی زبان سے حکیمانہ امر کہیں سیکھیں۔ اسلام کے اس اہم جزو ترک تشبہ یا مخالفت کفار کے عام شعبوں کا انکار کرنے لگیں تو ضرور ہے کہ وہ بھی اس اقرار و انکار میں سے کسی ایک میں دروغ گو اور کذاب ہوں۔ پس جبکہ ان کے سبب کچھ مقدمات یا بھی متناقض کیونکہ۔ سے امکان کی سطح پر نہیں آتے تو مشبہہ کی حقیقت ہی قائم نہوئی کہ ہم جواب کی طرف التفات کریں۔

لیکن اگر مان لیا جائے کہ یہ مشبہہ کوئی اہم اور اصل مطلب نقص ہے تو پھر سوال یہ ہو کہ یہ جو بھی حیثیت سے مخالفت کفار یا ترک تشبہ کے غیر ضروری ہونے کا دعویٰ آیا۔ آپ علماء کر رہے ہیں یا اعتقاداً اگر آپ محض عملاً ہی اسکو غیر ضروری سمجھتے ہیں کہ کفار سے لباس و معاشرت وغیرہ میں کلیہ مشابہت قطع کیجائے کافی ہے کہ کسی ایک آدھ جزو میں کوئی جزوی امتیاز پیدا کر لیا جائے جیسے کوٹ پتلون اور دوسری مخصوص اوضاع نصرانیت اختیار کر کے صرف ٹوپی اسلامی پہن لیجائے۔ تو میں کہتا ہوں کہ کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ سارا لباس زمانہ پہنکر اوپر سے ایک مردانہ ٹوپی فی الجملہ امتیاز قائم کرنے کے لئے پہن لیں۔ اور اس حلیہ سے کسی جذبہ سوسائٹی میں بے تکلف چلے جائیں۔ نہ آپ کو کسی عار کی پروا ہو نہ ملامت کی۔ اگر آپ عرف عام کے خلاف ایسا کر سکتے ہیں تو ممکن ہے کہ عرف شریعت کے خلاف بھی آپ کے اس فی الجملہ امتیاز پر تحمل کیا جاسکے لیکن جبکہ جو کچھ مذکور ہے اپنی برابر کی مخلوق سے عار آتا ہے تو کیا غضب ہے کہ یہاں آپ کو خالق سے کوئی عار نہ آئے۔ پھر اگر غورتوں سے تشبہ کرنے والوں اور فی الجملہ امتیاز کو کافی سمجھنے والوں پر آپ ملامت کرنے کو ذرا بھی برا نہیں سمجھتے۔ تو پھر تشبہ بالکفار کرتے وقت جبکہ یہی فی الجملہ امتیاز کا بھوت تم پر سوار ہوا ہے وہ ملامت کرنے کو کیوں برا سمجھتے ہو۔

اور اگر آپ کفار کی کلی مخالفت اور تشبہ بالکفار کے کلیہ ترک کرنے کو اعتقاداً ہی غیر ضروری جانتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ آیا آپ نے کسی تاویل سے ایسا اعتقاد پیدا کیا یا باتوں سے۔ اگر باتوں آپ دین کے کبھی مشبہہ کو جو بلا مشبہہ دین سے غیر ضروری اور ساقط الماعتبار کہہ رہے ہیں۔ تو پھر

آپ کو اپنی حاقبت کی فکر کر لینے چاہئے کہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول پر کھلے ہندوں اور اہل باغ و ہنار اور اس کے دین کے ایک حصہ کی صریح تکذیب کرنا ہو۔

سوائے شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہو گا جو اللہ پر بھوٹا

فمن اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب

بائے اور سچی بات کو جبکہ وہ اس کے پاس پہنچے پھٹلا دے

بالصدق اذ جاءہ الیس فی جہنم مثنوی

کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا ہو گا؟

لکھا فرین۔

اور پھر نہ صرف یہ دین کے کسی ایک حصہ ہی کی تکذیب ہی بلکہ پورے ہی دین کو جھوٹا ٹھہرانا اور بے اعتبار بنانا ہو اور بلکہ اپنی رائے سے سارے دین کو منسوخ کر دینا ہے۔

کیونکہ جب آپ کے نزدیک ترک تشبہ کے ذریعہ کفار کی مخالفت کلیتہً ضروری نہیں۔ کسی ایک آدھ جزئی میں کافی ہے تو اس کے صہات معنی یہ ہیں کہ اس ایک آدھ جزئی کے علاوہ تمام امور میں کفار کی موافقت جائز ہے۔ اور جبکہ موافقت کفار جائز ہے۔ تو بلاشبہ آپ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی مخالفت بھی جائز ہو۔ کیونکہ موافقت کفار بعینہً مخالفت انبیاء ہے۔ ورنہ اگر موافقت کفار مخالفت انبیاء نہ ہو بلکہ عین موافقت انبیاء ہو تو انبیاء علیہم السلام اور کفار کے مقاصد کا واحد ہونا اور اسلام و کفر کا ایک ہو جانا لازم آئے گا۔ اس لئے الاحوالہ موافقت کفار کو بعینہً مخالفت انبیاء ماننا پڑے گا۔

پس آپ سوچیں کہ اس زعم کے ہوتے ہوئے دین کس طرح باقی رہ سکتا ہے اور بے تو ضروری کس طرح رہ سکتا ہو۔ کیونکہ دین میں ایک حصہ نامورات کا ہو جس میں سنن انبیاء کے ساتھ تسنن کرنا سکھایا گیا ہے۔ جس کو تخلیہ کہنا چاہئے اور ایک حصہ منہیات کا ہے جس میں سنن کفار سے استرازا کرنا بتلایا گیا ہے جس کو تخلیہ کہنا چاہئے اور جبکہ ان گستاخوں کے نزدیک نہ تشبہ بالانبیاء ضروری نہ ترک تشبہ بالکفار ضروری نہ تخلی بالفضائل ضروری نہ تخلی عن الزواہل ضروری۔ پھر اس میں کیا شبہ ہے کہ ان کے نزدیک مجموعہ دین ہی غیر ضروری ہے۔

اور پھر کوئی ان قومی ریفارمرز سے پوچھے کہ معاذ اللہ ایسے غیر ضروری اسلام کو جس کی ضرورت عدم ضرورت کے مساوی ہو اور جس کے محرکات اس کے جائزات کے ہمرتبہ ہوں۔ گویا

جس میں نہ علت کا پتہ ہو نہ حرمیت کا تاہم کوئی کبیرہ واجب الشرک ہو اور نہ کوئی فریضہ واجب العلم
 دنیا میں آنے اور تھدی کے ساتھ غیر مذاہب کو ہل میں مبادرت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا غیر ضروری
 اور مساوی افعال والٹرک اُعود پر بھی دنیا میں کبھی تھدی کیلگی اور پینچ دئے گئے ہیں؟
 اور پھر یہ مدعی جواب دیں کہ آخر بیطارض پر وہ کونسا اسلام ہے جس کی جامعیت کی دعویٰ
 تھی اور جس کے تمام و کمال کا اُغیار میں بھی چرچا تھا۔ اگر وہ یہی اسلام ہے جسکی عدم ضرورت
 کی تصویر تہذیب الاخلاق کے صفحات میں کھینچی گئی ہو۔ تو حیرت ہے کہ خدا کا آخری دین اور آیت
 غیر ضروری غیر مکمل اور نامتام ہو کہ نہ اس میں کوئی چیز مکرر کرنے کی ہو نہ پھڑکنے کی۔ اور اگر وہ کہیں اور ہو
 جو تہذیب الاخلاق کے مؤلف کو بتاک و متیاب نہیں ہو سکا تھا تو بجائے اس کے کہ خلافِ مروت
 اس بلا تاویل اعتقاد کے ادعا سے مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالتے مناسب تھا کہ اس صحیح اسلام کی
 تلاش میں لگتے۔

کیا ان مدعیان شعور کو دین میں اتنا بھی شعور نصیب نہ ہو سکا کہ عام جزئیات دین کو اس طرح
 ناقابل التفات ٹھہرا دینے اور عمل کے ہر ممنوع و محرم حصہ کے متعلق لاپائیدار کلام کو کھینچ کر
 اس کے سوا اور کیا نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اُمت ارتکاب کیا کر اور ترک فرائض پر جبری ہو ایک ایک
 کر کے اس سے اسلامی شعبے رخصت ہو جائیں۔ اسلامی خصائص مست جائیں اور غیر اسلامی
 شعائر بادلوں کی طرح اُمت پر چھا جائیں جیسا کہ یونہی واقعہ وقوع پذیر ہو بھی رہا ہے۔

پھر کوئی ان مدعیان دانش و نبش سے پوچھے کہ آیا انہوں نے قوم کیلئے یہ کوئی اچھی اور مفید
 تجویز کی یا مسئلہ تشبیہ کا رد کرتے ہوئے اُمت کو ایک ایسے ضلالت انگیز اور سفاقت آمیز راستہ پر
 ڈال دیا کہ ان کے قلوب پر اتباعِ ہدئی اور خیر کے دروازے تو بند ہو جائیں اور اتباعِ ہولی اور
 شکر، راہیں کھل جائیں۔ ہر شخص اپنے قول و عمل میں بے قید اور مطلق العنان ہو۔ ہر معصیت
 زیرِ لاپائیدار کلام ہو اور اس طرح دنیا معاصی کا ایک جہنم بن جائے۔

کب قدر عبرت کی جگہ ہو کہ اُمت کے اسلاف اور فقہاء نے تو خرمات حدود اور تحفظِ اصول کی خاطر

مشتبہات بلکہ کہتے ہی مباحات سے بھی ہمتہ کو بطور سد ذرائع باز رکھنے کی سعی کی۔ تاکہ لہجہ دین اپنی اصلی صورت میں اخلاف نکالتے پہنچ گیا۔ لیکن ان مریان تفتہ نے اپنی اہوار کی خاطر پہلے اس کے اصول و حرابت ہی پر ہاتھ صاف کیا۔ تاکہ اپنے اور کتنوں ہی کے قلوب سے وہ اسلاف کی جمع کردہ پوچی نہایت سہولت سے کھینچے اور راہ استفادہ سے ہٹ گئی۔ فضلاً و اخلاً۔

بہر حال اگر ان نکتہ چینوں نے مخالفت کفار کے کلیتہً غیر ضروری ہونے کا اعتقاد بلا تاویل ہی دل میں جایا تو انہوں نے نہ صرف مخالفت کفار ہی کو غیر ضروری کہا بلکہ موافقت انبیاء کو بھی غیر ضروری کہنے کے جرم بگئے اور اس ناقابل تلافی جسٹرم کی عاقبت و عقوبت وہ خود سوچ لیں۔

ہاں اگر انہوں نے مخالفت کفار اور موافقت انبیاء کے کلیتہً غیر ضروری ہونے کا اعتقاد کسی تاویل سے جایا جس کی تقریر شیعوں کیجائے کہ یہ مخالفت و موافقت جبکہ امر و نہی کے ذریعہ طلب کی گئی تو موافقت انبیاء کا امر اطیعوا الرسول (در رسول کی اطاعت کرو) اور یہ مخالفت کفار کی نہی لا تتبعوا یا لا تشبهوا الکفار (کفار سے مشابہت مت کرو یا ان کا اتباع مت کرو)۔ فعل ہونے کی حیثیت سے ایک مطلق ہے جس کے ذریعہ علی الاطلاق ہم سے موافقت انبیاء اور مخالفت کفار طلب کی گئی ہے۔ اور مطلق کے متعلق اصول میں بے پانچنا ہے کہ وہ اپنی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئی پر بھی عمل ہو جانے سے ادا ہو جاتا ہے۔ تو ہم اگر کسی ایک آدھ جزئی میں بھی انبیاء علیہم السلام کی موافقت کر لیں اور باقی امور میں خلافت نہیں یا یہ طریح کسی ایک آدھ جزئی میں کفار کا خلافت کر لیں اور باقی تمام امور میں ان کے موافق رہیں تو ہم بھی اس امر اتباع اور نہی تشبیہ کا حق ادا کر دیں گے۔ کیا ضرورت ہے کہ ایک ایک جزئی میں انبیاء علیہم السلام کی کلی موافقت اور کفار کی کلی مخالفت ضروری ٹھہرا دجائے۔

تو ہم اس عجیب و غریب تاویل کو سامنے رکھ کر جس سے سول کریم قلب اتباع متشابہ اور ابتغافتہ کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے کہتے ہیں کہ نہ ان مولوں نے حقیقت مطلقہ کی حقیقت کو سمجھا اور نہ اس کے مختلف اسالیب استحال ہی پر مطلع ہو سکے۔ انہوں نے نا سچی سے یہ تو دعویٰ کر دیا کہ انبیاء و جوامع امور یہ ہے اور اتباع کفار جو نہیں عنہ ہے فعل ہونے کی حیثیت سے ایک حقیقت مطلقہ ہے۔

ہے جس میں عموم کا دخل نہیں۔ اور اس اصول پر اگر اس ابتلع انبیاء اور ترک ابتلع کفار کا کوئی ادنیٰ سا جزو بھی ادا کر دیا جائے۔ تو یہ حقیقت مطلقہ ادا ہو جانی چاہئے اور مخاطبوں کو امر و نہی کی ذمہ داریوں سے ہلکا بھی ہو جانا چاہئے۔

لیکن ان علم مکنتہ چینوں کو اسکی کیا خبر ہے کہ کبھی مطلق کی حقیقت پر دوسرے قواعد فقہیہ غالب اگر اُسے اپنی ماہیت سے نکال دیتے ہیں۔ وہ مطلق ہونے کے بجائے عام بن جاتا اور اسکی حقیقت مطلقہ حقیقت عامہ کی صورت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی مطلق یا نکرہ نفی کے تحت میں آجائے تو پھر اس کا اطلاق فنا ہو کر عموم کیلئے جگہ خالی کر دیتا ہے اور اسکے افراد کو اطلاق کے بجائے استغراق گھیر لیتا ہے۔

پس سابق اطلاق میں اگر کسی ایک آدمہ جزئی پر عمل کر لینا کفایت کرتا تھا اور مطلق کی حقیقت ادا ہو جاتی تھی تو عموم و استغراق میں اس کا ہر ہر فرد ضروری العمل ہو جاتا اور کسی ایک آدمہ فرد پر عمل کر لینا عموم کی ادا حقیقت کے لئے ناکافی ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کو امر کیا جائے کہ۔

واثق احداً من المسلمین۔ تم مسلمانوں میں سے کسی کے ساتھ موافقت کرو۔

تو یہ نکرہ (احداً) ابھی تک اپنے اطلاق پر ہے۔ اگر امور نے مسلمانوں کے کسی ایک فرد و احد کیساتھ بھی موافقت کر لی۔ تو بلاشبہ اس نے امر کا حق ادا کر دیا۔ ضروری نہیں ہے کہ اس حقیقت مطلقہ کی ادائیگی کے لئے ہر ہر ہی افراد مسلمین کیساتھ موافقت ضروری سمجھی جائے۔ لیکن کسی موافقت کی نفی کی جائے اور اسکو زیر نہی لا کر اسطرح ادا کیا جائے کہ۔

لا توافق احداً من الکفار۔ کفار میں سے کسی سے موافقت نہ کرو۔

تو اب یہ نکرہ منفیہ بجائے مطلق ہونے کے عام بن گیا جس کے ہر ہر فرد کو زیر نفی لانا ضروری ہو گیا پس اگر امور نے ہر ہر فرد سے اپنی موافقت قطع کر لی۔ تب تو اس نے بنی کا حق ادا کیا اور اگر کفار کے کسی ایک فرد سے بھی موافقت باقی رہ گئی تو نہی کی تعمیل سے ضرور قاصد سبھا جائیگا۔

ٹھیک اسطرح جبکہ قرآن کریم نے مسلمانوں کو تائبہ کفار یا ابتلع و موافقت کفار سے نہی کی

۱۰ اور فرمایا کہ۔

لا تتبعوا هواء قوم قد ضلوا۔

مگر اہوں کی خواہشات کی پیروی مت کرو۔

لا تتبعوا السبل۔

کچھ راستوں پر مت چلو۔

لا تتبع سبیل المفسدین۔

مفسدوں کی راہ مت اختیار کرو۔

لا تكونوا كالذين اذوا موسى۔

موسیٰ علیہ السلام کے ایذا دہندوں کی مانند مت ہو۔

لا تكونوا كالذين كفروا۔

کافروں کی مانند مت ہو۔

يا حدیث نے بھی کی کہ۔

لا تشبهوا بالاعاجیل لیس منامن تشبه

عجیوں کی ساتھ تشبیہ مت کرو۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے

بقوم غیرنا۔

جو ہمارے اختیار سے تشبیہ کرے۔

یہاں اسی منفی حقیقت کو بصورت اثبات ادا فرمایا کہ۔

خالفوا اهل البوادی۔

خلافہ کرو جنگلیوں کا۔

خالفوا الاعراب۔

خلافہ کرو گنواروں کا۔

خالفوا الاعاجم۔

خلافہ کرو عجیبوں کا۔

خالفوا المنشکین۔

خلافہ کرو منظر کوٹنے والوں کا۔

تو اسی مذکورہ اصول کے موافق جبکہ خلاف کفار اور مخالفہ مشرکین یا اہل ہوی کی حقیقت

مطلقہ زیر نہی آئی تو عام بن گئی اور اس وقت تک ادا شدہ نہ سمجھی جاسکے گی۔ جب تک کہ

اس اتباع کفار یا تشبیہ بالا اقوام کے ایک ایک چیز سے احتراز ضروری نہ سمجھا جائے۔

پس اب بھی مخالفہ کفار کو حقیقتہً مطلقہ کہہ کر کسی ایک آدھ چیز پر عمل کر لینے سے اسے ادا شدہ

ماننا نہایت ہی بے خبری اور غفرت پر مبنی ہوگا۔

ہاں سوال یہ باقی رہا کہ اس منہی عنہ موافقہ کفار کو تو نفی نے عام بنا دیا اس لئے اس کا ہر

فرد ضروری عمل بن گیا۔ لیکن موافقہ انبیاء تو مأمور بہ اور مثبت ہونے کی وجہ سے اپنے اطلاق

پر باقی ہے اور اس میں بظاہر عموم و اشتقاق کی کوئی بھی وجہ نہیں پائی جاتی پھر اس میں عموم و اشتقاق کا دعویٰ کیوں کیا جا رہا ہے اور امتہ کو کیوں مجبور کیا جائے کہ وہ ایک ایک جزئی میں انبیاء علیہم السلام کی موافقت ہی کرے۔ کیوں نہ جائز تصور کیا جائے کہ اتباع انبیاء کی کسی ایک آدھ جزئی پر عمل کر لینا ادا و حقیقت کے لئے کافی ہے۔

یہ سوال فی الحقیقت ایک بر محل سوال ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ اس اصول کی بنا پر آیات مسطورہ سے اتباع انبیاء میں کوئی عموم و اشتقاق نہیں نکلا جکتا بلکہ اطلاق مفہوم ہوتا ہے لیکن اس سے کیا کیا جائے کہ اتباع انبیاء کی بعض دوسری نصوص نے اس اطلاق کو باطل کر کے یہاں میں عموم ہی پیدا کر دیا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔
 تمہیں رسول اگر کچھ دے تو قبول کرو اور جس سے منع کرے روک کر جاؤ۔

دوسری جگہ فرمایا۔

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ۔
 جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہو اس کی پیروی کرو۔

ان نصوص میں مآ کا کلمہ استعمال فرمایا گیا ہے جو عام ہے جس میں رسول کی آدھ سے مراد ہوتی ہے مگر داخل ہو گئی اس لئے اس سے اتباع کا تعلق بھی اسی عموم سے ہو گیا اور اطلاق احادیث کی نسبت کہ عموم و اشتقاق کیا جس سے ایک آدھ جزئی نہیں بلکہ ایک ایک جزئی ضروری الامتات ہوئی نیز پھر اسی عموم و اشتقاق سے ایک دوسرے اسلوب سے یہاں ادا فرمایا کہ

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنْ أَمْرٍ۔
 پھر ہم نے تجھ پر ایک شریعت کی طرح بنائی کہ اس طریق پر چلے جائے۔

اس آیت میں اتباع شریعت کا حکم دیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ شریعت سے حد تک بڑا کلمہ ہے جو تمام احکام کے تمام اصول و فروع پر حاوی ہے اور جب اس کے بعد یہاں یہاں سے دوسرے

انہیں کے تمام اجزاء کا اتباع بھی مطلوب ہے۔ ورنہ کل کے مطلوب ہونے اور اسکے کل اجزاء کے مطلوب ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ پس اس اسلوب پر اتباع انبیاء کا عموم و شمول اور اشتقاق اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتا اور اطلاق محض باطل ٹھہر جاتا ہے۔

بہر حال جبکہ موافقہ انبیاء اور مخالفہ کفار کی حقیقتیں اپنے اندر کوئی ایسا اطلاق نہیں رکھتیں جو نکتہ جینوں کی قلعہ بہالہ اور علی توانی میں مدد دیکھے۔ بلکہ ایسا عموم رکھتی ہیں جو اپنے سارے ہی افراد پر حاوی و شامل ہے۔ تو اسب یہ مخالفہ و موافقہ اپنے اجزاء یا افراد کے لحاظ سے ایک کل اور مجموعہ کی حیثیت میں آئیں۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی حسی و معنوی مجموعہ بغیر اپنے سارے اجزاء کی فراہمی کے قائم نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک ایک کر کے اسکے اجزاء جو کر دے جائیں۔ اور باقی ماندہ اجزاء پر قناعت کر لیا جائے تو یہی (ابتداء) اس مجموعہ کا نقصان اور آخر کار اس کا مرٹ جانا تصور کیا جائیگا۔ پس ہر ایک مجموعہ کی بقا صرف اسی صورت سے ممکن ہے کہ اسکے چھوٹے سے چھوٹے جزو کا وہی تحفظ کیا جائے جو اسکے بڑے سے بڑے جزو کا کیا جا سکتا ہے۔

دیکھو ایک حسین کے حسن کے لئے تمام اعضا، بدن کا موزوں ہونا شرط ہے۔ بیاض بشر اور سواد دمو۔ آنکھ کی بڑائی اور ہاتھ پیر کی موزوں چھوٹائی۔ قد و قامت کی خوبی اور چال و حال کی پسندیدگی حتیٰ کہ صوت و کلام کی دلکشی اور دوسری بہت سی شرائط حسن کا پایا جانا ضروری ہے۔ کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ اگر آنکھ چھوٹی ہے تو ہو کہ رنگت سفید ہے۔ اگر آواز جھڈی ہے تو ہو کہ دہن تو غنچہ مثال ہو اور اگر بعض اعضاء میں موزونیت نہیں تو ہو کہ اور دوسرے بعض میں تو ہے حسن معنوی میں تو مثلاً ایک جامع عالم اسی وقت اس اعلیٰ خطاب کا اہل تصور کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ علوم عالیہ کے درجہ میں قرآن و سنت اور اصول و فروع فقہ وغیرہ سے واقف ہو اور علوم عامہ کے درجہ میں ادبی فنون پھر محققات کی اصطلاحات سے یہ خبر ہو۔ نہیں کہہ سکتے کہ اگر وہ فقہ کی جزئیات سے واقف نہیں تو حدیث سے تو ہو اور اگر قرآن نہیں جانتا تو اصول تو جانتا ہے پھر کیا بوجہی ہے کہ ایک حسین کا مجموعی حسن تو چند جزوی نقصانات سے بدنام ٹھہر جائے

اور ایک عالم کی جامعیت پر چند فنون کی لاطلیوں سے حرف آجائے لیکن خدا کے دین کی حسین ہیئت و شکل اور جامع حقیقت میں جبکہ وہ غربت زدہ ہو کر ان مصطلح و بفار مردوں کے ہاتھوں پرٹے نہ صرف جزوی بلکہ اصولی قطع و برید سے بھی کوئی بدنامی رونما نہ ہو۔

یہ بنے ہوئے روشن خیال اطلاق کی اڑ لیکر اسکو صورتاً اور سیرۃً بدل دیں۔ البتاس تشبیہ بالکفار سے اس کا نقشہ پٹ دیں۔ اور سینکڑوں جدید سانچوں میں ڈھال کر اسکو دینا کے سامنے لائیں لیکن پھر بھی وہ اسی صدراول کا تام و کامل اور حسین و جمیل اسلام رہے۔ اور یہ برعکس نام نہند روشن خیال نہایت ہی متعسف اور قدیم روایات کے حال مسلمان پکارے جاسنے کے مستحق رہیں؟ کلّاً بل دان علیٰ قلوبہم ما کانوا یکسبون :

پس اگر اس قسم کے مجموعوں کو جو اپنے بہت سارے اجزا پر محیط ہیں طلب کیا جائے تو ضرور دیکھا جائے گا کہ مع تمام اجزا ہی کے طلب کیا جاسکتا ہے، ورنہ اگر مجموعہ کی طلب کے وقت اس کے اجزا مطلب ہوں یا کچھ ہوں اور کچھ نہ ہوں تو یہ طلب ہی محض لغو اور عبث ہوگی۔

پس نہ تو ایک طالب مجموعہ کی غرض مجموعہ کے تمام اجزا جمع کئے بغیر پوری ہو سکتی ہے اور نہ اس نامور ای کو مجموعہ کا اتنا مال کنندہ کہا جاسکتا ہے۔

فرض کیجئے کہ ہم نے کسی معمار کو ایک مکان بنانے کا امر کیا اور اس نے ایک دیوار یا صحن محراب بنا کر سمجھ لیا کہ اُس نے ہمارے امر کی تعمیل کر دی کیا وہ صحیح سمجھا؟ ہرگز نہیں! کیونکہ مکان ایک کل اور مجموعہ ہی جو غرفا دیواروں ستونوں۔ چھتوں در و درجہ وغیرہ اجزا پر مشتمل ہے۔ فقط دیوار یا فقط محراب کو مکان نہیں کہتے۔ پس یہ مجموعہ اپنے سارے ہی اجزا سے ظہور پذیر بھی ہو سکتا ہے اور پورے ہی اجزا کو تعمیر کر کے ایک معمار ہمارے امر کا حق ادا کرنے والا بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

اسی فطری اصول پر سمجھ لو کہ اگر بارگاہ حق سے کسی مجموعہ کی مانگ ہو (خواہ وہ مجموعہ اعیان میں سے ہو یا افعال میں سے پھر اخلاق میں سے ہو یا اوصاف میں سے) اور بندے اس مجموعہ کے کسی ایک آدھ جز کو تو حاضر کر دیں اور بقیہ اجزا کو لایاں کہہ کر چھوڑ دیں تو کیا اُن کو اس معمار

ایسی طرح نہیں کہا جائیگا کہ انہوں نے بھی امر الہی کا کوئی حق ادا نہیں کیا اور ہرگز وہ امر کی موافقت ہی
ہلکے نہیں ہوئے؟ ضرور کہا جائیگا۔

ایمان مثلاً ایمان میں لو تو قرآن کریم نے۔

(دھوکہ دیتے ہوئے) اپنے چہروں کو دھوؤ۔

فاغسلوا وجوهکم۔

میں امر کے ذریعہ ہم سے چہرہ دھونے کی طلب کی۔

اور وجہ یا چہرہ ایک عین ہے جو چند اجزاء پر مشتمل ہے۔ آنکھ، ناک، رخسارہ، اور ذقن وغیرہ
پر حاوی ہونے کے سبب ایک مجموعہ اور کل ہی۔ اسلئے تنہا پیشانی یا رخسارہ کو چہرہ نہیں کہہ سکتے
ہیں اگر ہم نے فقط رخسارہ یا پیشانی دھو ڈھالی یا تنہا ناک پر پانی کے چند قطرے پھینکا دیئے تو نہ
کہا جائیگا کہ ہم نے چہرہ دھو لیا۔ کیونکہ چہرہ ان انفرادی اجزاء کا نام نہ تھا بلکہ بحیثیت مجموعی کل اجزاء کا
اسلئے یقیناً ہم اس امر کی تعمیل سے قاصر رہے۔ کسی طرح یہ عذر نہیں کیا جاسکتا کہ چہرہ کا دھونا ایک
حقیقتہً مطلقہ تھا اگر ہم اسکے کسی فرد یا جزو پر عمل ہو گئے تو ہم تعمیل امر سے عہدہ برآ بھی ہو گئے۔

افعال اسی طرح افعال مشرعیہ کے سلسلہ میں دیکھو تو صلوٰۃ ایک شرعی فعل ہے جس کے اقامت کا
قرآن کریم نے یہی حکم فرمایا کہ۔

اقیموا الصلوٰۃ۔ نماز درست کر کے پڑھو۔

یہ فعل صلوٰۃ ایک کل اور ایک مجموعہ ہی۔ جسکے اجزاء مثلاً رکوع و سجود قیام و قعودہ اور قومہ
جلسہ وغیرہ ہیں۔ تنہا رکوع یا سجود یا قیام کو نماز نہیں کہتے۔ پس اگر ہم نے صرف رکوع کر لیا یا صرف
قیام کر کے سلام پھیر دیا۔ یا دو رکعت کی نماز کو ایک رکعت پر ختم کر دیا تو بلاشبہ ہم نے نماز نہ پڑھی کیونکہ
نماز ان انفرادی اجزاء کا نام نہ تھا بلکہ مجموعہ کا اور جب مجموعہ ادا نہ کیا گیا تو ہم امر صلوٰۃ کے امتثال
سے بالکل قاصر رہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ بعض اجزاء ادا کر دینے سے صلوٰۃ ادا ہو گئی کہ وہ امر کے ذریعہ
طلب کئے جانے کے سبب ایک حقیقتہً مطلقہ تھی۔

اخلاق اخلاق حسنہ کے سلسلہ میں اگر ہم کسی کو امر کریں کہ۔

۱ حکم ہذا السرحیل =

اس شخص کا اکرام کر۔

تو ظاہر ہے کہ اکرام دو ایک خلق حسن ہے ایک مجموعہ ہے جس کے مجموعی منفی دو اجزاء پر مشتمل ہیں۔ ایک ہر وہ فعل بجالانا جو اسکو خوش معلوم ہو۔ اور دوسرے ہر اس فعل سے کہ جانا جو اسے ناخوش معلوم ہو۔ پس اگر ہمارا ماسور ایک جانب تو مہربانی و لطف سے پیش آئے۔ اُسے ہایا وغیرہ نہ۔ اور دوسری جانب اُسے زد و کوب بھی کرے تو نہیں کہا جائیگا کہ اُس نے ہمارے امر کا امتثال کیا کیونکہ زد و کوب کے ساتھ ہر وہیٹا اسلئے اکرام نہیں کہ اسکی حقیقت کا وجودی جزو تسلیم کتب تو پایا گیا لیکن عدی جزو الکفایت اذنی نہ پایا گیا اور بغیر دونوں جزدوں کے اس مجموعہ کا وجود قویٰ نہ نہیں ہو سکتا۔

ادعوات کے سلسلہ کو تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا نہ جان کا

حکم فرمایا ہے۔

مَنْ كَانَتْ يَوْمُهُنَّ بِاللَّيْلِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

جو تم میں سے وہ اور جس سے پہلے ہو جائے وہ

فَلْيَكْرِمْ حَقَّيْقَةً =

ہماری ہے کہ اپنے ہر روز اکرام کرے۔

میانہ یا اکرام ضیف ایک وصف حسن ہے جسکی حقیقت یہ ہے کہ تعظیم و بھونے کے ساتھ جہان کو سیر شکم رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ اس میانہ کی حقیقت جہان کو چنہ لئے کہ کر جہان کا اٹھا دینے سے قائم نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یقیناً شرعی امر کا امتثال کیا کیونکہ میانہ کے بعض جزا تو پورے کر دئے اور بعض چھوڑ دئے۔ اور جبکہ مجموعی اجزاء ہی سے اسکی حقیقت قائم ہو سکتی تھی تو ہم نے بعض اجزاء کو ترک کر کے اسکی حقیقت کو اطورا کر دیا جو ادا شدہ نہ بھیجی جائیگی۔

مخالفت کفار ٹھیک اس طرح ترک تشبہ یا مخالفت کفار ہر اوطان ایک شرعی فعل ہے جو دوسروں کی

ذریعہ ہم سے طلب کیا گیا۔

یہ مخالفت کفار ایک کل اور ایک مجموعہ ہے جو سیاسی، تعلیمی، تشریفاتی، تعلیمی، قانونی، معاشرتی، سیاسی اور ضلع و اطوار شعائر اور خلاصہ یہ کہ ہر ایک ظاہری و باطنی مخالفت پر دسی و شلی ہے ان میں سے کسی ایک آدھ مخالفت کا نام مجموعی مخالفت نہیں ہے۔ پس اگر ہم نے کسی ایک آدھ تشبہ

میں تو ان سے مخالف نہ کریں۔ اور باقی شیعوں میں اپنے لائباس کی مطلق الصغافی اور لائبالی بن سے ان کے مشابہ اور موافق بن گئے۔ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ہم نے اس مطلوب مخالف کو ادا کر دیا اور امر و نہی کی بوجھ سے ہلکے ہو گئے۔ کیونکہ مطلوب مخالف جبکہ ایک مجموعہ تھا تو وہ مجموعہ اپنے تمام اجزاء ہی سے قائم ہو سکتا تھا نہ کہ ایک آدھ جزو سے۔

پس جس طرح ان مذکورہ نظائر میں نہیں کہا جاسکتا کہ ادا کر کے ذریعہ ان اعیان و افعال اور اخلاق و اوصاف کی حفاظت مطلقہ طلب کی گئی ہے۔ چوہرہ میں فقط ناک دھو لینے اور نماز میں صرف سجدہ کر لینے اور اکرام میں زرد کو سیاہ کیا تھہرہ ہر دیر سینے اور ضیافت میں مہمان کو ایک آدھ لقمہ کھلا دینے سے پوری ہو سکتی ہے۔ ضروری نہیں کہ سارے ہی اجزاء کو عمل میں جمع کیا جائے۔

بیشک اس طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ موافقہ انبیاء اور مخالفہ کفار یا ترک تشیع (جبکہ اس کا عام اور جمع استغراق ہونا ثابت کیا جاسکا) ایک حقیقہ مطلقہ ہے جو صرف کسی ایک آدھ جزئی میں مخالفہ کفار کر لینے سے ادا ہو سکتی ہے۔ ضرورت نہیں ہے کہ خلاف کے سارے ہی اجزاء زیر عمل آئیں کیونکہ ہر ایک عام یا مجموعہ جب تک کہ شریعت ہی اُسے مخصوص السبب نہ بنا دے اپنے سارے ہی اجزاء سے قائم ہو سکتا ہے نہ کہ ایک آدھ جزو سے۔ اور ہر ایک مجموعہ جبکہ طلب کیا جائیگا تو وہ سارے ہی اجزاء کے پیش کرنے سے ادا بھی ہو سکیگا نہ کہ ایک آدھ جزو سے۔

پس نکتہ چہن تو موافقہ انبیاء اور مخالفہ کفار کو حقیقہ مطلقہ مان کر کے اس دھوکہ میں نہ گئے کہ اگر اس کا اکثر حصہ چھوٹ کر ایک آدھ جزو بھی زیر عمل آجائے تو کافی ہے اور میں اس کو حقیقہ عامہ یقین کر کے اس علم پر ہوں کہ اگر اکثر حصہ زیر عمل آکر ایک آدھ جزو بھی چھوٹ جائے تو وہ بھی ناکافی اور ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ نشان ابن مشرق و مغرب۔

یہ گفتگو اس تقدیر پر تھی کہ موافقہ و مخالفہ کو ہم نے حقیقہ مطلقہ تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ بلکہ حقیقہ عامہ مانا تھا۔ لیکن اگر ہم بھی نکتہ چہنوں کی طرح تھوڑی دیر کے لئے ان خلاف کو مطلق ہی تسلیم کریں تب بھی ان کا یہ شمشئی کو کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا کہ وہ ان خلاف کی کسی ایک آدھ جزئی پر عمل کرے

امردہ ہی کے پوجہ سے بری الذمہ ہو جائیں اور ادا حقیقت کے لئے صرف اتنا ہی جزوی عمل کافی خیال کرنے لگیں۔ کیونکہ ہم موافقہ انبیاء اور مخالفت کفار کو ایسا مطلق نہیں تسلیم کرتے جس کے کسی ایک آدھ ہی جزو کو مشرعیّت کافی سمجھتی ہو۔ بلکہ ایک ایسا مطلق مانتے ہیں جس کا فرد کامل شریعت کے مطلوب ہے اور ظاہر ہے کہ فرد کامل وہی ہو سکتا ہے جس میں کمادیکفا حقیقت کا غالب اور معظم حصہ آجائے۔

در نہ اگر اتباع سے کوئی سا جزوی اتباع اور خالفوا سے کوئی سا جزوی خلاف مطلوب ہو تو یہ طلب ہی عبث اور لا طائل ہو جاتی ہے کیونکہ ان دونوں معینوں سے خطاب مسلم کو ہے اور مسلم جب تک کہ وہ مسلم ہے طبعی اور فطری طور پر ضرور ہے کہ ادا ضرور اتباع انبیاء کے کسی نہ کسی جزو پر اعتقاد یا عملاً قائم ہو اور آدھ خلاف کفار کے کسی نہ کسی جزو پر ضرور دیتا ہو۔ در نہ اگر ایک مسلم اتباع انبیاء کے کسی ایک جزو کو بھی اعتقاد یا عملاً لئے ہوئے ہو۔ اور ایسے ہی خلاف کفار کے کسی شبہ پر بھی قائم نہ ہو گیا بالفاظ دیگر عدو انبیاء ہو اور حبیب کفار ہو۔ تو وہ مسلم ہی کب ہے کہ ان اداہ کا ان کو خطاب سمجھا جائے۔

اور پھر یہ جزوی موافقہ اور مخالفت طبعی طور پر نہ صرف مسلم ہی میں پائی جاتی ضروری ہے بلکہ میرے خیال میں تو کوئی کافر بھی ایسا نہیں نکل سکتا جو اسوۂ انبیاء کے کسی نہ کسی جزو کا متبع اور اسوۂ دعل و شیطن کے کسی نہ کسی جزو سے متنفر ہو۔ پس جبکہ اس اتباع و خلاف کے کسی نہ کسی جزو کا پابند ہونا ایسا طبعی اور غیر اختیاری امر ہے کہ مسلم ہی نہیں کافر تک اس کو پابند ہی اور وہ پابندی بلا کسی جہرام کے سببی ہے تو پھر اتباع اور خالفوا کے اطلاق سے بھی وہی جزوی حصہ طلب کیے جانے شخص ہے اسوۂ اور تحصیل حاصل ہے اور گویا ایک مسلم کو کافر کی برابر کہنے پر راضی ہو جانا ہے اس لئے ضرور ہے کہ امر و نہی سے اس اتباع و خلاف کا وہ حصہ مطلوب ہو جو اس طبعی اور غیر اختیاری حد تک پہنچے آگئے ہو۔ پس اسی غالب حصہ کو ہم ان حقائق مطلقہ کا فرد کامل کہیں گے۔

پس اتباع انبیاء کا فرد کامل تو یہ ہے کہ وہ ایک آدھ جزئی سے گزر کر اس حد تک پہنچ جائے

کہو یہ مسلم اپنے اکثری حالات کے اعتبار سے معرفت عام میں کسی نبی کے مسلک کا پیرو اور اسکے مخالف مسلک سے نفور پکارا جانے لگے۔ اور خلافت کفار یا ترک تبتہ کا فرد کامل یہ ہے کہ وہ ایک آدھ جزئی سے گذر کر اس حد پر آجائے کہ ایک مسلم کفار سے صورتاً و سیرتاً دیناً و تمدناً الگ ہونے کے سبب عرف عام میں مخالف کفار کہا جانے لگے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ نمیز درجہ (جسکو ہم مطلق کا فرد کامل کہہ سکتے ہیں) اس مطلق کی کسی ایک آدھ جزئی پر عمل کرنے اور بقیہ جزئیات کو لایا بالی پن سے چھوڑ دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ظاہر و باطن کے اکثر اور غالب شعبوں پر عملدرآمد کرنے سے ظہور پذیر ہو سکتا ہے۔ اسلئے جب شریعت ان مطلق حقائق کو طلب کرے گی تو یقیناً ان کے اس نمیز درجہ ہی کو طلب کرے گی اور اسلئے اس نمیز درجہ کو ادا کئے بغیر کسی طرح اس مطلق کی ادائیگی متصور نہیں ہو سکتی۔

پس نکتہ چین مطلق کی آڑ لیکر جس آزادی مطلق العنانی اور بے دینی کی شرعی رنگ میں بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔ وہ قائم نہ ہو سکی اور جہتہ قائم ہوئی تھی وہ الحمد للہ منہدم ہو گئی۔ اور ثابت ہو گیا کہ جب تک ترک تبتہ کامل یا غالب حصہ زیر عمل نہ آجائے۔ اُس وقت تک کوئی مسلم تارک تبتہ نہیں کہلا یا جاسکتا۔

آخر میں ہم ایک عجیب و غریب نتیجہ لکھ کر حدیث من تبتہ کی اس مناظرانہ بحث کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ سید صاحب نے باوجودیکہ حدیث من تبتہ کی تردید و تکذیب میں کوئی انتہائی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ لیکن اس کا کیا علاج ہو کہ تجاد و دہائی ہی جو سر پر چڑھ کر بولے "وہ صد انکار کے باوجود بھی مسئلہ تبتہ کو مان لینے پر قہر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے حدیث من تبتہ کی فطری حقیقت سے بھاگنے کی کتنی ہی سعی کی۔ مگر فطرۃ نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور آخر کار انہی کے منکرانہ کلام سے مقررۃً اعتراف کر لیا گو یہ اعتراف ان کے خلاف مرضی ہو۔ وہ حدیث من تبتہ کو بزرعم خود پوری طرح رد کر دینے اور غیر معقول ٹھیرا دینے کے بعد برسبل تنزل اس حدیث کا ایک محل تجویز فرماتے ہیں کہ۔

"حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کا جس کو میں آئندہ سے قول کہونگا کیونکہ میرے

نزدیک اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے کوئی صحیح مورخ نہ ایک کے وہ بھی قیاساً
قرار نہیں پاسکتا اور وہ مورد موت اثر دہام ہے۔ یعنی جس حالت میں موت اثر دہام
واقع ہو۔ اور مختلف قوموں کے مردے گڈ پڑ ہو جاویں تو حکم من تشبہ بقوم ہوتا ہے
کا جاری ہو گا یعنی لاشوں میں جو لاش جس قوم کے مشابہ ہوگی وہ اسی قوم کی شمار
ہوگی اور اسکی تجنیز و تکفین کے طریقہ کیا ہوگی۔ اتھذیبہ لافراقی علت بد چہ دم مشعلہ۔

اس عبارت کا ایک بار ایک نکتہ یہ ہے کہ سیدہ صاحبہ کی من تجنیز لاش سے ہمارا مطلب تو فوت
نہیں ہوتا اور سیدہ صاحبہ کا کلام اپنے اولیٰ و آخر کے متانت سے ہے اور فقہاء اور علماء و محدثین جانتے
کیونکہ حدیث کے اس مجوزہ محل کو اکثر فقہاء نے ہمارا مدعی تسلیم کر لیا ہے کہ ہم حنفیہ ثابت
کرینگے تو جتنا کلام بھی اس مدعی کے خلاف کیا وہ خود اپنی بکے خلاف ثابت ہو گیا۔ پس گویا جنوں نے اپنے ہی
کلام سے خود اپنے کلام کو تو مرد و ٹھکرادیا اور ہمارے مدعی کے اثبات میں مدد دینی چاہی ان کے لئے
شیئاً دھو شریک۔

اور وہ اس طرح کہ سیدہ صاحبہ اس کو سکا نقطہ میں امر دہم کر رہی ہیں کہ موت مذکور
کے وقت جبکہ مختلف اقوام کے مردے گڈ پڑے ہوئے ہوں کسی قوم کی اور اسی طرح کسی مسلمان
کی تجنیز و تکفین اسلامی طریقہ پر اسکے بغیر نا ممکن ہو کہ میں کوئی اسلامی قومیت و مذہبیت ثابت
پایا جاسکے۔

تو سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک مسلمان کی تجنیز و تکفین کے طریقہ پر ہی خود اس قوم کے
ہیں۔ آیا اسلام ہی کی سنت مسلو کہ کے موافق ضروری ہے یا یہ نہیں بلکہ اس پر آپ کی کتاب
آداب جنازہ کے منکر ہیں جو عہد بنو قریظہ سے جب تک ہموسہ رہا اور آج تک ہے کہ اس کے خلاف
سنت کے آثار و غریب سے لیکر انام و فہم کے اس کے آداب و حقوق کو چھوڑ دینا و تقیید کرنا یہ نہیں بلکہ
کے بقدر تقیید جس قدر غرض اور اسکے فی حق غرضوں کے مطابق طریقہ تجنیز و تکفین کے سبب بعض اوقات
و غیر و تکفین اور اس کی کیفیت پھر ثواب کیلئے کا مرد و تکفین اور اس کے آداب و غیرہ تجنیز و تکفین

نوحہ کی رعایتیں وغیرہ سب ہی امور گویا آپ کے نزدیک معاذ اللہ لغو اور عیث ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حکیمات شریعت کا ایسا پر ملا جود و انکار کہ ہمیں کلام رسول بھی ہو جائے اور اجماع اُمت بھی اسلام و ایمان کی ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور اسلئے ان فروعات شرعیہ میں آپ ہمارے مخالف طبیب بھی نہیں رہتے کہ کلام کا کسب سلسلہ آگے بڑھے۔

ان اگر آپ کے نزدیک واجب ہے کہ مسلمان میت کی تجنیز و تکفین اسلامی ہی طریق پر ہونی چاہئے اور ہرگز جائز نہیں کہ مسلمان کا مردہ ہندو کی طرح چلا دیا جائے۔ یا پارسیوں کی طرح چل اور کون کی تذکرہ دیا جائے یا عیسائیوں کی طرح کسی ستون میں کھڑا بن دیا جائے تو پھر آپ کے اقرار سے صاف ظہور پر یہ اقرار بھی نکل آتا کہ مسلمان کیلئے یہ قومی امتیاز اور ترک تشبہ بھی واجب ہے۔

کیونکہ آپ کے نزدیک جب موت زحام میں اسلامی تجنیز و تکفین کا واجب بغیر ظاہری امتیاز کے ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ آپ کے نزدیک واجب ہو تو کوئی نہیں جانتا ہے کہ سپرد واجب کی ادائیگی ہو تو ہودہ خود بھی واجب ہوتا ہے کہ مقتولہ الواجب واجب اسلئے نتیجہ یہ نکلا کہ امتیاز اور ترک تشبہ بھی ایسے اوقات از حرام میں واجب ہے۔

اور اگر بشر کہ آپ کے منکر قلم سے کم از کم موت زحام کے وقت امتیاز اور ترک تشبہ کا وجود بھی ثابت ہو گیا اور وجوب بھی۔ اور پھر جبکہ موت از حرام کے وقت آپ کو امتیاز اور ترک تشبہ کے وجود و وجوب ماننے سے چارہ نہ رہا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آپ کو موت زحام سے پہلے زندگی کی ہر ہر ساعت میں بھی اس ترک تشبہ کے وجود و وجوب ماننے سے کوئی مفرت نہیں رہا۔

کیونکہ سوال یہ ہے کہ یہ قومی امتیازات (جن سے ایک مردہ بعد الموت پہچانا جاسکتا) آیا اس موت زحام ہی کے لئے اختیار کئے گئے تھے یا موت سے پہلے کی عام زندگی کے لئے اگر کہا جائے کہ یہ مخصوص لباس وغیرہ محض موت ہی کے استقبال کے لئے ہیٹا کئے گئے تھے۔ امدان کی غرض صرف یہی تھی کہ ان میں موت آجائے تو یہ اسوجہ سے غلط ہو کہ نہ تو آجاک دینا کی کسی قوم نے محض موت کیلئے کوئی وردی تجویز کی (کہ ایسا کرنا کوئی سفید غرض ہی نہیں تھی) اور نہ کسی کے علم میں موت کا

کوئی وقت ہی عین ہوا کہ اس کیلئے ایسی تیاری کر لی جائے۔

پس دوسری صورت خود بخود متیقن ہو گئی کہ یہ امتیازی نشانات ان مرنے والوں کی زندگی کے نشانات تھے نہ کہ موت کے اور ان مرنے والوں نے جو کسی اسلامی امتیاز کے سبب اسلامی تہذیب و تکلیف سے مشرف ہوئے، اپنی پوری ہی زندگی میں یہ چاہا کہ وہ اپنے کو غیر مسلم اقوام سے صورتاً و سیرتاً ممتاز رکھیں اور ترک تشبہ پر جمیں تا آنکہ بعد الموت بھی جبکہ وہ غیر مسلم اقوام کے مردوں میں گدگد ہوں انہیں مسلم ہی پکارا جائے اور مسلمانوں ہی کے احکام و اعمال ان پر جاری کئے جائیں۔

پس سید صاحب کے کلام سے ترک تشبہ کا وجود و وجوب نہ صرف موت و حیات ہی کے وقت کیلئے نکلا بلکہ زندگی کی ہر ہر ساعت کیلئے بھی نکل آیا۔ اور یہی وہ مدعی تھا کہ جس کی تائید کیلئے تو ہم قلم بست تھے اور تردید کیلئے سید صاحب نے قلم اٹھایا تھا گو ان کے منافی قلم نے انجام پر پہنچ کر انہیں نہ ہو کر دیا اور ان کے ساتھ نفاق برتا بلکہ اگر ہم یہ بھی تسلیم کریں کہ ان جنازہ مردوں کو قرآن سے موت اور حیات کا علم ہو جائے۔ جیسا کہ کسی و بار کے حجاب کے وقت عموماً وحشت زدہ تیار دار مردوں کو چھوڑ کر بھاگ جائیں اور اس کس سپر سی کی حالت میں مسلم و غیر مسلم مردوں کے مخلوط دگدگ ہو جائیں کافین غلب ہو یا کوئی جنگ عظیم برپا ہو اور مسلم و غیر مسلم مردوں میدان مصافحہ کے پڑ ہو جانے کا خطرہ انکھوں سے نظر آ رہا ہو اور اس وقت یہ مرنے والے اسی نیت سے اسلامی لباس و اوضاع اختیار کریں کہ ان کی موت اسی ہیئت میں آجائے تب بھی ہمارا ہی مقصد رد دشمنی میں آتا اور ترک تشبہ کا وجوب ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ سوال یہ ہے کہ جب وہ بعد الموت اس لباس و وضع سے از خود کوئی بھی حظ حاصل نہیں کر سکتے تو پھر انہوں نے عین مرنے کے وقت اس ترک تشبہ کو کیوں اختیار کیا؟ اگر اسنے کیا اور اٹھا ہے کہ شخص اسی لئے کہ وہ بعد الموت مسلمان سمجھے جائیں اور ایسا نہ ہو کہ غیر اقوام کے مردوں میں شامل کر کے انہیں اسلامی احکام کے اجراء سے محروم کر دیا جائے۔ تو پھر میں کہتا ہوں کہ جس منہ و اسلامی اور اجرام احکام کی علت نے انہیں بعد الموت ترک تشبہ پر مجبور کر دیا وہی علت قبل الموت بھی منہ و ہے جو زندگی میں انہیں اسلامی شعار اور ترک تشبہ پر مجبور کر سکتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان اگر اپنی زندگی

میں غیر اقوام سے تشبیہ ترک نہ کرے بلکہ نصرانی صورت اور یہودی ہیئتہ بچائے تو کتنے ہی اسلامی حکام اور دینی اذہناع کی برکات سے قبل الموت بھی محروم ہو جائے۔ پس اگر یہ عروجی بعد الموت خطرناک ہے تو قبل الموت اس سے بھی زیادہ خطرناک ہی کیونکہ یہ ہی حیات قبل الموت حیات بعد الموت کا خاکہ اور نقشہ ہے جس پر آخرت کی تعمیر کھڑی کر دی جائیگی۔ پس اگر زندگی اسلامی ہے تو موت کے بعد کی زندگی بھی اسلامی ہو سکتی ہو یعنی اگر دنیا کی زندگی میں ایک مسلم تمام اقوام کفر سے ممتاز اور الگ ہے تو آخرت کی زندگی میں بھی اپنے حشر و نشر اور دائمی ٹھکانوں کے لحاظ سے ممتاز اور الگ ہی رہیگا۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ۔

تخشرون کما قوتون وقوتون	تمہارا حشر تو دوسرا ہوگا جیسے مرسے تھے اور مردگے اس حال میں جس میں زندگی گذاری تھی۔
-------------------------	---

یہ جہکے غیر اقوام کے تشابہ والیسا اس سے یہ نفرت ہو کہ وہ موت کے بعد تک کے لئے ترک تشبیہ کا سامان دیتا کر جائے تو کیا وہ زندگی میں اسے پسند کرے گا کہ اپنی صورت و میراث تشبیہ کے ذریعہ مشتبہ بنائے درنحال کہ شرعاً و عرفاً مشتبہ صورت۔ تشبیہ کپڑا مشتبہ پانی اور مشتبہ چیز کسی حال میں بھی درخور اتفاقات اور قابل اعتبار نہیں۔ پھر حیرت ہو کہ عام مسلمین کی سبیل اور راہ تو یہ ہے کہ وہ موت کے بعد بھی تشبیہ بالاقوام سے بچنے کی سعی کریں تاکہ اجراء احکام اسلامی سے محروم نہ بنیں اور سید صاحب کی غیر سبیل المؤمنین یہ ہے کہ وہ زندگی میں بھی تشبیہ بالاعیان کو لاجرح اور کاباس کی نذر کریں تاکہ مسلم قوم پر اسلامی احکام کے بجائے کفر کے احکام کا اجرا ہو جائے۔ خدا صبرِ ہم علی النار ذلک بان الله نزل الکتاب بالحو وان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی شدقاتی بعدہ۔ بہر حال سید صاحب بچ کر اس حدیث کا کوئی بھی محل تجویز کر لیں خواہ موت زحام ہو یا حیات زحام ہر صورت میں ترک تشبیہ کا وجود اور وجوب اسی محل سے نکل آئیگا اور وہ حدیث کو با معنی ماننے کے بعد اسکی حقیقت (ترک تشبیہ) کے دائرہ سے کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔ اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ اس حدیث کو با معنی ماننا ناگزیر ہے جس سے کوئی مفر نہیں۔ اس لئے ہر صورت میں

ترک تشبیہ کا وجہ یہی اس حدیث سے نمایاں ہوتا رہیگا ولو کثر المنکرون۔

پس سیّد صاحب کی تمام دہخیش جو حدیث من تشبہ کے خلاف انہوں نے اٹھائیں اپنی مقدمات کے لحاظ سے تو مسند تشبیہ کا ایک نامعقول سا ذکر رہی تھیں۔ لیکن نتیجہ کے لحاظ سے اس کا اثبات کرنے لگیں جو ہمارا مین مدعا تھا۔ پس جس کلام کا ادلہ آخر باہم مکرار ہوا آیا اس کلام کو مردود کہنا چاہئے یا اس حدیث من تشبہ کو جس کے خلاف یہ کلام اٹھایا گیا تھا۔

بہر حال واضح ہو گیا کہ حدیث من تشبہ فہو منہم ایک ایسا عقلی و نقلی اور حسی و شرعی قائل ہے کہ اس کی شرعی حیثیت پر مبطلوں کی سیفہا نہ کارروائیاں کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں اور کھل گیا کہ منکروں کی ناجائز نکتہ چینیوں اور بے جا اعتراضات محض ایک دہوکہ اور خدشہ تھے جنکا پردہ چاک ہو گیا اور حدیث بے غبار ہو کر اس طرح دکھائی دینے لگی کہ نہ اسکی سندیں انقطاع سے۔ نہ رواۃ میں ضعف ہے۔ نہ اسپر مورد متعین نہونے کا الزام قائم ہے نہ اس پر کسی شرعی نتیجہ کو مستلزم نہونیکہ دہبتہ ہے۔ نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل آپ کے اس قول کے معارض ہے۔ نہ حضورؐ اور صحابہؓ کا کوئی فعل اس کی شرعی حقیقت کے لئے مبطل ہے۔ نہ کسی چیز سے کفر لازم نہ آتا اس کی مندرجہ حقیقت کو جائز کر سکتا ہو۔ نہ ظاہر کے باطن پر اثر نہ ڈالنے کا منسوطا کی حقیقی تاثیرت کو فنا کر سکتا ہے۔ نہ وہ ایسی حقیقت مطلقہ ہے جسکی ایک آدھ ہی جزئی غلّا مطلوب ہو نہ اس کا عمل فقط موت اژدہام ہی ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسا واضح الدالہ نتیجہ خیز۔ غیر متعارض۔ بین التاثر۔ اور عام مقام شرعی اصول ہے جو نہ تو کسی قارض کے فرض کر لینے سے بنتا ہو۔ اور نہ کسی منکر کے انکار سے بگڑتا ہو۔ وہ خدا کے غیر متزلزل اور لا تبدیل کلام سے ثابت شدہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی محرف کی تحریف اور مبطل کے ابطال کو ماہ نہیں مل سکتی۔

نہ ان میں غیر واقعی بات کسی محرف کی ہو نہ ان کے پچھلے محرف
یہ نہ ان کی حکیم و محکم کی طرف سے نازل کرہ ہو۔

لا یتبہ الباطل من بین ید یدہ ولا من
خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

پس اگرچہ ہندوستان کے مشہور لیڈر اور مصطلح و یفادہر سید نے اس حدیث رسولؐ کو روایت

دورایہ مردود اور ناقابل عمل ٹھہرانے میں تہذیب الاخلاق کے کتنی ہی صفحات سیاہ کئے اور بے حد مساعی سے کام لیا لیکن اسی حدیث کے متعلق ائمہ مرحومہ کے بے تعداد علماء کی نکتہ سنجیوں اور ائمہ دین کی کہنی ہی بصیرۃ افزا حقائق کو سامنے رکھ کر ہم سید موصوف کی ان تمام مساعی کو چند توہمات اور بعید از قیاس تخیلات سے زیادہ وقت نہیں دیکھتے۔

وہ اس حدیث کے رد و تضعیف میں اگر کوئی دینی اثر کال پیش کرتے تو ممکن تھا کہ ہم بھی کسی مزید تفصیل سے کام لیتے۔ لیکن صورت موجودہ میں ان مذکورہ شبہات و وسوس کی مفادست کی بجائے یہ ہماری چند سطریں جو اس فصل میں پیش کی گئیں کافی اور ان کے تار عنکبوت کا طلسم کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔

آخر میں ہم اپراظہار حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سید صاحب نے تو تشبہ کے بارہ میں اپنی خود ساختہ اور وہ درہ مشرب میں اس قدر وسیع انجیالی کا ثبوت دیا کہ یہود و نصاریٰ۔ ہنود و مجوس اور دنیا کی کوئی گم راہ قوم بھی ان سے ناراض نہ رہ سکی۔ لیکن اسلام کے رہبانوں نے تشبہ کے تعلق اپنا دائرہ عمل اتنا تنگ اور محدود نہ لیا کہ وہ کفار کو کفار اہل بدعات کی بھی رضا و خوشنودی حاصل نہ کر سکے کیونکہ ان کا مسلک تو امام غزالی کی لسان میں یہ ہے کہ۔

جہلہ کوئی سنت مبتدعین کا امتیازی شعار بجائے تو ہم میں	ہمما صارت السنة شعارا لاهل البدعة
ان کے مشابہ بن جانے کے خوف سے اس کے بھی ترک	قلنا تدرکھا خوفا من التشبہ بھم۔ (جہاد نجوم)
فتویٰ دیں گے۔	کتاب السلف ۱۔

کیونکہ انکی وہ دین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ سنت پر عمل کرنا تو سنت ہی ہے لیکن تحفظ حد و فرض ہے اسلئے انہوں نے اس سنت کے ترک کا فتویٰ صادر کر دیا جو مبتدعین کی جماعت کا امتیازی نشان قرار پا جائے اور اس امتیاز کا دامن سنبھال لیا جو اہل سنت و اہل بدعت کو الگ الگ نمایاں کر دے اور ان میں سے اس مہلک تشابہ کا استیصال کر دے۔

پس اس روایت سے ان اسلاف کرام کی تو انتہائی احتیاط کھینچتی ہے کہ وہ مبتدعین کے تشبہ سے

بھی کیسے بچتے اور اُسے ہلک جانتے تھے۔ اور سید صاحب جیسو اخلاص کی بے احتیاشی اور بڑی کج
 واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ٹھیٹ کا فرما بننے سے بھی کوئی گراہتہ نہیں رکھتے اور کسی دینی طاقت سے
 نہیں ڈرتے۔

شَتَّانَ بَيْنَ مَشْرِاقٍ وَمَغْرِبٍ

فَاذْهَبْ وَ قَتْلُ يَسْتَوْ اَلَا عَزَّ

اگر یہ حکماء اسلاف اس امتیاز قومیت میں اتنی دور بینی اور احتیاط سے کام نہ لیتے تو کوئی مستحکم
 کہ اول تو دین کی اصلی حدود محفوظ ہی نہ رہتیں اور ہمہ گسٹ پہنچ ہی نہ سکتیں۔ دینی کچھ غلطی
 وہ جہلارا خلافت کی بدولت تحریف و تبدیل کی گھاٹ از جا تھیں اور اسلام کو بھی وہی حشر ہوتا جو
 سابقہ کا ہوا۔ لیکن خدا اپنے دین کا خود نگراں ہے۔ اور یہ اسی کی کار فرمائی ہے کہ مجاہدین کے قتل
 پھنرے آخر کار انہیں کے گولن کی طرف لوٹ جاتے ہیں و یا ذلالت و یقہ سارے۔

فصل

حدیث (لارہبانیتہ فی الاسلام)

کہ مشر فیصل میں حیرت انگیز چینیوں کے جواب دے چاہئے وہ ایک نقض کی حیثیت رکھتی تھیں یعنی ان کے ذریعہ ترک تشبیہ کے متعلق ہمارے پیش کردہ دلائل پر نقض وارد کر کے ان کو مخدوش بنائی گئی تھی۔ جو خود بشر پادریہ ثابت ہوئی۔ ایسا ہم ایک ایسی نکتہ چینی کا جواب دینا چاہتے ہیں جو معارضہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی جس کے ذریعہ نکتہ چینیوں نے بجائے ہمارے دلائل کو مسترد کرنے کے ہمارے دلائل (ترک تشبیہ) کے خلاف خود اپنی ذیل قائم کی ہے۔ اور یہ دکھانا چاہا ہے کہ مسئلہ تشبیہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں بلکہ ایک ایسی غیر مشروع چیز ہے کہ جسکو خود شرعیہ سے ہی رد کر رہی ہے۔

اس معارضہ کا حاصل یہ ہے کہ۔

ترک تشبیہ سے تو سخت گہری اور مخدوش ذہنی کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسکی تعلیم کے واسطے کام کرنا شروع ہوا تھا جس کا نتیجہ ہر چیز پر حد و قیود لگ جمانے کی وجہ سے معینہ تنگ ہو جاتی ہے۔ مشرق کے سب سے سادہ سماں انکو اور بیکار ٹھہر جاتے ہیں۔ دنیا کی اقوام کے کسی اچھے اور مفید نظریہ سے اختلاف کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ اور ان حدود و قیود کی بدولت اسلامی قوم کی ترقی ترک ہو جاتی ہے۔ گو یا رہبانوں کی طرح بہت ہی قلیل القعد افراد رہ جاتے ہیں جو اس نہ ہمایہ نواز اصول (ترک تشبیہ) کے ماتحت اسلام میں زندگی بسر کر سکیں۔ حالانکہ اسلام ایسی تنگیوں اور تنگ بینوں سے بہت بالا تر ہے۔ اس نے تو اقوام عالم کو نیر اور سہولت کا پیغام سننا کر اس قسم کی تمام رہبانیتہ آمیز تنگیوں سے بچالیا تھا اعلان دیدیا تھا کہ۔

اسلام میں رہبانیتہ اور تنگی نہیں ہے۔

(لارہبانیتہ فی الاسلام)

لیکن علماء اسلام نے ایسے ناقابلِ عمل اور رہبانیتہ نواز تشددات سے ان میں مسافرت پھیلائی شروع کر دی ان کو وسیع المشرقی۔ فرخ جو صعلگی اور روشن خیالی کے بجائے اُسی تنگی۔ محدود و انخیالی اور تاریک دماغی کی طرف لیجا تا چاہا جو اس رہبانیتہ کا پیش خیمہ تھی۔ یہاں تک کہ علماء کی اس غیر آل، پیش سے اغیار چھوڑ خود اپنے بھی اسلام سے ہزار ہوں گئے۔ اور اسلام کی ہر دلعزیز متلع صرف ایک محدود طبقہ کی جاگیر ہو گئی۔

مسئلہ زیر بحث کے خلاف جنگ کرنے والوں کا بڑے سے بڑا ہتھیار بھی حدیث کا دھبہ بانیتہ ہے جسکو وہ مسئلہ ترک تشبیہ کے ابطال کیلئے آدیا کرتے ہیں حتیٰ کہ اس مسئلہ کے خلاف معارضوں کی تمام وہ توہیں جنکا سطور بالا میں حوالہ دیا گیا ہے۔ اسی حدیث کی ظاہری دلالت اور اقتضا سے پیدا کر کے علماء اسلام کے خلاف پیش کی جاتی ہیں۔

لیکن مجھے تعجب ہے کہ یہ حدیث کے دلدادہ اور عشاق جنہوں نے اس حدیث سے علماء کو تنگ خیالی کا لازم ٹھہرایا۔ اس ایک حدیث کے مقابلہ میں ان سینکڑوں آیات و احادیث کو کیوں چھوڑ دیا ہے جسے مسئلہ تشبیہ کے اثبات پر روشنی پڑتی ہے اور جنکو تفصیل کے ساتھ ہم پہلے باب میں پیش کر چکے ہیں۔ آخر منع تشبیہ کے دلائل بھی تو کسی عالم کے ذاتی اقوال و افعال نہیں بلکہ ان ہی ائمہ و محدثین ہی کا ذخیرہ ہیں جو مسند صحیح سے ثابت ہو کر بلا کم و کاست ہمہ گماشتہ پہنچے ہیں اور جبکہ تشبیہ کی تنگی یا سخت گیری کسی عالم کی اختراع نہیں تو پھر سوچو کہ یہ تنگ خیالی اور تنگ نظری کا لازم کس پر عالم کو ہے ہو؟ علماء پر یا ان احادیث کے ذخیرہ پر یا اس ذخیرہ کے بوجھ پر؟

مرا بردی عشق آل نفعول عیب کند	کہ اعتراض براسر اہل علم غیب کند
<p>پھر جبکہ تشبیہ کی مقولہ آثار و ردایا، عقل و دھنس یا طبعی قانون پر بھی منطبق ہوتی ہیں جیسا کہ ثابت کر دیا گیا تو کیا وجہ ہے کہ یہ الزام خود ان نکتہ چینیوں پر بھی قائم نہ ہو جیکہ اس عقل و طبیعت اور نتیجہ کی پیروی کا ارعاد انہیں عمر و قیامت کے زیادہ سے چھین رکھتا اور ایسے ایسے لایعنی و سادہ و سچ اُبھارتا رہتا ہے۔ پس یہ تنگ خیالی کا الزام اگر دین پر ہے اگر کسی عالم پر ہے اور اگر عام روش عقل و طبع پر ہے تو یقیناً ان</p>	

ملکتہ چینوں پر بھی ہے اور اسلئے اس الزام کی جوابدہی تنہا ہمیں پر کیوں عالمگیر کیا ہی ہو؟

الامہ ساغر گہر در گس مست و بر نامہ شق

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے ہی دائرہ میں رہ کر گفتگو کرنی چاہئے اور اسی فن میں محد و درہم کو بولنا چاہئے جس کا وہ اہل بنایا گیا ہے۔

میل اور درویش انداختند

ہر کسے را بھیر کارے ساختند

مسئلہ تشبیہ نہ تو کوئی سیاسی و اقتصادی مسئلہ ہے اور نہ موجودہ پارلیمنٹس سے اسے کوئی تعلق ہو بلکہ وہ شریعت کا ایک سچا اور صاف مسئلہ ہے جو یا سہ نبوت سے وجود پذیر ہوا ہے اسلئے اس کی تحقیق بھی اسمبلی کے رائے دہندوں اور کابجوں کے موصسین یا پروفیسروں کے بجائے صرف دائرہ شریعت کے ارکان ائمہ ان علماء ہی کرنی چاہئے جنہوں نے اپنی عمریں قرآن و سنت کے ذکر و فکر میں گزاریں اور آیات و احادیث کو اپنے اپنے محل پر جمع کرنے کی واقعی اہلیتہ اپنے اندر پیدا کی توجہ ہے کہ حدیث کا دھبائیت سے کس طرح تشبیہ کا مسئلہ باطل ٹھہرایا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث تو اپنے الفاظ و نظم اور معانی و حقائق کے اعتبار سے تشبیہ کے مسئلہ کو نہ صرف نمایاں ہی کر رہی ہے بلکہ اس کے اثبات کی ایک نہایت ہی قوی اور محکم دلیل ہے۔ ہم بے حد مشکور ہیں اُن کے جنہوں نے مسئلہ تشبیہ پر اس حدیث سے اعتراض کر کے ہمیں اس مسئلہ کے ثابت کرنے میں مدد دی اور ایک مستقل دلیل کی طرف ہمارے توجہ کو پھیر دیا۔

حدیث مذکور کی غرض تو آپ کے نزدیک بھی یہی ہے کہ دین میں حد سے گزرا ہوا تشدد اور زائد اذکار تمتع نہیں ہے۔ لیکن اسپر غور کرو کہ حدیث کے حکمت آمیز نظم نے یہاں دینی غلو اور نہ ہی تشدد کو ان صفات اور صریح الفاظ میں تو نہ روکا کہ ”لوگو! دین میں تشدد و عورت کو نہ بلکہ تشدد کی نفی کی تو ان الفاظ میں کی کہ لا دھبائیت فی الاسلام“ (لوگو! اسلام میں رہبائیت نہیں ہوئے)۔ حالانکہ اس مقصد کو جملہ نے کیلئے پہلا جملہ زیادہ صاف و صریح تھا۔ پھر ایسا کیوں کیا گیا؟ اسلئے کہ مذہبی تشدد کی ممانعت کے ساتھ ساتھ یہاں اسکے بُرائی کی حقیقی علت پر بھی متنبہ کرنا منظور تھا کہ وہ صرف

نہیے غبار ہو گیا نہ او سپر عازروں کے شبہات پڑ سکے اور نہ خود پڑا نہ اوس کا کوئی پہلو کھڑا نہ ہا۔ اہل ایک بھری حکم کی
 یہی شان ہی ہوتی ہے کہ وہ کسی آن قابلِ رُز نہیں ٹہر سکتا لیکن او سکوز ذکر نوا کے خود ہی مرد و پسر و بچہ
 ہیں۔ اے اے اللہ میں خداوند الطینہ و وحقنا لما یحبہ و یبغی۔

فصل

اختتام بحث اور اتمام محبت
مسئلہ تشبہ کا سب سے تسمانی سنگ بنیاد

۵۰ (اسرار)

منکرین کے تمام اعدا ر بار وہ کا فیصلہ کن جواب

مسئلہ تشبہ کی تمام عقلی و نقلی بحثیں معلوم کر لینے اور مسئلہ امر و نہی کے سارے فیصلہ سن لینے کے بعد اگر حقیقت الامر پوچھتے ہو تو مسئلہ زیر بحث کی عمارت کا سب سے نیچے کا سنگ بنیاد قلوب سلیم کا ایک صحیح اور صادق جذبہ ہے جسکو عشق و محبت کہتے ہیں۔

یہی وہ مؤثر اور غیر اعتدال جذبہ ہے کہ جہاں دنیا کے تمام دساتیر و قوانین، تمام اغلاط اور عقلی قوانین کے شمار منافع کی طامعیاں اور لالہ تہا مصائب کی تحو یضیں بھی قلوب پر اپنا کوئی اثر نہیں دکھا سکتیں وہاں عشق و محبت کی غیر محسوس قوت نہایت سہولت سے اپنا کام کر گذرتی ہے۔

عقل گوید شش جہت را ہیست حدی بر شش

عشق گوید ہست راستہ بار با من رفت ام

جب کسی دل میں عشق و محبت کے جذبات سرایت کرتے ہیں تو سب سے پہلی کیفیت عشق پر عمارت ہوتی ہے اور وہ اپنے دل و دماغ کا تمام سرمایہ یعنی جذبات و افواہات اور عواطف و انصافات کھینچتا اور محبوب کے قدموں پر ٹٹا کر دیتا ہے۔ پھر اس کا دہانہ کوئی ارادہ باقی رہتا ہے اور نہ اختیار اور نہ حق ہو سکتا ہے۔ بجائے غلام محض بن جانا اور خود رانی یا اپنی تجویز کو منادیتا ہے۔

فکر خود در اسے خود در عالم رندی نیست | کفر است دریں مذہب خبیث و خود رانی

(۲۱) پھر عاشق کے تمام وہ جذبات و مرضیات جو سلطان عشق نے چھین لئے تھے سب کے سب محبوب کے عزائم و مرضیات میں فنا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ عاشق کے قلب و دماغ یعنی عزائم و افکار پر محبوب چھا جاتا اور عاشق کے کل افعال خود اسکی مرضی سے ظہور پذیر ہونے کے بجائے محبوب کی مرضی سے سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اور اسکی زندگی و موت سب محبوب کے لئے ہو جاتی ہے۔

از نہ کنی عطائے تو در بکشی فداے تو | دل شدہ بتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(۲۲) پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ اس انہماک مجتہدہ اور استغراق عشق میں عاشق کو ایک محبوب ہی محبوب نہیں رہتا بلکہ اسکی ہر ایک بات و بان اور ساری ادائیں حتیٰ کہ اسکے تمام متعلقات و منسوبیات یہاں تک کہ اس کے کوپہ کی درو دیوار تک محبوب اور جاذب دل بن جاتی ہیں۔

اُمّ شعلی الدیار دیار لیلی | اُقْبِلْ ذَا الْجِدَارِ وَ ذَا الْجِدارِ
وَمَا حَبِطَ الدِّیَارِ شَغَفْنِ قَلْبِی | وَلَکِنْ حَبِطَ مِنْ سَکَنَاتِ الدِّیَارِ

(۲۳) پھر یہی وہ عجیبہ سادہ ہے کہ جس کے رسوم و استحكام کے بعد دنیا کی کوئی طاقت عاشق کو طلاقِ راہ عشق کی جنبش میں نہیں لاسکتی یعنی نہ اس کے جذبات مجتہدہ میں کسی ناصح کی نصیحت سے کمی آسکتی ہو اور نہ کسی لائم کی طاعت سے کوئی تذبذب۔ بلکہ یہ نصیحت و ملاست اور زیادہ اسکے عشق کو بھر کا دیتی اور وہ اپنی اس دار فنگی اور بے ساختگی کا زیادہ سے زیادہ طلبگار ہو جاتا ہے۔

مصلحت نیست مرا میری ازان آپ حیات | ضاعت الله یہ کل زمان عطشی

عاشق کی یہ خود گذاری یا ترک خودی اسکی نفوذ و تسلیم پھر ترک ماسوئی یا غیر محبوب سے استغناء اس نازی عشق و محبت کے افسانے میں جس میں نہ دوام ہے نہ استغناء نہ بقا ہے نہ قرار۔ محبت بھی چند روزہ ہی اور محبوب بھی عارضی۔ محبت کا عشق بھی زائل ہو اور محبوب کا جمال بھی فانی تو پھر ہی بتلاؤ کہ اگر کسی مہاول کی

۷ جنوں کہتا ہو کہ میں یلی کے کوچہ پر گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو اور میری دل میں اصل کوچہ کی درد دیوار سے کوئی گھر نہیں بنایا مگر اس کوچہ کی رہنے والی نے راسکی وجہ سے یہ متعلقات بھی دل میں رقم کئے۔ ۱۲

ایسے محبوب سے انگ بٹنے جو خود بھی غیر فانی ہوا اور اس کا جمال بھی جادوئی۔ عاشق کا عشق بھی غیر ختم ہو۔ اور
وصال کے درجات بھی بے نہایت۔ تو کیا اس حقیقی عشق میں عاشق کا دل انہی کیفیات کا محو اور دور و بہت چمک
جو عارضی عشق میں بھی اسپر طاری ہو جاتی تھیں؟ جواب یہ ہے کہ ضرور بن جائیگا بلکہ اگر پہلے عشق میں بننا ہی نہ ہو
پر بننا تھا تو اس عشق میں حقیقی طور پر بنے گا۔ پہلے اگر عارضی طور پر بننا تھا تو اب الہی طور پر بنے گا۔
پس اب سمجھ لو کہ ایک نمونہ جبکہ دعائے ایمان رکھتا ہو تو عمر درہر کہ وہ دعائے ذوالجلال والہی اور اس کے
رسول خاتم کمال کیساتھ ایک ایسے عشق و محبت کا دعویٰ کرے یا پھر ہمیں نہ محبت نفس کا لگاؤ ہے۔ نہ محبت کبر و بھاء
یا نفست ماسوی کا۔ کیونکہ ایمان کسی قانونی یا دینی اقرار کا نام ہو نیکی کے بجائے ایک ایسی ہی محبت کی نشانی ہے۔ اب
جس ماسوی کی گنجائش نہ ہو۔ حسب رسول کی نسبت تو حدیث رسول کا ارشاد ہی کہ

تم میں سے کوئی بھی موت تک تم کوں نہ لگاؤ گیسے میں سے کوئی نہ لگا
اُس کے والد اور والدہ اور تمام مومن۔ اور اُن کو یہ
نہیاد ان۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ

إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَالِدَتِهِ وَنَاسِهِ

اجمعیت

اور حسب اُنکی یہ متفق کلام الہی کا ارشاد ہی کہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَكُنْتُ لَهُمْ أَحَبَّ مِنْ نَفْسِهِمْ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَكُنْتُ لَهُمْ أَحَبَّ مِنْ نَفْسِهِمْ

اور یہ عشق آہی جب نبوی جب قلب مومن پر پانا لگتا ہے تب میں کو قدرتی طور پر پناہ لگتی ہے

جس سے مومن کوئی شائبہ نہ ہو۔ نہ کہ خودی و انانیت ہے۔ نہ کسی اپنی تمام کمیزیں اور نہ کسی

اُس سے چین یا تنہی وہ نہ بے حقی کے مہم فیات و احکام کے رستہ خود اپنی رائے و اپنے

بلکہ محبت کا کمال اُنکی تمام خود گذری کی قوت پر مجھے ان الفاظ میں لکھ دیا

وَمَا أَكُنْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ

وَمَا أَكُنْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ

وَمَا أَكُنْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ

وَمَا أَكُنْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ

وَمَا أَكُنْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ

خُلِّصْنَا مِنْكُمْ

آیت کریمہ میں مطیعون اور عاشقوں کو وصفت ایمان کے ساتھ مؤمن اور مؤمنہ ذکر فرما کر سلب اختیار اور سلب آزادی کو اس پر مستغرق کرنے سے یہی ظاہر کرنا منظور ہو کہ ایمان عشق حق کا نام ہو اور عشق میں عاشق کی آزادی باقی رہتی قدرتی طور پر ناگہن ہو اور پھر اسی آیت میں خود رانی کو عصیان سے تعبیر فرما کر یہ ظاہر کیا گیا ہو کہ حکم الہی آجانے کے بعد اپنی تجویز کا دخل دینا ایمان کی کمزوری اور عشق کی خامی کی دلیل ہو۔

توفیق تسلیم

پھر دوسری وہ کیفیت جس کو ترکہ خدوی کے بعد عاشق محسوس کرتا ہے یہ ہے کہ مومن کے یہ تمام شہدائے اختیار و مرغیات محبوب حقیقی کی مرغیات و اختیارات میں فنا اور متلاشی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ لاہر بجائے اُس کے نفس کے حق ہی حق چھا جاتا ہے وہ کرتا ہے تو اُس کے لئے اور رکتا ہے تو اُس کے لئے جیتا ہے تو اُس کے لئے اور مرتا ہے تو اُس کیلئے اُس کی عادت بھی اُسی کے لئے ہو جاتی ہیں اور عبادات بھی اُسی کیلئے۔ غرض توفیق مطلق اور تسلیم محض اُس کا امتیازی شعار بنتا ہے۔ یہی وہ مقام جان سپاری ہے جسکو شریعت اپنی اصطلاح میں اسلام کہتی ہے۔ حضرت حق نے ابراہیم علیہ السلام سے اسی اسلام واسم تسلیم کو امتداد دیا اور اُس کے بعد تمام نبیوں پر یہی اسلام جاری کیا اور پھر اُن سے اسی عنوان کی حقیقت کا یہ کھرا کہہ کر اُپکار لیا تھا کہ۔

قل ان صلاتی ونسکی وحیاتی ومہاتی بک
رب العالمین لا شریک لہ و لا ظلم لہ
وانا اول المسلمین +

اور ابراہیم کہدو کہ میری نماز اور میرا حج اور میرا امر بالا اور میرا
سبب اللہ رب العالمین کیلئے ہے جس کا کوئی ساتھی نہیں اور
مجھے اسی کا امر کیا گیا جو اور میرا سبب پہلا مسلم ہوا۔

پھر اسی مقام کو لے کر پہنچا آخری نبی کی زبان پر ان الفاظ میں ظاہر فرمایا کہ

من اعطی اللہ ومنع اللہ واسیب اللہ والایض
 اللہ فقد استكمل الايمان (مشکوۃ)

جس نے اللہ سے کچھ مانگ لیا اور اسے کچھ مانگا
 اسی کیلئے عداوت نہ پائی تو بلاشبہ اس فی یمان کامل کر لیا۔

یہی وہ مقام ہے جسکی استمداد بنایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان دعائیہ کلمات میں فرمائی ہے کہ :-
 اللَّهُمَّ احْفَظْنِي بِالْإِسْلَامِ قَاعِدًا وَحَقًّا وَحَقًّا وَحَقًّا
 اے اللہ میری حفاظت اسلام سے فرما، کھڑے اور بیٹھ کر
 قاعد اور احفظنی بالاسلام واقفاً
 سوختے ہوئے۔

• کہیں اسی درجہ کو جھٹورنے اور الفاظ میں اضافہ ہو کہ ۔

اللهم خذ إلى الخير بنا صديقي واجعل لاسلام
منتهى رضائي :-
ای اللہ میری پیشانی کو فرکیط کھنکھائے اور میری انتہائی نعم
سے انتہائی نین و خوشی میں سلام کو فرادے ۔

غرض اس مقام اسلام واسستہ کا حامل حضرت عارف شیرازی کی لسان میں یہ ہو کہ ۔

زبادشاہ دگدگ استار غم بھد اللہ	گدگے خاک در دوست بادشاہ من است
غرض مسجد و میخانہ ام وصال شہناست	جزا میں خیال نہ دارم خدا گواہ من است

الحاصل قصر محبت کے لئے یہ ہی دو مقام بہتر نہ مل سکتے ہیں ایک ترک ماسوی جو اس درجہ
پر ہو کہ خود اپنے نفس کو بھی ماسوی سمجھ کر ترک کر دیا جائے اور ایک استقامت عشق
میں اسی کا جلوہ بھان فرور نظر آئے اور وہی وہ ہو دو سرا نہ ہو ۔

شف ترک پہلی کیفیت یعنی ترک ماسوی میں جب عاشق کو شفقت پیدا ہوتا ہے تو قلب بہر ماسوی اور بہر
غیر حق محو ہونے لگتا ہے یعنی طبعی طور پر ایمانی قلب میں ہر وہ چیز مستنکر اور قبیح محسوس ہونے لگتی ہے جس میں
حق کا کوئی لگاؤ اور محبوب حقیقی کے ساتھ کوئی نسبت نہ ہو ۔ پس غیر حق خواہ وہ غیر حقانی اشخاص ہوں یا غیر
حقانی اعمال ۔ غیر حقانی علوم و افکار ہوں یا غیر حقانی شعائر و تہذبات ۔ غیر حقانی روشیں ہوں یا غیر حقانی
صورتیں اور سیرتیں اور بالکل تمام وہ امور جو غیر اسے نسبت رکھتے ہوں ایک ہی انداز قلب میں کبھی نسبت
و الفت کے ساتھ نہیں قائم ہو سکتیں ۔ ماسوی کے شفقت و نور پر محبوب حقیقی (حق تعالیٰ) کے
یہ اور خطابات پہنچیں کہ ۔

ولا تتركوا إلى الذين ظلموا فتمسكوا بالئسار :-
اور ان ظالموں کی طرف سے جھگڑی نہ کرو اور ان کی گت نہ پکڑو ۔

غبار میں سب سے بڑا غبار شہناست ہے ان اور مجھ میں کی ذریت ہو تو فرمایا :-

اقم قنودنا وذریعتہ اولیاء من ذلنا وعلوہ
لکھ عدو و بیس الظالمین بدلا :-
ہم کو اپنی اولیاء سے نہ لگنا اور ان کے علو سے نہ ہٹنا ۔

ای ترک ماسوی کے شفقت پر علامہ ابن عربی نے اپنی کتاب التوحید میں اختلاف الکلام میں کہا کہ
ہم دربارہ عارفی روایت سے کہہ سکتے ہیں کہ وہی عقل کی ہے کہ ۔

ادھی اللہ الی نبی من الانبیاء ان قل لقومہ
لا یدخلوا مدخل عدائی ولا یلبسوا ملبس
اعدائی ولا یرکبوا مرالبا عدائی ولا یطعموا
مطاعما عدائی فیکونوا اعدائی کما هو عدائی
(الزواج ص ۷۷ جلد اول)

خدا نے انبیاء میں سے ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ
اپنی قوم سے کہہ دو کہ وہ میری دشمنوں کے گھسنے کی جگہوں
سے گھسیں بھی نہیں اور میری دشمنوں کا لباس بھی نہ پہنیں
اور میرے دشمنوں کے کھانوں جیسے کھانے بھی نہ کھائیں اور
میری دشمنوں کی سواریاں جیسی سواریاں نہ سوار بھی ہوں۔

یہ نصوص ہم سے اگرچہ کسی امتیاز کی شان پیدا کر لیں اور امتیاز سب سے بہتر اس طریقہ سے ہو جائیگا جو سنت نبوی ہو کہ ہمیں وہ
بھی ان دشمنوں کی طرح میرے دشمن نہ بن جائیں۔

اس وحی کے آخر کا یہ جملہ فیکونوا اعدائی کہ اہل عدائی (کہیں وہ بھی ان دشمنوں کی طرح میری دشمن
نہ بن جائیں) ایسا ہی، جیسا کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ نہ بیٹھنے اٹھنے کی ممانعت فرما کر کہا تھا کہ
اگر تم ان کے ساتھ بیٹھے بیٹھے تو انکے اذاعتلام (اسوئت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے) یا قرآن کریم نے کفار کو
دوستی اور ملاقات قطع فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ تم کو کھانا نہ کھاؤ اور تم ان سے دوستی نہ کرو اور تم ان سے
دوستی نہ کرنا کہو وہ انہیں اس سے شکار ہو گا) یا ہمیشہ نبوی نے مشابہت کفار سے روک کر فرمایا کہ میں تشبیہ
بقوم فیہم ینہم (جو کسی قوم کیساتھ مشابہت اختیار کر لیا تو وہ اسی قوم میں سے ہو جائیگا)۔

شفقت اور نہایت دھرم کی ایک صفات اور مستغرق فی المحبوب میں شفقت پیدا ہوتا ہے تو ہم
ایک ذات محبوبہ کی محبت میں رہتے ہیں مگر محبوب کے اوامروں کے احکام اس کے اعمال میں جتنی کہ اس کے تمام
نسوبات بھی اس کی خاطر سے دل میں محبوب شہر جاتے ہیں۔ پس اس طرح حضرت حق تعالیٰ اور بارگاہ نبویہ کی
محبت ایمانی قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اس طرح ہر اس چیز کی شفقت بھی جم جاتی ہے۔ جو حق سے کوئی
رہبتی ہو۔ خواہ وہ حقانی اشخاص ہوں یا حقانی اعمال یا حقانی علوم ہوں یا حقانی شکار، حقانی اولاد و اولاد
ہوں یا حقانی رسوم و عادات۔

اسی شفقت حسب کے مقام کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعا میں مانگا ہے کہ۔

اللہم آئی استلک حیاتک و حسب من یحیثک

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری محبت اور اس

وَالْعَلَّ لِلَّذِينَ يُبْلَغُونَ جَنَّتِ اللَّهُمَّ اجْعَلْ جَنَّتِ

أَحِبَّ إِلَيَّ مَنْ نَفْسِي وَاهْلِي وَمَنْ أَلَمَّا الْبَارِدِ

شخص کی محبت کا جو نتیجہ سے محبت رکھتا ہو اور اس کی محبت کا

جو نتیجہ تک پہنچاتا ہو اور اس کی محبت کو میری دل میں میری نفس

سے بھی زیادہ میرے اہل و عیال سے بھی زیادہ اور ٹھنڈی پانی سے بھی زیادہ محبوب بنادے گا

مثلاً ایمان وصال حق کا ذریعہ ہوا اس لئے حضور نے اس کی محبت کا بھی سوال فرمایا کہ۔

اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيمَانَ وَزِينَةَ قُلُوبِنَا

اے اللہ ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور ہمارے دلوں

میں آراستہ فرما دے۔

یامثالاً موت وصال حق کیلئے رکھ دے اور اس لئے آپ نے اس کی محبت کا بھی سوال فرمایا کہ۔

اللَّهُمَّ حَبِّبْ الْمَوْتَ إِلَيَّ مِنْ تَعْلَمُ فِي سَوَالِكِ

اے اللہ موت کی محبت میرے دل میں ڈال دے

جو تجھے رسول جانتا ہو۔

محبت کے انہی دو مقاموں (اختر ترک) کے شغف سے پیدا ہوتا ہے یعنی شغف حب

سے تو تشبہ بالصلحا کی بنیاد پڑتی ہے اور شغف ترک ماسوائے سے ترک تشبہ بالکفار کی یعنی جہد جہد محبت حق

میں شغف بڑھتا جائے گا اسی درجہ ان کی اوضاع و اطوار اور ان کی ہر ہر روش کی توجہ استعمال بھی ترقی کرتی

جائے گی اور جہر باندازہ محبت جس درجہ ترک ماسوائے میں شغف جوتا جائے گا اسی درجہ ان کی ہر ہر روش سے نفرت

وعداوت اور توجہ انظار بھی بڑھتی جائے گی۔

پس اختیار کتنا ہی اپنی روشوں اور اوضاع و اطوار سے متاثرہ کہہ سکتے ہیں اور الغریب بنا کر پیش کریں۔ لیکن یہ

حقیقت کا عاشق (مومن) ان صورتوں پر راضی نہیں ہو سکتا۔ خواہ نفس و شیطان اور شیطان النفس نصرت کا

یہ ایہ اختیار کریں یا ہارستہ کا۔ ہاں اگر کسی کو عشق ہی تمام اور توجہ ان سے توجہ پرستی کے نام سے توجہ

بجائے ہو تو پھر غیر اور غیر کہ ہر روش شہرہ کی اداوں پر غائب ہو سکتی ہو۔

بہر حال تیرے تو عشق الہی یا ایمان حق کے ان ہر اوضاع و اطوار سے مستعد کرے۔ دیکھو کہ تشبہ تشبہ

اور ترک تشبہ یعنی ایمان کی مشابہت پر حریف ہونا اور ایمان کی مشابہت سے غور ہونا تک مومن کا ایک نوعی

تجربہ اور ایمانی دھندلہ نہ کہ کوئی بناوی بات یا تعصب نہ کہ کوئی کوشش نہ کہ ہر نفس و عواطف و ایمانی ترقی

افغانی سے مراد ذات مجوسین کا ہونا کہ ترک سے مراد ترک ماسوائے

بلا کسی امر و نہی اور بلا کسی جنت و دہان کے قدرتی طور پر کسی مومن کو حق نہیں رہتا کہ وہ کوئی عبادۃ یا روش
و معاشرۃ محض اپنے ہوا سے نفس یا قلب یا عینار سے تجویز کرے اور اپنے ایمان یا عشق کو ہر وہیہ سے پاک بھی
سمجھتا رہے۔ کیونکہ ترک تجویز یا ترک خودی و خود رانی اور غیر سے نظر ہٹا لینا عشق کی پہلی منزل تھی اور جب
پہلے ہی قدم پر اس نامکام عشق کے قدم ڈگ گئے تو اسے اس لقب کو اختیار کرنے ہی کا کیا حق رہ گیا۔
پس اب ہندوستان کے فرنگیت آپ اور لادگان تفریح عشق آبی کے اس میوا کو پیش نظر
رکھ کر اپنی حالت پر ایک نظر انصاف ڈالیں کہ آیا یورپ کی اس کو رانہ تہذیب میں ان کے پاس کوئی تجربہ و عذر
موجود ہے یا وہ محض ابلہ گت و پوانہ ہمارے دیکھے اصول پر چل رہی ہیں۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ اگر وہ اسلامی
اصول کے بالمقابل قرنی نمونوں کی کوئی محبت و عطف و مہار و اہمیت و غلبہ میں کہتے ہیں تو انہیں اس وقت تک
دعا ہے کہ انہیں ہی چھوڑ دینا چاہیے جو کمال و اس حالت کو تبدیل کر کے تجویز یا جان کر لیں، کیونکہ ایک دل میں
حق کی اہانت اور غیر حق کی محبت جتنی ہی ہو سکتی ہے۔

ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔

اور اگر محبت نہیں بلکہ محض ایک طبی شوق کے ذریعہ وہ نصرانی و احوار کے شکار ہو گئے ہیں پس میں
نہ استحسان کا کوئی دخل ہر نہ استہجان کا تو پھر نہیں اس پر غور کر لینا چاہیے کہ یہی طبی شوق ایک تجربہ و
خود رانی ہے حالانکہ انہیں مومن و ہدایتی حیثیت سے برہنہ تسلیم و رضا بنا گیا تھا نہ کہ پابند شوق و ہوا کے ان کا
ہر ایک فعل انکی خواہش کے تابع ہوا اگر انہیں ذاتی طور پر اس غیر حقانی معاشرۃ کا کوئی شوق بھی نہیں بلکہ
محض سوسائٹی کی لامنت یا تحقیر کے خیال سے غیر اقوام کی روشنیوں پر تھک پڑے ہیں تو پھر انہیں یقین کر لینا
چاہیے کہ ان میں عشق الہی و حب نبوی کا کوئی بھی اثر بھی نہ رہا ہے نہ اس کی روح بھی ہو۔ اور نہ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ عاشق و عارف
عاشق بھی ہو اور کسی لائق کی لامنت یا مانع نادان کی نصیحت سے متاثر ہو کر مجبور ہو کر روشنی پر تھک بھی ڈال دے
ہرگز نہیں۔

یہ مسئلہ تو اب طالب کی ہر کہ در اسلام کو حق سمجھتے کہ باوجود لامنت کے خیال سے ہر مسئلہ و
قبول کیا اور عورت و ارشاد پر دم داپس ہیں۔ یہی ہے اسباب۔

<p>من خیر اذیان البریة دینا لو جدتنی سمیحا بذالک مبینا</p>	<p>اظهرت دینا فہ علمت بانہ لوالہ المکلمۃ اوحذا ر مسمیہ</p>
<p>پھر کون ہے کہ ابوطالب کو مؤمن صادق یا عاشق حقیقت کہنے کی جرات کرے۔ ہاں شائق حقیقت کی سنت یہ ہے کہ وہ محبوب کے حقیقی معاملہ میں کسی طعن و تحقیر کی نیم جو کی برابر بھی پرواہ نہیں رکھتے اور ایسی لامستوں کو لوک پالوش سے ٹھکرا دیتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ابن یمان کے ہاتھ سے کھانا کھائے ہوئے لقمہ گر پڑا تو انھوں نے اٹھ کر صاف کیا اور مونہ میں رکھ لیا، ایک خادم نے عرض کیا کہ ایسا کیجئے عجیب میں یہ طریقہ میوہ ہے اور وہ ایسے شخص کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں تو برہم ہو کر فرمایا۔ کیا میں اپنے محبوب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ان احمقوں کی وجہ سے چھوڑ دوں گا؟</p>	<p>آآ تَرَکَ سُنَّةَ حَبِیبِیْ اِهْوَآءَ الْحَمَقَاءِ پس اہل ہوا کے طعن و تحقیر سے کسی سچائی اور پاکبازی کو پھیر ڈینا تو ابوطالب کا شیوہ ہی اور ساری دنیا کی لامستوں کے جھرمٹ میں ہونے کے سامنے گردن ڈال دینا حضرت حذیفہ کی اور ظاہر ہو گیا کہ ایک ایسا نہ رکھنے والی حضرت حذیفہ کا اسوہ تو قابل تقلید ہو سکتا ہو لیکن ابوطالب کا نقش قدم کیدیل نشان راہ نہیں بن سکتا۔ اور اگر وہ اسلئے تشبہ بالنصاری پر رضامند اور قناعت پاز رہیں کہ انہوں نے دنیا کی سب سے بڑی ہجرت اور حکمران قوم سے تشبہ کیا ہی تو انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت سے بڑا کرامت کوئی حکمرانی اور بادشاہی نہیں۔ یہ آسمانی بادشاہت جب ظہور کرتی ہی تو تمام دینی حکمرانیاں اسکے سامنے سرسجود ہو جاتی ہیں۔ یہی سلطنت جب چودہ صدی پیشتر چھٹے پورے کیرنوں شکستہ جھروں اور ظاہر ہی بے سوسامانیوں کے ساتھ عام میں ظاہر ہوئی تو اسکے ایک شاہدار نے دنیا کی حکمرانیوں کے نقشے بدل دیے۔ فارس کا زبردستی تخت قیمم کا بڑھتا ہوا اقتدار تہ و بالا کر دیا اور بڑی بڑی ممالک و قوموں کو زبردستی کر دیا جو آراستہ سامانوں۔ رنگ قدوس آویانوں اور نظریاتوں کے منہ پر دست پر کر کے سامنے آئیں۔</p>

توجہ محل شش ہی کہ در ولایت عشق
گدا بہ تحت نشانہ و باد شہ گیرند
پس کیا ایک نبوت کی بارگاہ کا عاشق اور معنی محبت بھی کسی سلطنت کی چو کھٹ پر سر ٹیک سکتا ہو؟ ہرگز نہیں
کیونکہ یہ تو غیر کی طرف پورا التفات ہے حالانکہ ولایت عشق کا پہلا قانون تو غیر کے خیال کو بھی دل سے محو
کر دینا ہے، چہ جائیکہ غیر پر اوندھا ہو جانا۔

اور اگر وہ اسلئے غیر اقوام کی ہو ہو پیر دی کر رہے ہیں کہ ان کے معمولات و مصنوعات میں کچھ اداوی
منفعتیں اور معاشرتی راحتیں بھی انھیں نظر آرہی ہیں اور ظاہری زمینیں بھی، تو انھیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے
کہ ہر وہ چیز جو کسی منفعت پر مشتمل ہے ضروری نہیں ہے کہ مباح بھی ہو۔ مشہور ہے کہ سبب اور قرار بازی میں بھی
ہیں اور وہ کہ جن کا قرآن کو بھی اقرار ہے پھر عموماً عالم کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو منہر محض ہو اور کسی منفعت
پر مبنی نہ ہو۔ لیکن پھر بھی ان دونوں چیزوں اور دوسری بہت سی اشیاء کو قرآن نے حرام قرار دیا اور اسلئے
قرار دیا کہ ان کی حضرت میں اور بالخصوص روحانی مقصد میں انکے منافع پر غالب تھیں پس مطلقاً منفعت کسی شے
کیلئے موجب استعمال نہیں ہو سکتی۔ رہی نہ نہ تو اول تو عاشق کو زینت اور بناوٹ سے کیا سروکار ہے اسے
بناوٹ سے منگوار اور فیشن کی غلامی سے کیا واسطہ؟ اور انکو خر قہائے اخترع و ثیاب نے ور سے کیا علاقہ؟

اسے بسا خر قہ کہ مستوجب آتش باشد

عاشق کو تو جامہ دوزی کے بجائے جامہ سوزی ملی ہے۔

افروختن و سوختن و جسامہ دریدن
پروانہ زمن - شمع زمن گل من آتش

اور اگر اسے نکل ہی غیوب ہے تو پھر عشق کے ہوتے ہوئے محبوب ہی کا نکل مجوب ہو سکتا ہے نہ کہ اغیار کا
بلکہ اعدا کا۔

بہر حال دعوائے عشق اور ادعائے ایمان رکھتے ہوئے یہ تمام اعدا بارودہ محض لچر اور حیلہ جوئی ہی
حقیقت تو یہ ہے کہ زیادتہ کو دجل و فساد نے گھیر لیا، قلوب منحرف ہو گئے ایمان اور ایمانی اشیاء سے منافرت
اور اظہار سلیمین سے اجتناب دلوں میں بیٹھ گئی۔ اس لئے سبیل المؤمنین پر چلنے کی توفیق بھی چھین گئی
یہ مختلف اعدا اور حیلہ محض اسلئے ہیں کہ اس بے توفیقی کے عیب پر پردہ ڈال دیا جائے۔ ورنہ اگر

دلوں میں محبوب حقیقی کی کو لگی ہو تو وہ کسی جیل کی پیش پے اور نہ کسی رہنما کی حاجت ترسہ قلوب خود کو دہشتناکی
کرنے لگیں اور اس قسم کے غلط اور بے وزن اعتبار کو جو کر ڈالیں۔

شوق در ہر دل کہ باشد رہبر سے در کارست

ان جہاں کسل و غفلت اور قلمبہالہ کے غلبہ سے راہِ علیہ راگامزنی ہی مقصود نہ رہ سکتا ہر ہزار گناہ

آہی اگر نہ چلسم تو باتیں ہزار ہیں

اللہم انا نعوذ بک من القسوة والغفلة والعینۃ والزلۃ والمسحکۃ

تمہ الجلد الاول (والحمد للہ) ویلیہ الجملہ

(انشاء و انتہا)

مختار الاسلام حضرت مولانا محمد حسن صاحب دہلی

پہلا	نام کتاب مختصر تعریف	دوسرا	نام کتاب مختصر تعریف
۳۴	کاجواب ہے جو آیوں میں پڑھیں گے تھے قابل دید رسالہ	۱	تقریریں
۳۵	انتصار الاسلام پنڈت دیانند سرستی کے دس اعتراضات کا جواب جو کہ اسے مقام روڑ کی جمع عام میں	۲	غریب و غریب تحفہ کہ جس میں دین اسلام کے اصول کی
۳۶	الدلیل المکمل جس میں عدم تراوت فاتحہ خانہ الاسلام	۳	مقدمات عقلی و ثبوت ثابت لکھی ہے اور بتایا گیا ہے کہ دنیا
۳۷	مطابق مذہب خفیہ ثابت فرمایا ہے۔ قابل قدر رسالہ	۴	میں خدات و بندہ اگر کوئی دین ہے تو وہ صرف اسلام ہے
۳۸	الدلیل المکمل اہل حدیث کے دس اعتراضات کا	۵	بطور مختصر دینی میں پیش تھی اس میں تجربہ نہایت اہم کیا تھے
۳۹	عالمانہ جواب اور اپنی طرف سے گیارہ کاجواب سوال قیمت	۶	مطابق قاضی ابوبکر محمد انصاف عنوانات فہرست مضامین پانچ
۴۰	تحدیث الناس اس رسالہ میں و لکن رسول	۷	حجت الاسلام حضرت قاسم العلوم و الخیرات کے
۴۱	اللہ و خاتم النبیین کی عجیب و غریب تفسیر ہے اور	۸	عمر دینی کا نمونہ اثبات و تحدید رسالت کے پیش مضامین ہیں
۴۲	عجیب مسائل کا بیان ہے۔ قابل دید کتاب قیمت	۹	اعلیٰ کمالات کا نمونہ ہے یا چھتھیں شیخ الہند در مطبوعہ جدید
۴۳	ابھیجا منت اس کتاب میں جناب رسول مقبول صلی اللہ	۱۰	قبلہ نما انتصار الاسلام کا دوسرا حصہ استقبال قبلہ اور
۴۴	علیہ وسلم کی حیات جہانی و روحانی کے ضمن میں تہذیب و ثقافت	۱۱	بہت پرستی کا باجی فرق اور حقیقت استقبال قبلہ کی بیان
۴۵	عجائب و تحقیقات مسائل عقلیہ و نقلیہ بیان فرمائے ہیں،	۱۲	ان کے مسائل کے اعتراضات کو دیکھا ہے۔ قابل دید رسالہ
۴۶	انتصار قرآنی (فارسی) اس میں چند آیات کے نکات	۱۳	تفسیر الحکیمہ جس میں گوشت خوردی انسان کا طبعی و
۴۷	و تفاسیر اور بعض خطوط حضرت مولانا کے درج ہیں قیمت	۱۴	فوقانی خاصہ ثابت کیا گیا ہے انحضرت قاسم العلوم و الخیرات
۴۸	مناظرہ عجیبہ تحذیر الناس پر بعض علماء اہل فخر و	۱۵	مستقیمہ العقائد جس میں وہ دلچسپ مسائل
۴۹	اعتراضات لکھے تھے ان کا جواب نہایت دقیق عالمانہ	۱۶	میں ہیں کہ جو مابین حضرت مولانا و سرسید بہادر بابائی علی گڑھ
۵۰	مباحثہ شہرہ آفاق پانچ حصہ دوم گفتگوئے مذہبی	۱۷	میں ہوئی تھی کہ اسلام و اصول شریعت کے بارہ میں چند
۵۱	۱۲۹۳ھ کے سلسلہ میں جب مذاہب باطلہ نے منہ کی کھائی	۱۸	تکلف ہی نہیں تو مختلف غیر مسائل کا انصافاً مختصر سیر
۵۲	دوبارہ ۱۲۹۵ھ میں پنڈت دیانند وغیرہ نے مناظرہ کی کھائی اور	۱۹	میں پانچ سو روپے کا بار دیا گیا ہے کہ کاغذ و نیز دلائی عمدہ
۵۳		۲۰	بہت تر کی بہتر تھی آریہ سماج کے ان اعتراضات

مکتبہ انوار کتب کا دار و قلم کے قرائن تحریری ترجمہ اور تہریم کی کتابیں عربی و فارسی اردو، دہلی وغیرہ دسی بکفایت ملنے کا

یہ سچ کتب خانہ مطبع قاسمی روپور ضلع سہارنپور (یو پی) ہے